علیہا السلام

فاطمہ

اپنے باپ کی ماں

آیت اللہ حسن رضا غدیری

قال النبی (ص) :

" فاطمة ام ابیها "

....

فاطمہؑ :

اپنے باپ کی ماں

تالیف

آیت اللہ حسن رضا غدیری

ناشر

الغدیر فاونڈیشن لندن

ISBN 978-969-8947-12-5

تعارف کتاب

نام کتاب :	فاطمہؑ: اپنے باپ کی ماں
موضوع :	تفسیر و تشریح کنیت سیدۂ کائناتؑ
تالیف :	آیت اللہ حسن رضا غدیری
ترتیب و تدوین :	الحاج آغا ابو طالب
پیشکش :	فاطمیہ ٹرسٹ، لندن
طبع :	اول
تاریخ اساعت:	نومبر ۲۰۱۲ء
ناشر :	الغدیر فاونڈیشن، لندن ۔ یو کے

Hussainia Reserch Centre
45-Peter Avenue, London, NW10 2DD U.K.
Tel:(+44)208 621 4088

پاکستان میں ملنے کا پتہ

۱۔حق برادرز۔غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور
۲۔کریم پبلیکیشنز۔ اردو بازار لاہور
۳۔ضامن بک ڈپو کربلا گامے شاہ لاہور
۴۔محفوظ بک ایجنسی مارٹن روڈ کراچی
۵۔رحمت اللہ بک ایجنسی کھارادر کراچی

مین سٹاکسٹ۔مکتبہ ذیشان ہوپ روڈ لوکو شیڈ لاہور۔54900

فاطمہ (علیہا السلام)

اپنے باپ کی ماں

تالیف:

آیت اللہ حسن رضا غدیری

ہے، میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے، میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا در ہے، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، حق علی کے ساتھ ہے اور علی حق کے ساتھ ہے، قرآن علی کے ساتھ ہے اور علی قرآن کے ساتھ ہے، امامین حسنینؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے بیٹے ہیں، وہ دونوں امام ہیں، وہ جوانان جنت کے سردار ہیں، وہ میرے گلشن کے دو پھول ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اور جب بی بی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرمایا تو یوں ارشاد ہوا کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، فاطمہؑ میرا دل ہے، فاطمہؑ میری روح ہے، فاطمہؑ خواتین عالم کی سردار ہے، اور فرمایا کہ فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے، آخری فرمان نبویؐ کی تشریح و توضیح اور تفسیر و تفصیل بیان کرنے کا شرف آیت اللہ حسن رضا غدیری کو حاصل ہوا، انہوں نے اپنے محققانہ انداز میں اس حدیث نبویؐ کے ہر لفظ کی بابت علمی انداز میں بحث کی اور حدیث کی سند اور حضورؐ کے فرمان میں ماں کے ساتھ تمثیل کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا کہ اسے پڑھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ حضورؐ نے کس قدر فصاحت و بلاغت اور تمثیلی اسلوب کے ساتھ اپنی عظیم بیٹی کی عظمت کا اظہار فرمایا، اس کتاب میں قرآنی آیات کے ساتھ استدلال کر کے موضوع کو نہایت مدلل صورت میں پیش کیا گیا ہے، آیت اللہ غدیری کی علمی و عالمی شخصیت کسی سے پوشیدہ نہیں انہوں نے عربی، فارسی اور اردو زبانوں میں تحقیقی کتب لکھ کر امت اسلامی کو عظیم روحانی تحفے دیئے، حال ہی میں ان کی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں آیت مبارکہ "بسم اللہ الرحمٰن الرحیم" کی تفسیر کی ہے اور اسے بیروت کے ایک مشہور ادارہ نے شائع کیا ہے، اس کا نام " **ومضات البسملة** " یعنی "بسم اللہ کی نورانی شعائیں" ہے، کتاب حاضر میں انہوں نے موضوع کی مناسبت سے آیات قرآنیہ سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حضورؐ کا کلام درحقیقت قرآنی حقائق کی ترجمانی کا ایک انداز ہے، حضورؐ کی احادیث قرآنی علوم و معارف کی تفسیریں ہیں، حضورؐ کی ہر بات کو وحی کی تصدیق و تائید حاصل ہے، حضورؐ کی سیرت ہمارے لئے نمونہ ہی نہیں بلکہ معیار عمل ہے، الغدیر فاؤنڈیشن لندن کو اس کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل ہوا ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب علمی حلقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ مقبول و مفید قرار پائے گی۔

الغدیر فاؤنڈیشن۔لندن

فاطمہ (علیہا السلام)

اپنے باپ کی ماں

تالیف:

آیت اللہ حسن رضا غدیری

بسم اللہ الرحمن الرحیم

شروع اللہ کے نام سے، جو بہت مہربان، ہمیشہ رحم کرنے والا ہے

قال الرسول الاعظم (ص) :

فاطمة ام ابیها ،

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا :

فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔

☆☆......☆......☆☆

آئینہ کتاب

عن ابن عباس قال:

قال رسول الله (ص) :

" امابنتی فاطمة فهی سیدة نساء العالمین من الاولین والآخرین "

جناب ابن عباس نے بیان کیا کہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:
میری بیٹی فاطمہؑ ، عالمین کی اولین وآخرین میں سے تمام عورتوں کی سردار ہے۔

یہ حدیث تمام محدثین واہل تحقیق حضرات نے اپنی کتب میں ذکر کی ہے مثلا:
امالی شیخ صدوق ص ۵۷۵۔ سنن ابی داوود ج ۴ ص ۳۵۵۔ ترمذی ج ۵ ص ۷۰۱۔ صحیح بخاری ج ۴ ص ۲۴۸۔
مسند ابی داوود ص ۱۹۶۔ المستدرک حاکم نیشاپوری ج ۳ ص ۱۵۶۔ صحیح مسلم ج ۴ ص ۱۹۰۴۔
اور متعدد دیگر معتبر کتب حدیث وسیرت،

عرض ناشر

....

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم،

اللہ تعالیٰ نے جن ہستیوں کو اپنی معرفت کا ذریعہ بنایا اور اپنے پیغامات واحکامات کی تبلیغ کا وسیلہ قرار دیا ان کے سید وسردار ہمارے نبی حبیب خدا خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں، اللہ تعالیٰ نے ہم پر احسان فرمایا کہ ہمیں ان کی امت ہونے شرف واعزاز عطا کیا، جس طرح وہ خود تمام انبیاء سے افضل ہیں اسی طرح ان کی امت بھی تمام امتوں سے افضل ہے، خداوند عالم نے آنحضرتؐ پر جو کتاب نازل فرمائی وہ ہر آسمانی کتاب سے افضل ہے، لہذا جس طرح اللہ کی ذات اور اس کی وحدانیت کا انکار کفر ہے اسی طرح حضورؐ کی رسالت اور ختم نبوت کا انکار بھی کفر ہے، اور قرآن مجید کا انکار بھی کفر ہے بلکہ اس کی کسی بھی آیت کا انکار کفر ہے، جس طرح قرآن کتاب ہدایت ہے اسی طرح ہر فرمان نبویؐ بھی سرچشمہ ہدایت وضامن سعادت ہے، اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اہل بیتؑ کی عظمت کے بارے میں جو کچھ بیان فرمایا ہے اس کا بھی انکار نہیں ہوسکتا، ان عظیم ومقدس ہستیوں میں ایک پاکیزہ نام سیدۂ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا ہے کہ جو دختر رسولؐ، زوجہ علیؑ مادر حسنینؑ اور رسول خداؐ کی نسل وذریت طاہرہ کے وجودی تسلسل کی وسیلہ ہیں، انہی کو اللہ تعالیٰ نے یہ شرف واعزاز عطا فرمایا کہ ان سے سادات کا سلسلہ قائم ہوا اور ان کی اولاد، اولاد رسول کہلائی، حضورؐ سید کائنات ہیں، امام علیؑ مولائے کائنات ہیں، بی بی فاطمہ سیدۂ کائنات ہیں، امامین شریفین حسنؑ وحسینؑ سید اشباب اہل الجنۃ ہیں، ان ہستیوں میں سے جس کی بھی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں عظمتوں اور سیرت وکردار کی پاکیزگی کے اعلیٰ ترین نمونے سامنے آتے ہیں، حضرت پیغمبر اسلامؐ نے اپنے اہل بیتؑ کے بارے میں متعدد بار اور مختلف حوالوں سے ارشادات فرمائے اور ان کی فضیلتوں سے آگاہی دلائی، مولا علیؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرا بھائی ہے، میرا خلیفہ وجانشین ہے، جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا

ہے، میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے، میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا در ہے، علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں، حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے، قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے، امامین حسنینؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرے بیٹے ہیں، وہ دونوں امام ہیں، وہ جوانان جنت کے سردار ہیں، وہ میرے گلشن کے دو پھول ہیں، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، اور جب بی بی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرمایا تو یوں ارشاد ہوا کہ فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے، فاطمہؑ میرا دل ہے، فاطمہؑ میری روح ہے، فاطمہؑ خواتین عالم کی سردار ہے، اور فرمایا کہ فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے، آخری فرمان نبویؐ کی تشریح وتوضیح اور تفسیر وتفصیل بیان کرنے کا شرف آیت اللہ حسن رضا غدیری کو حاصل ہوا، انہوں نے اپنے محققانہ انداز میں اس حدیث نبویؐ کے ہر لفظ کی بابت علمی انداز میں بحث کی اور حدیث کی سند اور حضورؐ کے فرمان میں ماں کے ساتھ تمثیل کی حقیقت کو اس طرح واضح کیا کہ اسے پڑھنے کے بعد واضح ہو جائے گا کہ حضورؐ نے کس قدر فصاحت و بلاغت اور تمثیلی اسلوب کے ساتھ اپنی عظیم بیٹی کی عظمت کا اظہار فرمایا، اس کتاب میں قرآنی آیات کے ساتھ استدلال کر کے موضوع کو نہایت مدلل صورت میں پیش کیا گیا ہے، آیت اللہ غدیری کی علمی وعالمی شخصیت کسی سے پوشیدہ نہیں انہوں نے عربی ، فارسی اور اردو زبانوں میں تحقیقی کتب لکھ کر امت اسلامی کو عظیم روحانی تحفے دیئے، حال ہی میں ان کی ایک کتاب منظر عام پر آئی ہے جس میں انہوں نے عربی زبان میں آیت مبارکہ ''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم'' کی تفسیر کی ہے اور اسے بیروت کے ایک مشہور ادارہ نے شائع کیا ہے، اس کا نام '' ومضات البسملة '' یعنی ''بسم اللہ کی نورانی شعائیں'' ہے، کتاب حاضر میں انہوں نے موضوع کی مناسبت سے آیات قرآنیہ سے استدلال کر کے یہ ثابت کیا ہے کہ حضورؐ کا کلام درحقیقت قرآنی حقائق کی ترجمانی کا ایک انداز ہے، حضورؐ کی احادیث قرآنی علوم ومعارف کی تفسیریں ہیں، حضورؐ کی ہر بات کو وحی کی تصدیق وتائید حاصل ہے، حضورؐ کی سیرت ہمارے لئے نمونہ ہی نہیں بلکہ معیار عمل ہے، الغدیر فاؤنڈیشن لندن کو اس کتاب کی اشاعت کا اعزاز حاصل ہوا ہے، ہمیں امید ہے کہ یہ کتاب علمی حلقوں میں اپنی انفرادیت کے ساتھ مقبول ومفید قرار پائے گی۔

الغدیر فاؤنڈیشن۔لندن

ابتدائے کلام

....

فاطمہ زہراءؑ :

اپنے باپ کی بیٹی !

اپنے باپ کی ماں !

عظمتوں، رفعتوں، کمالات اور بلند پایہ صفات کو وجودی صورت میں دیکھنا ہو تو اس گھرانہ کی کسی بھی فرد پر نگاہ کی جائے جس کی پہچان کا ذریعہ وہ ہستی بنیں جنہیں ان کے حقیقی باپ نے حقیقی بیٹی ہونے کے باوجود" اپنے باپ کی ماں " کہا، وہ ہستی کائنات میں صرف ایک اور صرف ایک ہیں یعنی سیدۂ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا، رسول اسلام کی نور نظر اور ام المومنین خدیجہ الکبریٰ کی لخت جگر، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی زوجہء مکرمہ، امامین حسن و حسین علیہما السلام اور سیدہ زینب و ام کلثومؑ کی مادر گرامی قدر!

اللہ تعالیٰ نے سیدہء کائناتؑ کو جو مقام عطا فرمایا اور جس منزلت و مرتبت سے نوازا وہ کسی دوسری خاتون کو حاصل نہ ہوئی، نسب کے حوالہ سے ہو یا حسب کے حوالہ سے ہو، شخص کے تناظر میں ہو یا شخصیت کی نسبت سے ہو، ظاہر کی بناء پر ہو یا باطن کے حوالہ سے ہو، وجود کے حوالہ سے ہو یا بقاء کے تناظر میں ہو، ہر نسبت سے اللہ تعالیٰ نے سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کو منفرد حیثیت عطا فرمائی اور مخصوص صفات سے نوازا کہ جو اس بات کا سبب بنیں کہ آپؑ کو عالمین کی خواتین کی سرداری عطا ہو اور خود رسول اللہ خود ارشاد فرمائیں کہ تو سیدۃ النساء ہے

نسب کی پاکیزہ نسبت کا مرکزی نقطہ وہ ہستی ہیں جو اپنے وجود و منصب دونوں حوالوں سے عظمت کی حامل ہیں یعنی حضرت خاتم الانبیاء، حبیب خدا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، کہ جو ہر اعلیٰ صفت و پاکیزہ فضیلت کا مبداء و منتہاء ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پوری کائنات کے لئے رحمت قرار دیا اور ارشاد فرمایا:

" وما ارسلناك الا رحمة للعالمين " ۔سورہ انبیاء، آیت ۱۰۷۔

(اور ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر کائنات کے لئے رحمت بنا کر)

آیت کا انداز، رحمت کے حصر پر دلالت کرتا ہے، اس میں وجودی عظمت کا لطیف اشارہ ہر "موجود" کی موجودیت کو اس ہستی کے وجود کا مرہون منت ہونے کی طرف ہے کہ اگر وہ نہ ہوتے تو کسی کو وجود کی نعمت عطا نہ کی جاتی، اصل الوجود، در حقیقت اللہ تعالیٰ کی نعمت ورحمت ہے، جو آنحضرتؐ کے اصل الوجود کی ثبوتی تاثیر اور رحمت خداوندی کی ظاہری صورت ہے۔
وجودی فیض کے علاوہ بقائی نعمت کا بیان " وما محمد الا رسول " کے الفاظ میں ہوا کہ منصبی فیض، بقائے موجودات کی ضمانت کی صورت میں ظاہر ہوا،

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کی وجودی فیض رسانی اور منصبی اثر گزاری کے سلسلوں کو تسلسل عطا کرنے کے لئے جو پاکیزہ نظام مقرر فرمایا اس کی اصل واساس اور روح رواں اس ہستی کو قرار دیا جسے وحی کے بغیر کلام نہ کرنے والی شخصیت نے "اپنے باپ کی ماں" کہا، اور پھر دونوں ہستیوں نے اس لقب کی عملی طور پر اس طرح لاج رکھی کہ ان کا کردار قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے نمونۂ عمل ہے

ماں، وجودی مصدریت کا پاکیزہ عنوان

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ "ماں" جسمانی وجودی حوالہ سے مصدریت رکھتی ہے، اسے وجودی مصدریت کا پاکیزہ عنوان ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ مگر رسول خداؐ نے اپنی حقیقی صلبی بیٹی کو "ماں" کا لقب عطا کر کے اپنے وجودی مصدر سے قطع نظر، اپنے وجودی فیض کے تسلسل کی معنوی جہت کا اظہار فرمایا ہے تا کہ معلوم ہو سکے کہ اس ہستی کے ذریعے رسالت کی مقصدیت کی پاسداری کی ضمانت ہوگی اور اس ہستی کے طفیل کائنات وموجودات کو بقائے نعمات الٰہیہ کا فیض حاصل ہوگا، وہ ہستی "اپنے باپ کی ماں" ہی کی طرح اپنے حقیقی باپ کا نقطۂ احترام قرار پائیں کہ جب بھی تشریف لاتیں تو حقیقی باپ کھڑا ہو جاتا اور اپنی جگہ پر بٹھاتا کہ جس طرح حقیقی ماں کو احترام دیا جاتا ہے، وہ حقیقی ماں نہیں تھیں بلکہ حقیقی بیٹی تھیں مگر ایسی بیٹی کہ جس نے اپنے حسبی کمال کی بنیاد پر حقیقی ماں کا معنوی کردار ادا کیا اور اپنے حقیقی باپ سے اپنے لئے ماں کا اعزاز حاصل کیا۔
دنیا میں کونسا ایسا باپ ہے جو اپنی حقیقی صلبی بیٹی کے لئے ۔۔وہ جب بھی آئے ۔۔ کھڑا ہو جائے، یہ اعزاز صرف

سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو حاصل ہوا کہ جو ظاہری وجودی ونسبی نسبتوں سے ماوراء تھا،اس اعزازی لقب یالقبی اعزاز میں مادی وجسمانی انتسابات سے کہیں بلند تر روحانی ومعنوی حوالہ ملحوظ تھا کہ جس کی حقیقت کا حقیقی علم خود متکلم ہی کو ہے۔

وجودی اعزاز کی اعجازی حیثیت

سیدہ ءکائنات وہ عظیم المرتبت بی بیؑ ہیں جنہیں رسول اللہؐ نے گیارہ معصوم اماموں کی ماں کہا، چنانچہ ایک روایت میں اس طرح مذکور ہے کہ سیدہ ءکائناتؑ اپنی والدہ ماجدہ، اسلام کی خاتون اول حضرت ام المومنین سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا سے اپنی ولادت سے پہلے باتیں کیا کرتی تھیں اور انہیں تنہائی میں انس دلاتی تھیں کہ ایک دن حضرت خاتم الانبیاء رسول خداؐ اپنے خانہ اقدس میں تشریف لائے تو دیکھا کہ حضرت خدیجہؑ تنہا ہیں لیکن کسی سے باتیں کر رہی ہیں جبکہ ظاہری طور پر وہاں کوئی بھی موجود نہ تھا:

" فسئلها عمن كانت تخاطبه "؟

حضورؐ نے پوچھا کہ آپؑ کس سے باتیں کر رہی تھیں؟

" فقالت : ما في بطني "،

سیدہؑ نے عرض کی کہ میں اس سے باتیں کر رہی تھی جو میرے شکم میں ہے،

یہ سن کر حضورؐ نے ارشاد فرمایا: **" ابشري يا خديجة ، هذه بنت ،جعلها الله ام احد عشر من خلفائي يخرجون بعدي وبعد ابيهم "،**

اے خدیجہ! آپ کو خوشخبری ہو، یہ بیٹی ہے،اللہ تعالیٰ نے اسے میرے گیارہ خلفاء کی ماں قرار دیا ہے، وہ خلفاء جو میرے اور اپنے باپ (علی ابن ابی طالبؑ) کے بعد آئیں گے۔

اس روایت میں جہاں سیدہ ءکائنات کی وجودی عظمت کا اظہار ہے وہاں حضورؐ کے منصبی تسلسل کا بیان بھی سیدہ ءکائناتؑ ہی کے وجود مقدس سے مربوط صورت میں ہے،اس کے علاوہ ایک نہایت اہم مطلب کی طرف واضح اشارہ بھی پایا جاتا ہے اور وہ یہ کہ عربوں میں بالخصوص اور دیگر اقوام میں بالعموم بیٹیوں کی بابت جو غلط تصورات پائے جاتے تھے یا اب بھی پائے جاتے ہیں ان سب کی نفی بھی آنحضرتؐ کے مذکورہ بالا بیان سے ہو جاتی ہے کہ حضورؐ نے سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا کو بیٹی

کی بابت بتاتے ہوئے انہیں بشارت وخوشخبری کے الفاظ استعمال فرمائے (**ابشری، ھذہ بنت**)۔آپ کوخوشخبری ہو ،یہ بیٹی ہے۔اس سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیٹی کووجودی رحمت کا حامل قرار دیا ہے کہ جواپنے خاندان کے لئے خوشخبری لاتی ہے اور اگر وہ اپنی پاکیزہ سیرت کے ساتھ اس خوشخبری کے آثار کا تحفظ کرنے میں کامیاب ہوجائے تو اسے منفرد مقام حاصل ہوجاتا ہے،اور حقیقی باپ، ماں کالقب دیتا ہے۔

اس روایت میں سیدہؑ کی ایک امتیازی صفت مذکور ہے اور وہ یہ کہ آپؑ نے اپنی ماں کواپنی ولادت سے پہلے ہی انس دیا اور ان سے گفتگو کرکے ان کی اس حالت میں تسکین کا باعث بنیں جب مکہ کی عورتوں نے حضرت خدیجہؑ سے قطع تعلق کرلیا تھا، عام طور پر کسی عورت کو بچے کی ولادت کے وقت خاص انس کی ضرورت ہوتی ہے لیکن حضورؐ سے شادی کرنے کی وجہ سے عورتوں نے حضرت خدیجہؑ سے آمدورفت ختم کردی اور جب حضرت خدیجہؑ نے انہیں بلوایا تو انہوں نے صاف انکار کردیا اور واضح طور پر کہہ دیا کہ تم نے محمد سے شادی کی ہے لہذا ہم تیری مدد نہیں کرسکتے، ظاہر ہے کہ عورت کے لئے اس مرحلہ میں اس طرح کے الفاظ کا سننا نہایت تکلیف دہ ہوتا ہے لیکن حضرت ام المومنین خدیجہ علیہا السلام نے نہایت صبر واستقامت اور ایمانی عظمت وقوت کا مظاہرہ کیا جبکہ عموماً عورتیں حوصلہ چھوڑ دیتی ہیں، اس وقت اللہ تعالیٰ نے اسلام کی خاتون اول کے سکون قلب کے لئے سیدہء کائناتؑ کے ذریعے ام المومنین کوانس کی نعمت سے نوازا، اگرچہ یہ عمل ان عظیم ہستیوں کی امتیازی صفت ہے جیسا کہ حضرت فاطمہ بنت اسد علیہا السلام کے بارے میں مذکور ہے کہ مولائے کائناتؑ ،حضورؐ کی گھر میں تشریف آوری پر اپنی والدہ کے شکم مبارک میں انگڑائیاں لیتے تھے جس کی وجہ سے وہ معظمہ کھڑی ہوجاتی تھیں اور سید الانبیاءؐ کا احترام واستقبال کرتی تھیں، یا حضرت امام حسینؑ کے بارے میں مذکور ہے کہ آپؑ اپنی والدہ سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کے شکم میں ان سے باتیں کرتے تھے، اور جوں ہی پیدا ہوئے تو اس آیت کی تلاوت کی:

"شھد اللہ انہ لا الہ الا ھو والملائکۃ واولوا العلم قائما بالقسط لا الہ الا ھو العزیز الحکیم"۔سورہ آل عمران، آیت ۱۸۔

(گواہی دی اللہ نے کہ نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، اور فرشتوں نے اور صاحبان علم نے گواہی دی، انصاف کے ساتھ، نہیں ہے کوئی معبود سوائے اللہ کے، وہ غلبہ والا، حکمت والا ہے)۔

یہ سنت معصومینؑ ان کی نورانی وجودی حقیقت کی وحدانی عظمت کی دلیل ہے، ان ہستیوں کی ولادت کے اعجازی تذکرے تاریخ کی ناقابل انکار حقیقتیں ہیں اور ان تذکروں میں ہر حوالہ سے درس عمل ہے، پیغام سعادت ہے، بیان حقیقت

ہےاور روح ایمان ویقین ہے

ام المعصومینؑ، ام الآئمہؑ، ام ابیھاؑ

سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا ان گیارہ معصوم آئمہ علیہم السلام کی ماں ہیں جو سید کائناتؐ کے مقصد ومشن اور منصبی ہدف کے تحفظ کو یقینی بنانے میں یکے بعد دیگرے تشریف لائے ،جن کے اسماء گرامی قدر حضورؐ نے بتائے تاکہ حضور کی رحلت کے بعد امت میں اختلاف نہ ہونے پائے ،احادیث مبارکہ میں ان کے اسماء گرامی قدر یہ مذکور ہیں:

(امام حسن مجتبیٰ ،امام حسین سید الشہداء ،امام علی زین العابدین ،امام محمد باقر ،امام جعفر صادق ،امام موسیٰ کاظم ،امام علی رضا ،امام محمد تقی ،امام علی نقی ،امام حسن عسکری ،امام مہدی علیہم السلام اجمعین)

ان خلفاء کا منصوص ومنصوب من اللہ ہونا بھی مذکورہ بالا ارشاد نبویؐ **(جعلها الله ام احد عشر من خلفائی، یخرجون بعدی و بعد ابیهم)**۔ اللہ نے اسے میرے گیارہ جانشینوں کی ماں قرار دیا ہے، جو میرے اور اپنے پدر بزرگوار کے بعد یکے بعد دیگرے آئیں گے۔ سے ثابت ہوتا ہے، کیونکہ یہ ایک نا قابل انکار حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت کا جو نظام مقرر فرمایا اس کے تمام سلسلوں کا اختیار خود اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ میں رکھا ،انبیاء وپیغمبران وآئمہ علیہم السلام کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے خود کیا ،جس طرح کوئی نبی لوگوں کی طرف سے منتخب نہیں ہوا کیونکہ لوگوں کو اس طرح کے انتخاب کا اختیار ہی نہیں ،اسی طرح کوئی امام بھی لوگوں کی آراء سے منتخب نہیں ہوتا اس کا اختیار بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے ،اور اللہ نے یہ کام خود کیا۔اور جس طرح ہر نبی اپنے بعد آنے والے نبی کا اعلان کر کے گیا اسی طرح حضورؐ نے بھی اپنے بعد چونکہ سلسلہء نبوت کا اختتام ہو گیا تھا لہذا آئمہ کا اعلان بحکم خدا کیا ،جس کی پہلی کڑی حضرت امام علی علیہ السلام ہیں کہ جن کی ولایت کا اعلان حضورؐ نے غدیر کے موقعہ پر فرمایا ،چنانچہ آنحضرتؐ نے اس کا اظہار مختلف مواقع پر فرمایا کہ میرے بعد میرے بارہ معصوم جانشین ہوں گے بلکہ ان کے اسماء گرامی بھی واضح طور پر ذکر کیے جس کے بعد ان ہستیوں کی منصبی حیثیت واضح وآشکار ہو جاتی ہے اور امت کو راہ حق وحقیقت سے آگاہی وآشنائی کی نعمت مل جاتی ہے۔

حضورؐ کے بیانات کی یہی خصوصیت تھی کہ ایک جملے میں مختلف ومتعدد موضوعات کا واضح یا اشاراتی تذکرہ فرماتے تھے جو کہ قرآنی اسلوب بیان ہے ،مذکورہ بالا روایت میں سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کی وجودی وبقائی فیض رسانی کا واضح بیان

موجود ہے کہ انہی معظمہ ومکرمہ، مخدومہ ومعصومہ اور سیدہؑ کی ذریت طاہرہ کے ذریعے خلافت الٰہیہ کا وجودی سلسلہ قائم ہوا اور انہی کی اولاد کو" اولاد رسولؐ " ہونے کا شرف حاصل ہوا، اور انہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے دین وآئین کی تبلیغ وتحفظ کے لئے مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ منتخب فرمایا۔

وجودی وبقائی تصدیق

سیدہ ءکائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے عظیم باپ کی حقانیت وصداقت کی وجودی و بقائی تصدیق اس طرح کی کہ جب کفار نے حضورؐ سے چاند دوٹکڑے کر کے دکھانے کا مطالبہ کیا اور یہ اس وقت تھا جب سیدہ ءکائناتؑ حضرت خدیجہؑ کے شکم میں تھیں، تو اس وقت حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا نے کہا: برا ہو اس کا جو محمدؐ کی تکذیب کرے، وہ تو میرے پروردگار کے بہترین پیغام بر ہیں، اس وقت سیدہ ءکائناتؑ نے شکم مادر سے آواز دی:

" یا اماہ لا تحزنی ولا ترھبی، فان اللہ مع ابی "،

اماں جان، دکھی نہ ہوں اور نہ ہی خوف کھائیں، یقیناً اللہ میرے بابا کے ساتھ ہے،

پھر جب سیدۂ کائناتؑ کی ولادت ہوئی تو سیدہؑ کے چہرہ ءاقدس کے نور سے فضا میں روشنی پھیل گئی،

اس روایت کو شعیب بن سعد مصری نے کتاب" الروض الفائق، صفحہ ۲۱۴ " پر لکھا ہے، بحوالہ کتاب السیدہ فاطمۃ الزہرا(ع)، صفحہ ۱۳،

سیدۂ کائناتؑ کا وجود مسعود آئمہ اطہار علیہم السلام کے نور اقدس کا نورانی ظرف تھا، خداوند عالم نے اس عظیم وجلیل القدر بی بیؑ کو اپنے حبیبؐ کی محبت کا مرکز بنایا اور آنحضرتؐ کی رضا وخوشنودی کا محور قرار دیا، صرف یہی نہیں کہ سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا وجودی حوالہ سے نسب کی اعلیٰ نسبتوں کی حامل تھیں بلکہ حسب کے حوالہ سے بھی بی بیؑ کا مقام بہت بلند تھا، مخدومہ ءعالمؑ، عبادت وزہد اور تقویٰ واخلاص میں اپنی مثال آپ تھیں، آیہ ءتطہیر ہی سیدہؑ کی عظمت کے اظہار وبیان کے لئے کافی ہے کہ جس کا مرکزی نقطۂ تعارف، سیدہ سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی قدر ہے، **(انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا)** یہ وہی آیت ہے جس نے اہل بیتؑ کا تعارف ہی نہیں بلکہ ان کا افرادی تعین بھی کر دیا کہ کون سی شخصیات اس عظیم خداوندی اعزاز کی مالک ہیں، چنانچہ حضورؐ کا ام المومنین حضرت

ام سلمہ کو چادر میں داخل ہونے سے روک دینا اس بلند پایہ خدائی منصب کے تعین کا ثبوت ہے،

میں ''اہل بیت'' ہونے کو خدائی منصب سے تعبیر کرتا ہوں کیونکہ اگر اس کی منصبی حیثیت کو تسلیم نہ کیا جائے تو لغت و عرف کے حوالہ سے ازواج بھی اہل بیت یعنی گھر والوں میں شامل ہی نہیں بلکہ پہلی فرد قرار پاتی ہیں کہ جس کی وجہ سے بعض اہل مکتب اسی طرح کا نظریہ رکھتے ہیں جو کہ قرآنی اصطلاح سے مطابقت نہیں رکھتا، ورنہ ام المومنین حضرت ام سلمہ کو روکنے اور یہ کہنے کی وجہ معلوم نہیں ہوتی کہ **انت علیٰ خیر ، یا انت فی خیر یا انت الیٰ خیز** (تو خیر پر ہے، یا تو خیر میں ہے، تو خیر کی طرف ہے)۔ باختلاف روایات، ہمارے اکابر محدثین نے اس آیہء مبارکہ کو اہل بیت علیہم السلام کی عصمت کی دلیل قرار دیا ہے جو کہ درست ہے، اور پھر حضورؐ کا یہ فرمانا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی فاذھب عنھم الرجس و طھرھم تطھیراً۔

اے اللہ! یہی ہیں میرے اہل بیتؑ، پس تو ان سے رجس کو دور رکھ اور انہیں اس طرح پاک قرار دے جس طرح پاک قرار دینے کا حق ہے،

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کی دعا ہرگز رد نہیں ہوتی، اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی دعا کی استجابت کرتے ہوئے اہل بیت علیہم السلام کو ہر طرح کے رجس سے پاک قرار دیا اور ہر طرح کی گندگی و نجاست اور پلیدی کو ان سے دور رکھا، اسی کو عصمت کہا جاتا ہے، یہ بات واضح ہے کہ یہاں رجس سے مراد مادی رجس و نجاست نہیں، اور پلیدی و رجس کا تعلق جس بھی چیز سے ہو، عقیدہ میں ہو یا عمل میں ہو، عبادات میں ہو یا معاملات میں ہو، خالق سے تعلق رکھنے والے امور سے ہو یا مخلوق کے ساتھ انجام پانے والے امور سے ہو، خلاصہ یہ کہ ذات سے تعلق ہو یا کائنات سے تعلق ہو، ہر حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ سے رجس کو دور رکھا ہے اور انہیں طاہر و مطہر قرار دیا ہے۔ اور سیدۂ کائناتؑ، اہل بیتؑ کی پہچان کا مرکزی نقطہ ہیں بلکہ نبوت و رسالت کی کان کا محور سیدہؑ کی ذات گرامی صفات ہے کہ خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

ھم اھل بیت النبوۃ و معدن الرسالۃ، ھم فاطمۃ و ابوھا و بعلھا و بنوھا،

(وہ اہل بیت نبوت ہیں، اور رسالت کی کان ہیں، وہ فاطمہ، ان کے بابا، ان کے شوہر اور ان کے بیٹے ہیں)

جس معدن کا محور سیدہء کائناتؑ ہیں وہی نبوت کا گھرانہ ہے۔ وہی رسالت کا خزانہ ہے، وہی امامت کا کاشانہ ہے، وہی ولایت کا آشیانہ ہے، وہی عصمت کا آستانہ ہے، وہی حقیقت کا پیمانہ ہے۔ اسے ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی عنایتوں و رحمتوں کا وسیلہ قرار دیا ہے اور انہی ہستیوں کے ذریعے اپنے احکام و فرامین اپنی مخلوق تک پہنچانے کا نظام و انتظام کر کے اپنی مخلوق پر

احسان کیا ہے ورنہ اس کی مخلوق گمراہی و بدبختی اور شیطان کی پیروی و گناہوں میں گھر جاتی اور پھر نجات کا راستہ ہی نہ مل سکتا۔

مرکز تعارف اہل بیتؑ

سیدہ ء کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا اپنے جلیل القدر باپؐ کی جلیل المرتبت دختر اور اکلوتی بیٹی ہیں کہ جو اہل بیتؑ کے تعارف کا ذریعہ ہونے کے ساتھ ساتھ نسل و ذریتِ رسولؐ کی بقاء و تسلسل کی ضامن قرار پائیں۔ حدیث کساء ہی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ خداوند عالم نے ان ہستیوں کو جو مقام عطا فرمایا وہ کائنات میں کسی کو عطا نہیں فرمایا اور انہیں اپنی جن عنایات سے نوازا وہ انہی کے ساتھ مخصوص و مختص قرار دیں کہ ان کے بارے میں صریح و واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

" یا ملائکتی ویا سکان سماواتی ،انی ما خلقت سماء مبنیة ولا ارضا مدحیة ولا قمرا منیرا ولا شمسا مضیئةولا فلکا یدور ولا بحرا یجری ولا فلکا یسری الا فی محبة ھولاء الخمسةالذین ھم تحت الکساء، "

کہ میں نے آسمان، زمین، سورج، چاند، افلاک، دریا، پہاڑ، سب کچھ ان پانچ کے لئے اور ان کی محبت میں خلق کئے جو چادر کے نیچے ہیں،

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ کائنات کے ذرہ ذرہ کا وجود انہی کے وجود کا فیض ہے اور انہی کی خاطر کائنات وجود میں آئی کہ اگر یہ ہستیاں نہ ہوتیں اور خداوند عالم ان ہستیوں کو وجود عطا نہ کرتا تو کائنات سنسان ہوتی، اس میں کچھ نہ ہوتا، اور اس سے بڑھ کر یہ کہ ان کی برکت و فیض سے جہاں کائنات کو وجود عطا ہوا وہاں کائنات کی بقاء بھی انہی سے وابستہ ہے، بقائے عالم اس حقیقت کا ثبوت ہے کہ ہر دور میں ان ہستیوں کا وجود باقی ہے، اور حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ان ہستیوں کے بارے میں جس وجودی عینیت کا تذکرہ فرمایا ہے اس سے سیدہ ء کائناتؑ کی وجودی رفعت عیاں ہوتی ہے کہ حضور پاکؐ نے ان کے تعارف میں یوں فرمایا:

اللھم ھؤلاء اھل بیتی، و خاصتی، و حامتی، لحمھم لحمی، و دمھم دمی، یولمنی ما یولمھم، و یحزننی ما یحزنھم، انا حرب لمن حاربھم، و سلم لمن سالمھم، وعدولمن عاداھم، ومحب لمن احبھم، انھم منی وانا منھم، فاجعل

صلواتك و بركاتك ورحمتك و غفرانك و رضوانك على و عليهم واذهب عنهم الرجس و طهرهم تطهيراً۔

پروردگار! یہ ہیں میرے اہل بیتؑ، میرے خاص افراد، میرے ساتھی و مددگار، ان کا گوشت میرا گوشت، ان کا خون میرا خون، جو انہیں دکھ دے اس نے مجھے دکھ دیا، جو انہیں تکلیف پہنچائے اس نے مجھے تکلیف دی، میری جنگ اس سے ہے جس نے ان سے جنگ کی، میری اس سے صلح ہے جو ان سے صلح کرے، میں اس کا دشمن ہوں جو ان سے دشمنی کرے، میں اس کا دوست و محبّ ہوں جو ان سے دوستی و محبت کرے، وہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں، تو اپنی صلوات، برکات، رحمتیں، بخششیں اور رضا و خوشنودیاں مجھ پر اور ان پر نازل فرما، اور ان سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھ اور انہیں اس طرح پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے۔

یہ بات یقینی و مسلم الثبوت ہے کہ حضور ختمی مرتبتؐ کی دعا رد نہیں ہوتی بلکہ شرف قبولیت پاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حضورؐ کی دعا ختم ہوئی تو اس پر خداوند عالم نے اپنی عزت و جلالت کی قسم کھا کر فرمایا کہ میں نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا وہ ان پانچ کی محبت میں پیدا کیا جو چادر کے نیچے ہیں۔ گویا ان پانچ کی نشاندہی بھی فرمادی تاکہ کائنات کی تخلیق کا وجودی راز معلوم رہے، یہاں اس اہم مطلب کی طرف اشارہ خالی از فائدہ نہیں کہ ان ہستیوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے مذکورہ فرمان سے ان کے وجودی فیض کا اظہار ہی سمجھا جائے کیونکہ قرآن مجید میں جن وانس کی تخلیق کے حوالہ سے واضح بیان موجود ہے کہ ان کی تخلیق عبادت کی غرض سے ہوئی "**وما خلقت الجن والانس الا ليعبدون**" (میں نے نہیں پیدا کیا جنوں اور انسانوں کو مگر اس لئے کہ وہ میری عبادت کریں۔ سورہ ذاریات، آیت ۵۶۔ تو اس میں عملی احکام کا بیان مقصود ہے وجودی تشکیل کا حوالہ ملحوظ نہیں، وجودی تشکیل کے مراتب اور عملی اغراض میں فرق ہے، عملی اغراض کے حصول کا راستہ بھی اللہ تعالیٰ نے خود ہی بتادیا تاکہ مخلوق کو کسی بھی حوالہ سے حیران نہ چھوڑا جائے، چنانچہ ارشاد ہوا: "**لقد كان لكم في رسول الله اسوة حسنة**"۔ سورہ احزاب، آیت ۲۱۔ (تمہارے لئے رسول اللہ کی ذات میں خوبصورت نمونہ عمل ہے)، اس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنے احکام و دستورات کو عملی جامہ پہنانے کا راستہ و نظام اور وسیلہ متعارف کروایا ہے جو کہ حضورؐ کی ذات اقدس کی وجودی خصوصیات کے ساتھ ساتھ عملی عظمت کا بیان و اظہار بھی ہے، اسی سے پتہ چلتا ہے اللہ تعالیٰ اپنی مخلوق پر کس قدر مہربان ہے کہ جہاں ان کی وجودی تخلیق کا سارا کام خود کیا اور اس میں کسی کو شریک نہیں کیا اسی طرح ان کی ہدایت کا نظام بھی مقرر کردیا۔

اللہ اکبر، ان پانچ ہستیوں کا مرکز تعارف سیدۂ کائنات فاطمۃ زہراء سلام اللہ علیہا قرار پائیں، ان معظمہ ومخدومہء عالم کو خداوند عالم نے نبوت ورسالت اور ولایت وامامت کے تعارف کا مرکزی نقطہ قرار دے کر قیامت تک آنے والی نسلوں کو اس معصومہء عالم اور ان کی نسل وذریت سے محبت کرنے اور ان کی اطاعت کا دم بھرنے کا فرمان جاری کر دیا کہ جن کے فیضِ وجود سے کائنات کا ذرہ ذرہ وجود کی نعمت سے بہرہ ور ہوا اور جن کی برکت سے کائنات وموجودات کو بقاء حاصل ہوئی اور یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔

صنف نازک کے لئے نمونہء عمل

سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کی شخصیت ان تمام صفات کریمہ واوصاف جلیلہ کی حامل تھی جو صنف نازک کی سعادت کے حصول میں یقینی ضمانت قرار پاتی ہیں اور دنیا وآخرت میں اس کی کامیابی اور اللہ کی رضا وخوشنودی کے حصول کا باعث ہیں،

خاتون جنت سیدہء عالم فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے باپ کی حقیقی صلبی بیٹی ہوتے ہوئے جو کردار ادا کیا اس کے صلہ میں حقیقی باپ نے انہیں ''ماں'' کہہ کر ان کی عظمت ورفعت سے آگاہی دلائی اور ان کے احترام کو عملی صورت میں بھی پیش کر دیا۔

اپنے عظیم شوہر نامدار امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کے ساتھ شریک حیات ہونے میں سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا نے ایسا نمونہ پیش کیا کہ رہتی دنیا تک آنے والی خواتین کیلئے آپؑ کا کردار مثال بن گیا کہ اگر کوئی خاتون اپنی وجودی صلاحیتوں سے استفادہ کرتے ہوئے سعادتمند بننا چاہے تو اس طرح بن سکتی ہے جس طرح دختر رسولؐ نے اپنی نہایت قلیل عمر میں عظیم کارناموں کے ساتھ گزاری یعنی نو برس اپنے عظیم باپ کے ساتھ اور اتنا ہی عرصہ یعنی نو سال اپنے عظیم شوہر کے ساتھ گزارے،

اپنے بچوں کی حقیقی ماں ہوتے ہوئے بی بیؑ نے جو طرز عمل اختیار کیا وہ ایک مہربان ولسوز ماں کیلئے معیار قرار پایا، اور اپنے باپ کی حقیقی بیٹی ہوتے ہوئے ایسا کردار ادا کیا کہ حقیقی باپ نے ماں کا رتبہ دیا، اپنے عظیم شوہر کی شریک حیات ہوتے ہوئے اس طرح کا طرز عمل اختیار کیا کہ بی بیؑ کی سیرت ہر زوجہ کے لئے نہایت پاکیزہ نمونہ ہے جس کی عملی تقلید میں

سعادت مند زندگی کی ضمانت پائی جاتی ہے۔

اس بناء پر یہ کہنا بیجا نہ ہوگا کہ سیدہ عالمؑ نے تینوں رشتوں کے حوالہ سے اپنی پاکیزہ سیرت کی جس خوبصورت انداز میں تدوین کی اس کی نظیر تاریخ بشریت میں کہیں نہیں ملتی، لہذا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیٹی ہو تو ایسی ہو جیسی سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا تھیں، زوجہ ہو تو ایسی ہو جیسی بی بی معصومہ، کونینؑ تھیں اور ماں ہو تو ایسی ہو جیسی امامین حسنین شریفین علیہما السلام کو نصیب ہوئیں کہ جن کی آغوش میں پلنے والوں نے مخلوق کو خالق کی صحیح معرفت دلوائی، اور اللہ کے دین کی حفاظت کا منصبی فریضہ نہایت احسن انداز میں ادا کیا۔

خداوند عالم نے سیدۂ کائناتؑ کو اہل بیتؑ کی عظمتوں کا مخزن قرار دیا اور صنفِ نازک کی سرداری عطا فرمائی، چنانچہ سید کائناتؐ نے اس معظمہ کے بارے میں جو الفاظ ذکر فرمائے ان کی تفصیل روایات و احادیث مبارکہ میں اس طرح وارد ہوئی ہے:

(۱)۔ "**سیدة نساء العالمین**" (کائنات کی تمام عورتوں کی سردار)،

....

(۲)۔ "**سیدة نساء اهل الجنة**" (تمام بہشتی عورتوں کی سردار)،

....

(۳)۔ "**سیدة نساء المومنین**" (تمام مومن خواتین کی سردار)،

....

(۴)۔ بعض روایات میں کسی اضافت کے بغیر یوں مذکور ہے: "**سیدة النساء**" (خواتین کی سردار)

....

(۵)۔ ایک روایت میں اس طرح ذکر ہوا: "**سیدة نساء امتی**" (میری امت کی عورتوں کی سردار)،

یہ روایات تاریخ و سیرت کی معتبر ترین کتب میں موجود ہیں۔ بعض اہم حوالے ملاحظہ ہوں:

المستدرک علی الصحیحین، جلد۳۔ صفحہ ۱۶۸، حدیث ۴۷۳۳،

مجمع الزوائد، جلد۹۔ صفحہ ۲۰۱،

المعجم الاوسط، جلد۲۔ صفحہ ۲۳،

المعجم الکبیر، جلد۱۱۔ صفحہ۴۱۵،

صحیح بخاری، جلد۳۔ صفحہ۱۳۶۰، باب مناقب قرابۃ الرسولؐ،

مسند احمد بن حنبل، جلد۳۔ صفحہ۸۰،

البدایۃ والنہایۃ، جلد۲۔ صفحہ۶۰،

الاستیعاب، جلد۳۔ صفحہ۱۰۹۹،

ذخائر العقبیٰ جلد۱۔ صفحہ۴۲،

الطبقات الکبریٰ جلد۲۔ صفحہ۲۴۸،

صواعق محرقہ جلد۲۔ صفحہ۵۵۹،

تاریخ دمشق ابن عاکر جلد۳۳۔ صفحہ۲۶۹،

احیاء العلوم غزالی جلد۳۔ صفحہ۲۷۳،

فتح الباری جلد۶۔ صفحہ۴۴۷،

فیض القدیر جلد۱۔ صفحہ۳۸،

حلیۃ الاولیاء جلد۲۔ صفحہ۴۱،

سنن ترمذی جلد۵۔ صفحہ۷۰۰،

لسان المیزان جلد۴۔ صفحہ۱۶،

تاریخ طبری جلد۴۔ صفحہ۴۳۱،

میزان الاعتدال جلد۴۔ صفحہ۳۵۱،

فضائل الصحابہ نسائی جلد۱۔ صفحہ۷۶،

صحیح مسلم جلد۴۔ صفحہ۱۹۰۴،

صفوۃ الصفوۃ جلد۲۔ صفحہ۱۲، یہ اور دیگر سیکڑوں کتب معتبرۂ عامہ،

....

(۶)۔ بعض روایات میں لفظ "**سیدة**" کی بجائے لفظ "**خیر**" ذکر ہوا ہے:

"**خیر نساء العالمین**"،

الاستیعاب جلد۴۔ صفحہ۱۸۲۲،

تہذیب التہذیب جلد۱۲۔ صفحہ۴۶۸،

....

(۷)۔ بعض روایات میں لفظ "**افضل**" ذکر ہوا:

"**افضل نساء العالمین**"

(۸)۔ بعض روایات میں "**افضل نساء اهل الجنة**" ذکر ہوا ہے، تو سیدہ، خیر اور افضل کے الفاظ بی بی کی ذاتی عظمت اور سیرت و کردار کی بلند کا منہ بولتا ثبوت ہے۔

ان تمام روایات شریفہ واحادیث مبارکہ میں ذکر کیے گئے الفاظ کی روشنی میں یہ امر واضح ہوتا ہے کہ حضرت ختمی مرتبت سید الانبیاء محمد مصطفیٰؐ نے سیدہ ء کائناتؑ کو صنف نازک کی سرداری اور افضلیت کی حامل قرار دیا لیکن جب محبت و غضب کا تذکرہ فرمایا تو اس میں عمومیت ملحوظ رکھی جس میں کوئی زمانی و مکانی یا شخصی و فردی شرط و قید قرار نہیں دی بلکہ واضح طور پر اس طرح کہا:

"**من احبها فقد احبنی و من ابغضها فقد ابغضنی**"،

جس نے اسے دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا، جس نے اس سے دشمنی کی اس نے مجھ سے دشمنی کی،

اس میں حب و بغض یعنی دوستی اور دشمنی کا تقابلی بیان ہوا ہے، تو یہاں عملی حوالہ ملحوظ ہے۔

ایک مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

"**رضا فاطمة رضای**"،

فاطمہؑ کی رضا میری رضا ہے۔

اس میں صریح لفظوں میں رضایت کا معیار ملحوظ ہے، جبکہ یہ حقیقت کسی سے پوشیدہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کو حضورؐ کی رضا کس قدر ملحوظ و مقصود ہے کہ اس نے اپنے حبیب کی رضا کے لئے قبلہ تبدیل کر دیا اور ارشاد ہوا:

"**قد نری تقلب وجهك فی السماء فلنولینك قبلة ترضیها**"

(ہم نے آسمان میں تیرا رخ پھیرنا دیکھا ہے، ہم ضرور تیرا رخ اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس سے تو راضی ہوگا)۔

۔سورہ بقرہ، آیت ۱۴۴۔

اسی طرح ایک مقام پر یوں ارشاد ہوا:

" ولسوف يعطيك ربك فترضیٰ "

(اور عنقریب تیرا پروردگار تجھے وہ کچھ عطا کرے گا کہ کہ تو راضی ہو)۔سورہ الضحیٰ، آیت ۵۔

چنانچہ اس آیت کے بعد والی آیات مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو جو عطیے دیئے ان کا ذکر ہے جن سے حضورؐ کی رضایت واضح ہے، یہاں رضایت سے مراد ناراضگی کے بعد حاصل ہونے والی رضایت نہیں بلکہ خوش ہونا مراد ہے، واللہ اعلم

بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ حضورؐ نے اللہ کی رضا و غضب کو سیدہؑ کی رضا و غضب سے مربوط قرار دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: کی رضا و غضب کو اللہ کی رضا و غضب سے مربوط قرار دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

" ان الله يغضب لغضب فاطمة و يرضیٰ لرضاها"،

اللہ، فاطمہؑ کی ناراضگی پر ناراض اور فاطمہؑ کی رضا پر راضی ہوتا ہے،

یعنی جس سے فاطمہؑ ناراض ہوں اس سے اللہ ناراض ہوتا ہے اور جس سے فاطمہؑ خوش و راضی ہوں اس سے اللہ خوش و راضی ہوتا ہے۔ (ذخائر العقبیٰ ،ص ۳۹۔تہذیب التہذیب ،ج ۱۲،ص ۴۴۱۔اسد الغابۃ ج ۵،ص ۵۲۲۔کنز العمال، ج ۷، ص ۱۱۱۔) اور جو روایت حاکم نیشاپوری نے ذکر کی ہے اس میں حضورؐ نے سیدہؑ کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا: اے فاطمہ، اللہ تیری ناراضگی پر ناراض اور تیری رضا پر راضی ہوتا ہے۔**" ان الله يغضب لغضبك ويرضیٰ لرضاك"** (المستدرک علی الصحیحین جلد ۳ صفحہ ۱۶۷)،

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے سیدہ کائناتؑ کو اپنی محبت کا مرکز قرار دیتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا:

" فاطمة احب الى "، فاطمہؑ مجھے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

(مجمع الزوائد جلد ۹۔صفحہ ۱۷۳)

محبت کے جس اعلیٰ ترین معیار کا تصور حضورؐ کی ذات بابرکات کے حوالہ سے ممکن ہے، اس میں سیدہؑ کی محبت کی ارفع و اعلیٰ حیثیت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔سیدہ فاطمہؑ کی محبت ۔۔رسول اللہؐ کی محبت ۔۔اللہ کی محبت، (اللہ کی

محبت۔رسول اللہؐ کی محبت۔) رسول اللہؐ کی محبت۔اللہ کی محبت۔) فاطمہؑ کی محبت۔اللہ کی محبت۔) محبتوں کے اس مقدس سلسلہ کو انفرادی اجتماعی دونوں صورتوں میں دیکھیں تو فرمان نبویؐ کی اصل حقیقت واضح ہو جائے گی اور اس سے مربوط پہلوؤں سے بھی آگاہی حاصل ہو سکے گی۔

جناب ابن عباس نے بیان کیا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا:

" لیلة عرج بی الی السماء رایت علٰی باب الجنة مکتوباً:

لااله الا اللّٰه،

محمد رسول اللّٰه،

علی حبیب اللّٰه،

الحسن و الحسین صفوة اللّٰه،

فاطمة خیرة اللّٰه،

علٰی مبغضیهم لعنة اللّٰه،

جس شب میں مجھے آسمان کی طرف لے جایا گیا (شب معراج) تو میں نے دروازہء بہشت پر یہ لکھا ہوا دیکھا: (اس روایے میں حضورؐ نے چھ جملے بیان فرمائے جو اس ترتیب سے ہیں)

پہلا جملہ: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں،

دوسرا جملہ: محمدؐ اللہ کے رسول ہیں،،

تیسرا جملہ: علیؑ اللہ کے محبوب ہیں،

چوتھا جملہ: حسنؑ اور حسینؑ اللہ کے پسندیدہ ہیں

پانچواں جملہ: فاطمہؑ، اللہ کی پسندیدہ و برگزیدہ ہیں،

چھٹا جملہ: ان کے دشمنوں پر اللہ کی لعنت ہے،

(المناقب خوارزمی صفحہ ۲۴۰)

سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کے فضائل و مناقب اس قدر زیادہ ہیں کہ ان کا احصاء اور شمار نہیں ہو سکتا، اگر زندگی باقی رہی تو مخدومہء عالم کی عظمتوں کے تذکرہ پر مشتمل ایک مستقل کتاب لکھوں گا، یہاں صرف ایک حدیث کے ذکر

پر اکتفاء کرتا ہوں کہ حضورؐ نے اپنی اس عظیم بیٹیؑ سے ارشاد فرمایا:

" من صلّی علیك غفر اللّٰہ لہ و الحقہ بی حیث کنت من الجنۃ "،

(جو شخص تم پر درود پڑھے اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا اور اسے میرے ساتھ بہشت میں ملحق کردے گا خواہ میں جس مقام پر ہوا)۔ (کتاب الانوار الخفیہ، شیخ عباس قمی صفحہ ۵۵)۔

اپنے باپ کی ماں

کتاب حاضر میں اصل مقصود حضورؐ کے اس ارشاد گرامی قدر کی تشریح و توضیح اور اس سے متعلقہ پہلوؤں کا اجمالی تذکرہ ہے جس میں آنحضرتؐ نے حضرت سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہرء سلام اللہ علیہا کے بارے میں ارشاد فرمایا: **"فاطمۃ ام ابیھا"**، فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔ اس حدیث کی سند و متن، دونوں کے حوالہ سے بعض اہم مطالب ذکر کردیے ہیں تاکہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ آنحضرتؐ نے اس فرمان میں سیدہ عالمؑ کی فضیلتوں، عظمتوں، رفعتوں، کمالات، صفات جلیلہ، اوصاف کریمہ اور سیرت طیبہ کا خلاصہ کردیا ہے، اس سے بی بیؑ کے بلند پایہ مقام و منزلت کے اظہار کے ساتھ ساتھ قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے ایک پیغام بھی ہے کہ وہ سیرت و کردار کی معراج کا پاکیزہ نمونہ مخدومہ کونینؑ کی حیات طیبہ میں دیکھیں کہ حقیقی بیٹی ہوتے ہوئے ایسا کردار پیش کیا کہ حقیقی باپ نے انہیں "ماں" کا لقب عطا کیا، یہ لقب عطا کرنا نہ تو نسبی محبت کی بنیاد پر تھا اور نہ ہی ذاتی جذبات کے اظہار کے طور پر تھا بلکہ حقیقت کے اظہار اور کردار کے پرچار کی غرض سے تھا، حضورؐ کا اپنی عظیم بیٹیؑ کے لئے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا تاریخ کے نشیبوں میں چھپے ہوئے پراسرار چہروں کو بے نقاب بھی کرتا ہے کہ جنہوں نے سیدہ کائناتؑ کو مخصوص مادی اہداف و مقاصد کے حصول کیلئے اپنے مظالم کا نشانہ بنا کر اپنے ظالمانہ و غاصبانہ و آمرانہ طرز عمل کے ذریعے اس ہستی کا دل دکھایا جسے رسول خداؐ نے اپنی "ماں" کہا، اس کی وراثت کا حق غصب کیا گیا، اس کے موہوبہ اموال پر قبضہ کیا گیا، اس کی بھرے دربار میں توہین و تکذیب کی گئی، اس کے خانہ اقدس پر دھاوا بولا گیا، اس کے در اقدس کو جلایا گیا، اس پر دروازہ گرایا گیا، اس کا پہلو زخمی کیا گیا، اس کے شکم میں بچہ شہید کیا گیا اور اس کے علاوہ جو ظلم ممکن تھا اس پر روا رکھا گیا کہ جس کا اظہار سیدہ عالمؑ نے ان الفاظ میں نوحہ کی صورت میں کیا:

"صبت علی مصائب لو انھا صبت علی الایام صرن لیالیا "

(مجھ پر ایسے مصائب ٹوٹے ہیں کہ اگر وہ مصائب دنوں پر پڑتے تو وہ راتوں میں بدل جاتے)

مگر صابرہ وشاکرہ، عابدہ، زاھدہ، عالمہ، فاضلہ، کاملہ، معصومہ بی بیؑ نے اپنے باپ کی ماں ہونے کا ثبوت دیا اور تاریخ انسانیت میں ایسے نقوش چھوڑے کہ ہر دور میں آپؑ کے عظیم و پاکیزہ کردار کی تقلید کرتے ہوئے صنف نازکؒ اسے اپنے حقوق کی پاسداری کا پرچم بلند کر کے انسانی عظمتوں کے تحفظ کو یقینی بنا سکتی ہے۔ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا وجود کائنات انسانی پر اللہ کی خاص رحمت ہے۔

میں اپنی اس ادنیٰ کوشش کو سیدہ کائناتؑ کی بارگاہ میں پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں کہ میری متاع علم و عمل انہی کے فیض کا صدقہ ہے اور میری زندگی کا مقصد انہی کے حق کا اظہار و دفاع ہے۔ خداوند عالم مجھے اور میری نسل کو اس مقدس سلسلہ کے جاری و ساری رکھنے اور سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی پاکیزہ سیرت کا پرچار کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

میں اپنی اس کوشش کا ثواب اپنی والدہ مرحومہ کی روح کو نظر کرتا ہوں کہ جنہوں نے اس پاکیزہ گھرانے کی محبت کا خمیر میری غذا میں شامل کر کے مجھے عطا کیا اور مجھے اس قابل بنایا کہ میں ان عظیم و مقدس عباد الرحمٰن کے خدائی مشن کی تبلیغ کر سکوں۔

اور میں اس کتاب کو اپنے عظیم والد حضرت حجۃ الاسلام والمسلمین علامہ مفتی مزمل حسین میثمی الغدیری اعلی اللہ مقامہ الشریف کی روح پرفتوح کو ہدیہ کرتا ہوں کہ جنہوں نے زندگی بھر علمی و عملی، تقریری و تحریری، انفرادی و اجتماعی طور پر سیدہ کائناتؑ کے حق کا دفاع کیا اور مجھے اس دفاع کی راہ دکھائی بلکہ اس راہ پر چلنا بھی سکھایا کہ انہوں نے فرمایا تھا: سیدہ فاطمۃؑ کی محبت کسی ناپاک دل میں نہیں آسکتی اور کوئی پاک دل انسان سیدۃ سے دشمنی نہیں کر سکتا۔

خدایا! میری اس کوشش کو اپنی بارگاہ میں شرف قبولیت عطا فرما۔

العبد حسن رضا الغدیری

۸ شوال ۱۴۳۲ھ

لندن

پہلا باب

آئینہ ءحیات
سیدہ ءکائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا

اس باب میں سیدہؑ کی ولادت باکرامت سے شہادت تک واقعات کا نہایت اجمالی تذکرہ بمع مستند تاریخی، حدیثی، شرعی و معاشرتی حوالہ جات شامل ہے۔

آئینۂ حیات سیدۂ کائنات خیر النساء فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا:

اسم مبارک :

فاطمہ ، یہ مبارک اور مقدس نام اللہ کے اسم مبارک " فاطر" سے مشتق ہوا، اور اس کا انتخاب خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور اسی نام سے اہل بیتؑ کا تعارف اور نسل رسول اللہؐ کو وجودی تسلسل حاصل ہوا، اس مقدس ومطہر ومبارک خاندان کو اللہ تعالیٰ نے یہ عظمت وخصوصیت عطا فرمائی کہ اہل بیتؑ میں سے ہر فرد کا نام اللہ ہی نے رکھا اور اسے اپنے ہی اسماء حسنٰی سے مشتق فرمایا، ان ہستیوں کی تخلیق بھی اللہ نے اپنے نور عظمت سے فرمائی تا کہ ان کی ذوات مقدسہ کے امتیازات و اختصاصات واضح ہوں، اسی حوالہ سے بعض روایات میں مذکور ہے کہ معصومین علیہم السلام نے ارشاد فرمایا: **لا یقاس بنا احد** ، کہ ہمارے ساتھ کسی کا بھی قیاس نہیں ہوسکتا، ظاہر ہے کہ جن ہستیوں کی تخلیق ہی نورانی ہو ان کا مقام ومنزلت بھی اس قدر عظیم ہوگی کہ ان کا قیاس وموازنہ کسی سے نہیں ہوسکتا، نورانی تخلیق کی حامل شخصیات نے اپنے نورانی کردار سے اپنی نورانی حقیقت کا ثبوت دیا اور تاریخ انسانیت میں پاکیزہ ونورانی سیرت کے تابندہ نقوش قائم کردیئے۔

سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے اسم مبارک کی اشتقاقی بحث میں معنی کے حوالہ سے متعدد روایت وارد ہوئی ہیں جن کا تذکرہ آئندہ صفات میں ہوگا، اور معصومین علیہم السلام کے بیانات کی روشنی میں سیدہؑ کے اسم مبارک "فاطمہ" کی بابت بعض معنوی نکات پیش کیے جائیں گے کہ جن سے بی بی کی تخلیقی عظمت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان کے عظیم خالق نے انہیں کس قدر عنایات خاصہ سے نوازا ہے ۔

....

والد ماجد :

سید کائنات خاتم الانبیاء حضرت محمد بن عبداللہ (ص)، جو اللہ کے بعد سب سے بڑی شخصیت ہیں اور سرتاج پیغمبران ہیں، ان کا وجود مسعود کائنات کے لئے اللہ کی رحمت بنایا گیا اور اسی وجود مقدس کی برکت وعنایت اور فیض سے اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان ہی نہیں بلکہ پوری کائنات کو وجود وہستی کی عظیم نعمت سے نوازا، کہ اگر حضور ؐ کو وجود عطا نہ کرتا تو کائنات میں کوئی چیز وجود پانے کی قابلیت ہی نہ رکھتی، اس بناء پر کائنات کا ذرہ ذرہ اپنے وجود میں رحمۃ للعالمین کی وجودی فیض رسانی کا مرہون منت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضور ؐ کو دو عظیم اعزازات سے نوازا، ایک یہ کہ انہیں کائنات میں سب سے پہلے نورانی وجودی حقیقت عطا فرمائی کہ جس کی بناء پر آپ ؐ اول الموجودات ہیں، آپ ؐ سے پہلے کسی کو نورانی وجودی خلعت عطا نہیں کی گئی، اور دوسرا اعزاز یہ ہے کہ آپ ؐ منصبی حوالہ سے بھی پہلی اور آخری ہستی ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ؐ کو حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق سے پہلے نبوت عطا فرمائی اور پھر آپ ہی پر سلسلۂ نبوت کا اختتام فرمایا اور خاتم الانبیاء قرار دیا، آپ نورانی وجودی حقیقت کے حوالہ سے سب سے پہلی مخلوق اور منصبی اولیت کے ساتھ ساتھ سب سے آخری فرد ہیں کہ جن کی نبوت قیامت تک باقی رہے گی۔

والدہ ماجدہ :

ام المومنین سیدہ خدیجۃ الکبریٰ بنت خویلد سلام اللہ علیہا، اسلام کی خاتون اول، جن کے ایثار وقربانی نے دین خداوندی کے استحکام اور پیغام رسالت کے عام کرنے میں اہم کردار ادا کیا اور وہ اس وقت حضور ؐ کی ہمدم رہیں جب جزیرہ نمائے عرب میں ہر قبیلہ اور ہر سلطنت آپ ؐ کی مخالف تھی، دنیا کے گوشہ گوشہ میں حضور ؐ کے خلاف آوازیں بلند تھیں، کوئی بھی آپ ؐ کی صدائے توحیدی سننے کو تیار نہ تھا بلکہ قومی وملی اور سلطنتی وریاستی وسائل سے بھرپور اور وسیع تر استفادہ کرتے ہوئے اپنے ہی ہاتھوں تراشے ہوئے بے جان بتوں کے سامنے سر بہ سجدہ ہونے والے جاہلوں نے حضور ؐ کے مقدس مشن کا راستہ

روکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی، ہر طرح سے آپؐ کو گھیرے میں لے کر اور آپؐ پر عرصۂ حیات تنگ کر کے آپؐ کو صدائے حق بلند کرنے سے روکنے کی مذموم کوشش کی گئی، ان نہایت دشوار اور تلخ حالات میں سیدہ خدیجہ سلام اللہ علیہا نے اللہ کے نبیؐ کی ہر حوالہ سے حمایت کا عملی ثبوت دے کر حضورؐ کو اپنے مقدس توحیدی مشن کو جاری وساری رکھنے اور اس میں مزید وسعت پیدا کرنے میں تقویت دی، جس کے صلہ میں اللہ تعالیٰ نے سیدہ خدیجہؑ کو ایک ایسی بیٹی عطا فرمائی جو نہ صرف یہ کہ حضورؐ کی ذریت ونسل کے تسلسل وبقاء کا ذریعہ بنی بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو راہ حق وحقیقت دکھانے اور حضورؐ کے پاکیزہ مشن کو دوام عطا کرنے والے معصوم اماموں کی ماں بن کر دین خداوندی کی صحیح وکامل تبلیغ کے ضمانتی سلسلے کا مرکز ومحور ثابت ہوئی، سیدۂ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی والدہ ماجدہ ام المومنین حضرت خدیجہ الکبریٰؑ نے اپنی دولت وثروت ہی نہیں بلکہ اپنی معاشرتی اخلاقی قوت کے ساتھ حضورؐ کا ساتھ دیا کہ جس کے نتیجہ میں اسلام کا پیغام عام ہوا اور خدا کا دین دنیا کے گوشہ گوشہ میں پھیلتا چلا گیا۔ افسوس ہے کہ عام طور پر حضرت خدیجہؑ کے حوالہ سے صرف ان کے مال ودولت کے ایثار کی بات کی جاتی ہے جبکہ اس سے کہیں زیادہ ان کا اخلاقی ومعاشرتی طور پر ساتھ دینا بنیادی حیثیت کا حامل ہے۔ انہوں نے ہر طرح کے معاشرتی دباؤ کے باوجود حضورؐ کی حمایت کی۔

القاب مبارکہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ کسی بھی شخص وشخصیت کی پہچان میں اس کے ان اوصاف کا دخل ہوتا ہے جو اس کی ذات میں چھپے ہوئے کمالات کے مظہر ثابت ہوتے ہیں، اور پھر انہی کے ذریعے اس کی ذاتی خصوصیات جلوہ گر ہوتی ہیں، نام کے بعد لقب کی حیثیت شخص وشخصیت کی شناخت کا مضبوط ذریعہ ہوتا ہے، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ لقب، اصل نام کا قائم مقام ذریعہ معرفت ہوتا ہے، یا اس سے بھی واضح الفاظ میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ لقب، جہاں انسان کے باطن میں پوشیدہ کمالات کی پہچان کرواتا ہے وہاں سیرت وکردار کی پختہ بنیادوں اور پاکیزہ قدروں کے عملی اظہار کی سند قرار پاتا ہے۔ یہاں تک کہ بعض اوقات مربوطہ شخص کا نام معلوم نہیں ہوتا بلکہ صرف لقب ہی
معلوم ہوتا ہے اور اس کی شخصیت سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے بلکہ اصل نام کی نسبت زیادہ معرفت ملتی ہے، یہی بات سیدہء کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے القاب کے حوالہ سے ہے، کہ آپؑ کا ہر لقب، آپؑ کی عظیم شخصیت کا عکاس ہے، آپؑ

کے القاب میں سے جس لقب کو دیکھیں تو آپؑ کی ذات میں موجود نسبی وحسبی کمالات سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے کہ سیدہؑ نے اپنی عملی زندگی میں ان میں سے ہر ایک کا واضح ثبوت پیش کیا اور نہایت پاکیزہ سیرت کے ساتھ زندگی کے مراحل طے کئے کہ حضورؐ کا یہ فرمان حقیقی مصداقی صورت بن گیا کہ جس میں آپؐ نے سیدہؑ کو کائنات کی تمام عورتوں کی سردار کا لقب دیا بلکہ اس کے ساتھ ساتھ ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے سیدہ ءکائناتؑ کو اہل جنت عورتوں کی سردار کا لقب عطا کیا جس سے سیدہؑ کا مقام ومنزلت بروز قیامت بھی آشکار ہو جاتا ہے، سیدہ سلام اللہ علیہا بہشت کی عورتوں کی سردار ہیں، اس کی معنوی حیثیت پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دختر نبیؐ، زوجہء علیؑ اور مادر حسنینؑ کو نسب کی اعلیٰ ترین نسبتوں سے نوازا اور بی بی نے ان نسبتوں کی عملی قدر دانی کا بھرپور ثبوت دیا جس کے شواہد تاریخ اسلام کے اوراق پر ثبت ہیں۔ ہم ذیل میں بی بی کے چند معروف القاب کا اجمالی تذکرہ کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

۱۔ البتول،

ہر طرح کے زنانہ معمولات کے خون سے پاک،

یہ لقب حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم بنت عمران کے لئے بھی ذکر ہوا ہے۔ البتہ اس کی بابت بعض دیگر توجیہات بھی مذکور ہیں اور ارباب علم ودانش نے اس حوالہ سے وسیع بحث کر کے فقہی وحقوقی موضوعات پر اظہار خیال فرمایا ہے۔ محدثین کے اظہارات کی روشنی میں اس پاکیزہ لقب میں پوشیدہ اسرار ومعارف اور رموز ومفاہیم کی روحانی حقیقتوں سے آگاہی حاصل ہوتی ہے۔

۲۔ العذراء،

مخصوص ایام اور ان کے علاوہ ہر نجاست سے پاک ومنزہ۔

(ایام عذر سے عمر بھر پاک اور بچہ جننے کے بعد چالیس دن کے عذر سے بھی پاک، ان مخصوص ایام میں سیدہؑ کی کوئی نماز قضا نہیں ہوئی۔ اس بناء پر لفظ "بتول" اور "عذراء" قریب المعنی ہیں)۔ یہ لقب بھی حضرت مریمؑ کے لئے ذکر کیا جاتا ہے۔ اس میں بھی فقہی حوالہ سے بعض موضوعات زیر بحث آتے ہیں جن کی روشنی میں اس مقدس خدائی اعزاز کی اصل حقیقت

واضح ہوتی ہے۔

۳۔ الزهراء

رخشندہ ودرخشندہ، تابندہ، روشن وتاباں۔

سیدہؑ کی پیشانی کے نور سے پورا شہر منور ہوتا تھا۔اور اللہ تعالیٰ نے بی بیؑ کی جبین مقدس میں گیارہ معصوم اماموں کا نور رکھا کہ جسے حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ بار بار چومتے اور فرماتے تھے کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، اس کا محب میرا محبّ اور اس کا دشمن میرا دشمن ہے۔امام حسنؑ سے منقول ہے آپؑ نے ارشاد فرمایا کہ جب میری ماں مصلائے عبادت پر کھڑی ہوتی تھیں تو ان کے چہرہ اقدس سے راشنی پھوٹتی تھی

۴۔ سيدة النساء

عورتوں کی سردار۔

اس میں لفظ نساء پر الف ولام سے تمام عورتیں مراد ہونے کا ثبوت ملتا ہے، ادبی حوالہ سے اسے الف ولام استغراق کہتے ہیں، جس سے مراد تمام افراد کا شامل ہونا ہے، یعنی متعلقہ موضوع میں تمام افراد ملحوظ ہیں، یا اسے الف ولام جنس کہتے ہیں کہ جس سے مربوطہ موضوع کی جنس کے تمام افراد ملحوظ ومقصود قرار پاتے ہیں، ۔سیادت وسرداری کا تعلق سیرت وکردار کی عملی رہنمائی سے ہے، ظاہری حکمرانی سے نہیں، اور بی بیؑ کی سیادت کے حوالہ سے روایات میں مذکور ہے کہ قیامت کے دن بی بیؑ شان وشوکت کے ساتھ عرصہ محشر میں داخل ہوں گی، اور جب بی بیؑ کی آمد آمد ہوگی تو اعلان کیا جائے گا کہ اے اہل محشر ،اپنے سروں کو جھکالو اور اپنی نگاہیں نیچی کرلو کہ فاطمہ بنت محمدؐ پل صراط سے گزر جائیں، وہ جب پل صراط سے گزریں گی تو ان کے ساتھ ستر ہزار حوریں ساتھ ہوں گی(**عن ابی ایوب الانصاری قال :قال رسول الله (ص): اذا كان يوم القيامة نادىٰ مناد من بطنان العرش : يا اهل الجمع ،نكسوا رؤسكم وغضوا ابصاركم حتى تمر فاطمة بنت محمد على الصراط فتمر وومعها سبعون الف جارية من الحور العين كالبرق اللامع)** ۔

یہ حدیث متعدد کتب عامہ میں مختلف راویوں کے حوالہ سے مذکور ہے جن میں ابوایوب انصاری، حضرت عائشہ، ابو حنیفہ، اصبغ بن نباتہ، اور دیگر اہم راوی شامل ہیں، مثلاً: کتاب مجمع الزوائد، ج۹، ص۲۱۲۔ فتح القدیر ج۱، ص۴۲۱۔ لسان المیزان، ج۲، ص۳۱۳۔ تاریخ بغداد، ج۸، ص۱۴۱۔ فضائل الصحابہ، احمد بن حنبل ج۲، ص۷۶۳۔ کشف الخفاء، ج۱، ص ۱۰۱۔ صواعق محرقہ، ج۲، ص۵۵۷۔ الخصائص الکبریٰ، ج۲، ص۳۸۹۔)

۵۔ سیدۃ نساء العالمین،

کائنات کی سب عورتوں کی سردار۔

اس لقب میں نساء کی اضافت عالمین کی طرف ہے جس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سیدہؑ کو کائنات کی سب خواتین کی سرداری حاصل ہے، اس سے بھی استغراق وعموم مقصود ہے کہ صنف نسواں کی ہر فرد اس میں شامل ہے، گویا سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا ہر دور، ہر علاقہ، ہر قوم کی خواتین کی سردار ہیں کہ ان کے لئے سیدہؑ کا کردار عملی رہنما کی حیثیت رکھتا ہے، خواہ فرائض وحقوق الٰہی کی بابت ہو یا عمومی زندگی کے معمولات وحقوق الناس سے ہو، انفرادی امور سے ہو یا معاشرتی و اجتماعی اور ازدواجی زندگی سے مربوط مسائل سے ہو، یعنی احکام خداوندی کی ادائیگی سے ہو یا لوگوں کے ساتھ معاملات سے ہو، ہر سلسلہ میں سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی حیات طیبہ کا ہر پہلو خواتین کے لئے نمونہ عمل اور ان کی سعادت مند و کامیاب زندگی کے لئے مشعل راہ ہے۔

۶۔ سیدۃ نساء اھل الجنۃ،

بہشت والی خواتین کی سردار۔

اس میں نساء کی اضافت اہل جنت کی طرف ہے جس سے اس مطلب کا بیان مقصود ہے کہ جو خواتین دنیاوی زندگی میں سیدہ کائنات کی پاکیزہ سیرت وکردار اور دین اسلام کے احکام پر عمل پیرا ہوں وہ قیامت کے دن بہشت میں ہوں گی اور وہاں انہیں سیدہؑ کی قیادت میں بارگاہ خداوندی میں پیش ہونے کا اعزاز حاصل ہوگا، کیونکہ بہشت صرف انہی خواتین کو ملے گی جو ایمان وعقیدہ میں پختہ اور دین اسلام کی اعلیٰ وارفع تعلیمات پر عمل کرتی ہوں اور اپنے واجبات کی ادائیگی میں کوئی کوتاہی نہ

کریں ،حقوق اللہ بھی ادا کریں اور حقوق الناس بھی ادا کریں،ایسی خواتین ہی کی سرداری سیدہ ء کائنات کو حاصل ہے۔حضرت رسول خداؐ نے سیدہؑ کے شوہر نامدار حضرت علیؑ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یا علی ،انت قسیم النار والجنة،

(اے علی،تو دوزخ اور بہشت کا تقسیم کرنے والا ہے،)

اور سیدہؑ کے فرزندگان امام حسن وحسین علیہما السلام کے لئے فرمایا:

الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة،

(حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں)۔

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہؑ کائنات کو یہ اعزاز عطا کیا کہ ان کے شوہر قسیم الجنۃ والنار ہیں،اور ان کے بیٹے جوانان جنت کے سردار ہیں اور وہ خود جنت کی عورتوں کی سردار ہیں ،قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس مقدس ومطہر خاندان کو سرداری عطا فرمائے گا کہ جن کے فرد اول حضرت سید کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ ہیں ۔ان ہستیوں کی شفاعت گناہگاروں کو رحمت خداوندی سے بہرہ ور کرے گی۔

۷۔ افضل النساء،

خواتین میں سب سے افضل۔

اس میں سیدہؑ کی بجائے افضل کا لفظ ذکر کیا گیا ہے،افضلیت کا اعزاز جس طرح نسب کی بنیاد پر ہے اسی طرح حسب کے حوالہ سے ہے،سیدہؑ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا دونوں حوالوں سے افضلیت وبرتری کی حامل ہیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں جونسبی شرف عطا کیا وہ کائنات میں کسی خاتون کو عطا نہیں کیا،انہیں جو ماں باپ ملے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے ،انہیں جو شوہر اور بیٹے ملے وہ کسی کو نصیب نہیں ہوئے ،انہیں جونسل طیب وطاہر ملی وہ کسی کو نہیں ملی،اس نسبی امتیاز کے ساتھ ساتھ حسبی امتیازات میں بھی سیدہؑ کو کائنات کی خواتین پر برتری حاصل ہوئی کہ ان کے خانہ ءاقدس میں آیات قرآنیہ اتریں ،نبوت ورسالت اور امامت وولایت کے سرتاج آئے ،فرشتگان رحمت نے خدمتگواری کا شرف پایا،اللہ تعالیٰ نے اس بیت کے اہل کی طرف سلام بھیجا اور انہیں اپنی خاص عنایات سے نوازا۔

۸۔ خیر النساء

خواتین میں سب سے بہتر۔

اس میں بہتری کا عنوان اپنی مخصوص معنوی حقیقت کے ساتھ ملحوظ ہے، اللہ تعالیٰ نے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کو تمام خواتین پر برتری و بہتری عطا فرمائی، یقیناً یہ عظیم اعزاز سیدہؑ کی ذاتی خصوصیات اور حسبی کمالات کے ساتھ ساتھ اللہ کی طرف سے عطا کردہ نعمتوں واعزازات کی بنیاد پر خاص عظمت کا حامل ہے، یہ اسی طرح سے ہے جیسے حضورؐ نے ان کے شوہر نامدار کے بارے میں ارشاد فرمایا:

یاعلی، انت وشیعتك هم خیر البریة،

(اے علی، تو اور تیرے شیعہ ہی خیر البریہ یعنی تمام لوگوں سے بہتر ہیں)۔

"خیر" ہونا ایک جامع کمالی صفت ہے، اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا: سورہ توبہ، آیت ۶۱:

" قل اذن خیر لکم "، (ان سے کہہ دو کہ وہ تمہارے لئے بہتر کان ہے۔ یعنی اس کا سننا تمہارے لئے بہتر ہے)،

یا حضرت امام زمانہؑ کے بارے میں ارشاد ہوا:

" بقیة الله خیر لکم ان کنتم مومنین "، سورہ ہود، آیت ۸۶:

روایات میں وارد ہوا ہے کہ اس میں بقیۃ اللہ سے مراد حضرت امام مہدی المنتظرؑ ہیں، کہ جو سیدہؑ کی نسل پاک سے ہیں، جیسا کہ ایک روایت میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے فرمایا کہ مہدی، میری بیٹی فاطمہ کی نسل سے ہوگا، اللہ تعالیٰ نے سیدہؑ کو منبع ومصدر خیر، مرکز خیر، محور خیر، مظہر خیر اور مجسم خیر قرار دیا کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ آپؑ تمام خواتین سے بہتر و برتر، افضل و اعلیٰ اور ان کے لئے "خیر" ہیں۔

۹۔ الطاهرة

پاک و پاکیزہ۔

اس میں ہر حوالہ سے پاکیزگی ملحوظ ہے، وجودی فطری تخلیقی تکوینی پاکیزگی تو آیۂ تطہیر سے ثابت ہے، کہ خالق نے انہیں ایسا پاک بنایا جیسا پاک بنانے کا حق ہے، یہی وجہ ہے کہ اہل بیتؑ میں سے کسی کو نجاست کی دوری کی غرض سے غسل

ولادت کی احتیاج نہیں، بلکہ وجودی نورانیت کی تجلی کے پیش نظر آب کوثر سے غسل دیا جانا ان کے خدائی مقام ومنزلت کو آشکار کرتا ہے، اس کے علاوہ فکری، عملی، اخلاقی، حقوقی، قولی وفعلی اور ہر ممکن الوجودی پاکیزگی متصور ومقصود ہے، سیدۂ کائناتؑ کی پاکیزہ ہستی ان تمام پاکیزہ صفات کا مرقع تھی جن کا پایا جانا کسی بھی خدائی شخصیت اور عبدیت کے اعلیٰ ترین مقام پر فائز بندۂ خدا میں ممکن وقابل تصور ہے۔ پاک طینت، پاک دل، پاک نیت، پاک عمل وکردار کی پاک دولت سے مالا مال ہستی سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا اپنی ذات میں، اپنی صفات میں اور اپنی عبادات میں اپنی مثال آپ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں پاکیزگیوں کی علامت بنادیا کہ ان کے پاکیزہ نام ہی سے پاکیزہ شخصیت کی شناخت ہوتی ہے۔ آیہ تطہیر اہل بیت کی پاکیزگی کی سب سے بڑی دلیل ہے کہ جن کے تعارف کا ذریعہ ووسیلہ سیدۂ کائنات فاطمہ زہراؑ قرار پائیں۔

۱۰۔ الراضیة،

اللہ کی رضا پر راضی۔

سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے عملی طور پر ثابت کیا کہ وہ اپنے پروردگار کی سچی وخالص عبادتگزار اور اس کی رضا پر راضی ہیں، ہر اہل علم ومعرفت اور صاحب بصیرت انسان اس حقیقت کا اعتراف کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بنی نوع انسان کو جو نعمتیں عطا فرمائی ہیں ان کی عملی شکرگزاری سے انسان اپنے پروردگار کی رضا پر راضی ہونے اور رضائے رب کی لطیف نعمت سے بہرہ ور ہوسکتا ہے، سیدہؑ نے اپنے عابدانہ وزاہدانہ اور صابرانہ وشاکرانہ طرز عمل سے اہل زمانہ کو پیغام دیا کہ انسان کو ہر حال میں اپنے رب رحمان کی رضا پر راضی رہنا چاہیے کہ اس سے انسان کی عظمت ذات میں اضافہ ہی نہیں بلکہ اس کی نعمتوں سے زیادہ سے زیادہ فیض یاب ہونے کی راہیں کھلتی ہیں۔

۱۱۔ المبارکة،

برکتوں والی بی بی،

اپنے وجود میں پائی جانے والی تخلیقی عظمتوں کی عملی تجلی سے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے صنف نازک ہی نہیں بلکہ پوری انسانیت کو روحانی فیض سے بہرہ ور فرمایا اور یہ سلسلہ آج تک جاری وساری ہے کہ ان کے توسل وتوسط سے اللہ کی مخلوق

برکتیں حاصل کررہی ہے، آئمہ اطہار علیہم السلام کا وجود ہی سیدہؑ کی وجودی فیض رسانی کا بہت بڑا ثبوت ہے، جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے فرمایا: **لولا الحجة لساخت الارض باهلها**، (اگر روئے زمین پر اللہ کی حجت موجود نہ ہو تو زمین اپنے باسیوں کے ساتھ ہی تباہ وبرباد ہو جائے،) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر دور میں اللہ کی حجت یعنی امام معصوم کا وجود ناگزیر ہے، اور اللہ تعالیٰ نے اس مقدس سلسلہ کا وجودی سرچشمہ سیدہؑ کائناتؑ کو قرار دیا، گویا انہی کے وجود مقدس کی برکت ہر دور میں پائی جاتی ہے، اصل الوجود اور بقاء الوجود دونوں حوالوں سے بی بی، برکتوں کا سرچشمہ ہیں۔ ان تمام برکتوں کی بازگشت سید کائنات محمد مصطفیٰ کی طرف ہوتی ہے کہ جو ان ہستیوں کے وجودی سلسلہ کی بنیاد ہیں، انہی کے فیض وجود سے کائنات کا وجود باقی ہے اور انہی کی پاک وطاہر نسل کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے دنیا کو بقا کی نعمت سے نوازا ہے۔

۱۲۔ مریم الکبریٰ،

بڑی مریم، (عفت وپاکدامنی میں حضرت مریم سے اعلیٰ)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مریم سلام اللہ علیہا کو عظیم مقام ومنزلت عطا فرمائی ہے اور ان کے ذریعے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرماتے ہوئے بغیر باپ کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو پیدا کیا تا کہ اہل دنیا کو معلوم ہو سکے کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، جس طرح اس نے حضرت آدم علیہ السلام کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا اسی طرح اپنی قدرت ومشیت کی وسعت کا عملی مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت عیسیٰؑ کو بغیر باپ کے پیدا کیا، اگرچہ حضرت مریمؑ کو اس واقعہ پر سخت مشکل وقت دیکھنا پڑا مگر اللہ نے ان کی عفت وپاکدامنی اس طرح ثابت کی کہ عقلیں دنگ رہ گئیں، لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ زہراؑ کو عصمت وطہارت کا جو مقام عطا کیا اس کا ذکر آیت تطہیر نازل فرما کر بی بیؑ کے حوالہ سے اہل بیتؑ کے ہر فرد کی عصمت وطہارت کا اظہار فرمایا، یقیناً سیدہؑ، مریم کبریٰ ہیں کیونکہ ان کے سر پر چادر تطہیر آئی، جس میں ایک نہیں بلکہ پانچ تن، اور پھر وہ سب چودہ بنے، اس کے علاوہ جو بات بی بیؑ کے مریم الکبریٰ ہونے کو یقینی بناتی ہے وہ یہ کہ سیدہؑ اپنے نسبی حوالہ سے بھی حضرت مریم علیہا السلام سے افضل ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بی بی کو جو عظیم باپ عطا کیا اسے یقیناً حضرت مریمؑ کے باپ پر برتری حاصل ہے، بلکہ پوری کائنات سے افضل ہے، اسی طرح سیدہؑ کی اولاد یعنی آئمہ معصومین علیہم السلام، تو وہ بھی بعد از نبیؐ وولیؑ اپنی نورانی وجودی اور امامت کی منصوص ومخصوص منصبی حیثیت میں افضل الخلق ہیں، سیدہؑ اپنے پروردگار کی عبادت وبندگی بجالانے میں جس خضوع وخشوع کا عملی مظاہرہ فرماتی تھیں اس کی نظیر کائنات میں کہیں نہیں ملتی۔

۱۳۔ الحوراء الانسیة،

انسانی حور (خلقت انسانی میں حور صفت)۔

یہ لقب سیدۂ کائناتؑ سے مخصوص ہے کہ ان کے علاوہ حضورؐ نے کسی کے بارے میں اس طرح کے الفاظ ادا نہیں کئے، اس میں انسانی وجودی کمالات کی معراج پائی جاتی ہے، جمالی نورانیت، کمالی حشمت، جلالی ہیبت اور انسانی جودت کا مرقع بن کر سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا اپنی وجودی شناخت میں انسانی حوری صورت کے ساتھ اپنے پروردگار کی بارگاہ میں مصروف عبادت رہتی تھیں، مصلائے عبادت پر ان کے روئے انور کی روشنی ہر طرف پھیلی ہوتی تھی۔ پوری کائنات میں انسانی حور کا لقب کسی کو عطا نہیں ہوا، عطا بھی اس ہستی نے کیا جس کہ ہر بات وحی کی ترجمان اور جس کا ہر عمل مرضی رب کا عکاس ہے، اور اس کا وجود عالمین کے لئے رحمت ہے، اس کی ہر ادا میں خالق کی رضا شامل ہے، اس کے بغیر سارا جہان سونا اور اس کے ساتھ سارا عالم سہانا ہے، وہ اپنے رب کی خاص کنیز تھیں، اور اپنے نبی کی کامل اطاعت گزار تھیں، اپنے ولیؑ کی با احترام زوجہ اور اپنے بچوں کی مہربان ماں تھیں، حوریں اس کی خدمتگاری پر مامور تھیں۔

۱۴۔ المرضیة،

پسندیدۂ خدا۔ رضائے پروردگار کی نعمت سے بہرہ ور ہونے والی بی بی۔

اپنی ذاتی عظمت کے ساتھ سیرت و کردار کی پاکیزگی کا عملی نمونہ، وہ ہستی کہ جس نے عبادت و بندگی خالق میں منفرد مقام پا کر راضیہ سے مرضیہ کی منزل پائی، یہ مقام نفس مطمئنہ ہی کو حاصل ہوتا ہے۔ (**یا ایتھا النفس المطمئنة ارجعی الی ربك راضیة مرضیة**)۔ اگر عبدیت کی اعلیٰ منزل تک پہنچیں تو نفس مطمئنہ کا درجہ ملتا ہے، اور پھر ندائے غیبی راضیہ و مرضیہ کا حوالہ دیتی ہے۔ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا تینوں مقامات عالیہ اور مراتب متعالیہ کی حامل تھیں۔ مطمئنہ، راضیہ، مرضیہ۔ خشوع و خضوع میں اپنی مثال آپ، ہر حال میں رضائے پروردگار پر راضی، اپنی عابدانہ زندگی و زاہدانہ سیرت کے ساتھ پسندیدۂ خدا۔ اپنی خلوت و جلوت میں اپنے پروردگار کی خالص و مخلص فرمانبردار کنیز بن کر رہتی تھیں، کہ ان کا ہر عمل رضائے الٰہی کی نعمت سے بہرہ ور تھا۔

۱۵۔ المحدثة،

غیبی الہامات کی حامل،

ولادت سے پہلے اپنی مادر گرامی قدر سے باتیں کرنے والی، فرشتگان رحمت سے باتیں کرنے والی اوران سے غیبی خبریں پانے والی، علامہ مجلسی نے اپنی شہرہ آفاق کتاب جلاء العیون میں اس حوالہ سے جو واقعہ ذکر کیا ہے اس میں آیا ہے کہ ایک دن مولائے کائنات امیرالمومنینؑ، سیدہ فاطمہؑ کے پاس تشریف لائے، سیدہؑ نے ان سے کہا: یا علی، میرے قریب بیٹھیں کہ میں آپ کو قیامت تک ہونے والے واقعات اور جو کچھ وقوع پذیر نہ ہوگا اس کی بھی خبر دوں، امیرالمومنینؑ، سیدہؑ کی بات سن کر وہاں سے حضرت سید کائنات ؐ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آنحضرتؐ نے آپؑ کو دیکھتے ہی فرمایا: یا علی، میرے قریب آئیں، جب آپؑ نزدیک آئے تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: اے ابوالحسن، آپ کیا چاہتے ہیں کہ میں آپ کو بیان کروں جو آپ مجھے بتانے آئے ہیں یا آپ خود بتانا چاہیں گے؟، آپؑ نے عرض کی کہ آپ ؐ کا ارشاد میرے بیان کرنے سے بہتر ہے، تو جو کچھ سیدہ کائناتؑ نے بیان کیا تھا وہ پورے کا پورا آنحضرتؐ نے بیان فرمادیا، اس کے ساتھ حضورؐ نے ارشاد فرمایا: یا علی ، فاطمہ کا نور میرے نور سے ہے، (**نور فاطمة من نوری**)۔

یہاں اس مطلب کی وضاحت ضروری ہے کہ کسی کا محدث (دال پر زبر اور شدہ کے ساتھ) ہونا ایک مخصوص عطائے ربانی ہے کہ جو غیر نبی کو ملتا ہے، اور وہ فرشتہ کی صورت نہیں دیکھتے، محدث کی تعریف میں کہا گیا ہے۔

" المحدث من تكلمه الملائكة بلا نبوة ولا رؤية صورة، او يلهم له ويلقٰى فی روعه شیی، من العلم علیٰ وجه الالهام والمكاشفة من المبدء الاعلیٰ، او ينكت له فی قلبه من حقائق تخفی علیٰ غيره ،

محدث اسے کہتے ہیں جس کے ساتھ فرشتے باتیں کریں، اور وہ نبی نہ ہو اور نہ ہی فرشتے کو دیکھے، یا اسے الہام کیا جاتا ہے اور اس کے ذہن میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص القاء و مکاشفہ کے ذریعے علم کی دولت عطا کی جاتی ہے، یا اس کے دل میں کوئی ایسی حقیقت ڈال دیجاتی ہے جسے دوسروں سے پوشیدہ رکھا جاتا ہے، (ملاحظہ ہو: کتاب العوالم، جلد ۱۱، ص ۴۶)۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ یہ شرف وعزت کا مقام اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے اپنے نیک وصالح بندوں میں سے عطا

کرتا ہے، یہ اولیاء الٰہی کی عظیم منزلت ہے، اس سلسلہ میں حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت ہوئی ہے آپؑ نے ارشاد فرمایا:

" انما سميت فاطمة محدثة، لان الملائكة كانت تهبط من السماء فتناديها كما تنادي مريم بنت عمران ،فتقول : يا فاطمة ،ان الله اصطفاك وطهرك واصطفاك على نساء العالمين ،يافاطمة ،اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين ،فتحدثهم ويحدثونها ،فقالت لهم ذات ليلة : اليست المفضلة علىٰ نساء العالمين مريم بنت عمران ؟ فقالوا : ان مريم كانت سيدة نساء عالمها ،وان الله عزوجل جعلك سيدة نساء عالمك وعالمها،و سيدة نساء العالمين من الاولين والآخرين "،

(فاطمہؑ کو اس لئے محدثہ کہا جاتا ہے کہ فرشتے آسمان سے اترتے تھے اور انہیں اس طرح پکارتے تھے جس طرح حضرت مریم بنت عمران کو پکارتے تھے اور ان سے کہتے تھے: اے فاطمہ، اللہ تعالیٰ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو پاک بنایا ہے اور عالمین کی تمام عورتوں پر منتخب کیا ہے، پس آپ اپنے رب کے حضور تواضع کریں، اور سجدے ور کوع کریں رکوع کرنے والوں کے ساتھ، تو بی بیؑ ان سے اور وہ بی بیؑ سے باتیں کرتے تھے، ایک شب حضرت فاطمہؑ نے ان سے پوچھا کہ کیا حضرت مریم بنت عمران کو عالمین کی عورتوں کی سرداری عطا نہیں ہوئی؟ انہوں نے جواب دیا کہ حضرت مریمؑ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں، اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اولین وآخرین کی تمام عورتوں کی سرداری دی ہے۔

(کتاب علل الشرائع، جلد اول صفحہ ۱۸۲، کتاب دلائل الامامہ، ص ۸۰، بحار الانوار جلد ۴۳، ص ۷۸)۔

ایک سوال اور اس کا جواب

مذکورہ بالا مطالب میں اچھی طرح غور کرنے سے اس سوال کا جواب بھی واضح ہو جاتا ہے کہ ملائکہ تو صرف انبیاء الٰہی علیہم السلام سے ہمکلام ہوتے ہیں تو کسی غیر نبی سے کیونکر ہمکلام ہو سکتے ہیں؟

اس طرح کا سوال جہالت اور قرآن سے ناآگاہی کی بناء پر ہوتا ہے ورنہ قرآن مجید میں اس حوالہ سے صریح بیان موجود ہے اور ارشادات نبویہؐ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، مثلاً حضرت مریم بنت عمران کے بارے میں واضح آیت موجود ہے جس میں اس طرح ارشاد ہوا:

" واذ قالت الملائكة يا مريم ان الله اصطفاك وطهرك واصطفاك علٰى نساء العالمين ،يا مريم اقنتي لربك واسجدي واركعي مع الراكعين ،"۔سورہ آل عمران،آیت ۴۳،

(اور جب فرشتوں نے کہا: اے مریم، بے شک اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو پاک بنایا ہے اور آپ کو عالمین کی عورتوں پر منتخب کیا ہے)۔

حضرت مریمؑ نہ تو نبی تھیں اور نہ ہی فرشتوں کو دیکھتی تھیں، بلکہ وہ محدثہ تھیں، اسی طرح قرآن مجید میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کے بارے میں ارشاد ہوا:

" واوحينا الٰى ام موسىٰ ان ارضعيه ، فاذا خفت عليه فالقيه في اليم ولا تخا في ولا تحزني ،انا رادوه اليك وجاعلوه من المرسلين " ،

۔سورہ القصص،آیت ۷۔

(اور ہم نے موسیٰ کی والدہ کو وحی کی کہ اسے دودھ پلائیں،، جب اس کے بارے میں خوفزدہ ہوں تو اسے دریا میں ڈال دیں،اور کوئی خوف نہ دل میں لائیں اور نہ ہی ملال کریں، ہم اسے تیری طرف پلٹانے والے ہیں،اور اسے پیغامبر بنانے والے ہیں)۔

حضرت موسیٰؑ کی والدہ نہ تو نبی تھیں اور نہ ہی انہوں نے فرشتے کو دیکھا بلکہ وہ محدثہ تھیں۔ چنانچہ سورہ طہٰ، آیت ۳۸ میں اس حوالہ سے اس طرح مذکور ہے:

" اذ اوحينا الٰى امك ما يوحىٰ " ،

(اور ہم نے موسیٰ کی ماں کو وحی کی جو وحی کی جاتی ہے)۔

اسی طرح حضرت سارہؑ کے حوالہ سے یوں ارشاد ہوا کہ جنہیں فرشتوں نے خوشخبری دی تھی:

"فبشرناها باسحاق ومن وراء اسحاق يعقوب ...".

(اور ہم نے اسے خوشخبری دی اسحاق کی،اور اسحاق کے بعد یعقوب کی)۔سورہ ہود، آیت ۷۱۔

یہ بات واضح ہے کہ حضرت سارہ زوجہء حضرت ابراہیمؑ نبی نہ تھیں، بلکہ کوئی خاتون نبی نہ تھی جیسا کہ اس حوالہ سے واضح الفاظ میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین کا سلسلہ صرف مردوں میں قرار دیا، چنانچہ ارشاد ہوا: سورہ انبیاء

،آیت ۷،

" وما ارسلنا قبلك الا رجالا نوحي اليهم "۔

(اور ہم نے آپؐ سے پہلے رسول نہیں بھیجے مگر مرد ہی تھے جنہیں ہم وحی کرتے تھے،)۔

مذکورہ بالا آیات مبارکہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی خاتون کو نبوت عطا نہیں فرمائی، لہذا محدث قرار پانے والے یا والیاں نہ تو نبی تھیں اور نہ ہی فرشتوں کو دیکھتی تھیں، بلکہ ان کا مقام ومنزلت نبوت سے کم تھی، اس بناء پر یہ کہنا درست نہیں کہ جب وہ نبوت کے مقام پر فائز نہ تھیں تو فرشتے کس طرح ان سے باتیں کرتے تھے، پھر وہی جملہ دہراتا ہوں کہ خدا کے کام خدا ہی جانے،

۱۶۔ الصدیقة،

سچی ترین خاتون۔

اس کا عملی ثبوت واقعہ مباہلہ سے بخوبی ملتا ہے، کہ جس میں حضورؐ نے اپنی حقانیت وصداقت کی گواہی کے لئے ''نسائنا'' کی جگہ صرف سیدہ کائناتؑ کو لیا، اس نہایت حساس مرحلہ پر حضورؐ کا بی بی کو ساتھ لیجانا ہی سیدہؑ کے اس لقب کی مصداقی حقیقت کے اظہار کے لئے کافی ہے، اگر اس حوالہ سے میں یہ کہوں تو بجا ہوگا کہ بی بیؑ میدان مباہلہ میں جہاں اپنے عظیم باپ ؐ کی صداقت کی گواہ بن کر گئیں وہاں تمام خواتین کی واحد نمائندہ کی حیثیت میں بھی تھیں، کیونکہ لفظ ''نساء'' کا ترجمہ ''عورتیں'' ہے، عورت نہیں، اور وہ جمع کا صیغہ ہے، لیکن حضورؐ صرف ایک ہستی کو لے گئے، کہ جو ایک فرد ہوتے ہوئے پوری کائنات کی عورتوں کی نمائندہ تھیں۔ یہ اعزاز اس مخصوص صورت میں سوائے سیدہ فاطمہ زہراءؑ کے کسی کو نہیں ملا کہ بیٹی تھی تو بیٹیوں کی نمائندہ، بیوی تھی تو بیویوں کی نمائندہ اور ماں تھی تو ماؤں کی نمائندہ بنیں۔

۱۷۔ الکوثر،

خیر کثیر کی مالک، ذریت ونسل نبی کی کثرت کا سرچشمہ۔

عرب کے سنگدل اور وحشی قبائل اولاد کی کثرت بالخصوص بیٹوں پر فخر کرتے اور اس حوالہ سے ایک دوسرے پر

مباہات کرتے تھے، سنہ ۲ ہجری کو جب حضورؐ کی اولاد میں سے آخری فرزند ابراہیم کا بھی انتقال ہوگیا تو عربوں نے خوشیاں منائیں کہ اب محمدؐ کی کوئی اولاد باقی نہیں رہی جو اس کی نسل کو تسلسل دے اور اس کے مشن کو سنبھال سکے، چنانچہ انہوں نے حضورؐ کے بارے میں کہنا شروع کردیا کہ وہ ابتر یعنی بے اولاد ہیں، جس پر اللہ کے عظیم و جلیل القدر نبی کو سخت رنج ہوا اور آپؐ بہت دکھی رہتے تھے، تو اللہ تعالیٰ نے تمام مروجہ معیاروں کے برعکس حضورؐ کو ایک امتیازی فضیلت و اختصاصی صفت عطا کی کہ بیٹوں کی بجائے حضورؐ کی نسل طیب و طاہر کا تسلسل آپؐ کی بیٹی سے قرار دیا، خدا نے فرمایا کہ اے میرے پیارے نبی، آپؐ مت گھبرائیں اور پریشان نہ ہوں، آپ کا دشمن ہی ابتر و بے اولاد ہے۔ ہم نے آپؐ کی ذریت و نسل کی بقاء کا انتظام کردیا ہے، اور یہ صرف آپؐ ہی کا اعزاز ہے کہ آپ کی بیٹی کے ذریعے آپ کی نسل چلے گی، چنانچہ اس میں کوثر کا حوالہ سب سے مضبوط تھا کہ مفسرین نے سورہ کوثر کی تفسیر میں اس کے بارے میں لکھا ہے کہ اس سے مراد سیدہ فاطمہؑ ہیں کہ اولاد رسول سیدہ کائناتؑ سے چلی، اور اللہ نے اولاد فاطمہؑ کو اولاد رسولؐ قرار دیا، یہ ایک میدانی حقیقت ہے کہ دنیا بھر میں اس وقت جو سادات کرام موجود ہیں وہ سب سیدہ فاطمہؑ کی اولاد ہیں جو اولاد رسول کہلاتے ہیں، اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خود حضرت رسول خداؐ نے امام حسن امام حسین کو ''**ابنای**'' (میرے بیٹے) کہا جبکہ وہ حضورؐ کے نواسے تھے، عربی زبان میں نواسہ کو ''**سبط**'' کہتے ہیں، اور اس کی مزید تائید اس سے ہوتی ہے کہ مباہلہ میں حضورؐ نے ''**ابنائنا**'' کی جگہ سیدہؑ کے دو بیٹوں حسن و حسین علیہما السلام کو ساتھ لیا، یہ اسی طرح سے جیسے آنحضرتؐ نے ''**نسائنا**'' (عورتوں) کی جگہ صرف اپنی دختر نیک اختر سیدہ فاطمہؑ کو ساتھ لیا جبکہ کلام عرب اور عمومی استعمال میں اس سے مراد یا کم از کم اس سے مقصود بیویاں مراد ہوتی ہیں نہ کہ بیٹیاں، مگر اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کی بابت مخصوص معیار مقرر فرمائے ہیں اور انہی معیاروں پر ان کی شخصیات کی پہچان ہوتی ہے۔ یہ سب کچھ حضورؐ کے اختصاصات و امتیازات میں شمار ہوتا ہے۔ تاریخ میں اس کی مثال کسی قوم و قبیلہ میں نہیں ملتی۔

۱۸۔ الصدیقۃ الکبریٰ،

بہت بڑی سچی۔

سیدہؑ کی صداقت و سچائی پر نہ تو کسی دلیل کی ضرورت ہے اور نہ ہی توضیح و تشریح کی حاجت ہے، ان کی صداقت کی گواہی خود سید کائناتؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے دی اور انہیں صدیقہ کا لقب عطا کیا، جہاں تک ان کے صدیقہء کبریٰ ہونے کا تعلق ہے تو وہ ان کے سیدۃ النساء ہونے ہی سے ثابت ہو جاتا ہے، اس کے علاوہ بی بی نے عملی طور پر اس معنی کو ثابت

کیا کہ وہی صدیقہ ءکبریٰ ہیں۔ مباہلہ کا میدان ہو یا مطالبہءفدک ہو،قرآنی آیات کے ذریعے استدلال کر کے بی بیؑ نے اپنے موقف کی حقانیت ثابت کی، ہر مقام پر سیدہؑ نے اپنے سچا ہونے کا عملی ثبوت دیا، جس ہستی کی صداقت کی گواہی اللہ کا صادق وامین نبی دے اس کے صدیقہء کبریٰ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوسکتا۔صادق باپ کی صدیقہ بیٹی کی پوری زندگی صداقت کا عملی نمونہ ہے۔

۱۹۔ المنصورة،

اللہ تعالیٰ کی طرف سے مدد کی ہوئی بی بی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو جن عظیم نعمتوں سے نوازا اور دل کی قوت عطا فرمائی اس کی بناء پر ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ بی بیؑ کو حالات کا بھرپور مقابلہ کرنے اور صبر واستقامت کے ساتھ اپنے سیدۃ النساء ہونے کے خدائی عطیہ کا تحفظ کرنے کا سلیقہ آتا تھا کہ جس کی عملی پاسداری کا ثبوت بی بیؑ نے دیا۔حقیقت یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی خاص عنایت نہ ہوتی اور نصرت خداوندی کا سہارا نہ ہوتا تو تلخ وناگوار حالات میں نجانے کیا سے کیا ہوجاتا، اگر دختر رسولؐ، بددعا کے لئے ہاتھ کھڑے کردیتیں تو روئے زمین پر کسی چیز کا وجود باقی نہ رہتا لیکن رحمۃ للعالمین کی بیٹی نے اپنے بابا کی امت پر عذاب کی بجائے رحمت وہدایت کی دعا کی، بی بیؑ نے دین خداوندی کی نصرت کی اور اللہ نے بی بیؑ کو اپنی نصرت سے نوازا، سیدہؑ، جہاں ناصرہءدین خدا ہیں وہاں منصورہء پروردگار ہیں۔

۲۰۔ العابدة،

عبادتگذار خاتون۔

اللہ کی عبادت وبندگی میں سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا نے جو معراج پائی اس کی نظیر نہیں ملتی،بعض روایات میں وارد ہوا ہے کہ بی بیؑ جب مصلائے عبادت پر کھڑی ہوتی تھیں تو آپؑ کی حفاظت کے لئے اللہ کے مقرب فرشتے آتے تھے اور آپؑ کے چہرہءاقدس کا نور ہر طرف پھیل جاتا تھا،امام جعفر صادقؑ نے فرمایا کہ ہماری ماں فاطمہؑ جب مصلیٰ پر ہوتی تھیں تو ان کی پیشانی سے ایسا نور پھوٹتا تھا جیسے چودھویں کا چاند نکلا ہو،عبادت میں جو قلبی توجہ والتفات سیدہؑ نے اپنایا اس سے عبادتگوار

خواتین کو اللہ کی بارگاہ میں حضوری کا سلیقہ ملتا ہے اور رضائے رب کے حصول کی پاکیزہ راہیں ملتی ہیں، بندگی کے تقاضوں کی تکمیل کی صحیح سمت معلوم ہوتی ہے اور مقصد تخلیق تک رسائی ہوتی ہے،

۲۱۔ الزاهده،

زہد کی رسیا بی بی۔

دنیا کی لذتیں کسے اچھی نہیں لگتیں، دنیا کا مال و دولت اور زیب و زیبائش کی کشش ہر انسان کے دل پر چھا جاتی ہے کیونکہ اس کی رنگینی نفس انسانی پر اس قدر تیزی سے ثبت ہوتی ہے کہ انسان سب کچھ بھول جاتا ہے اور پھر اسے سوائے دنیاوی لذتوں کے کچھ بھائی نہیں دیتا۔ مگر جن خوش قسمت افراد پر اللہ کی خاص عنایت ہوتی ہے وہ دنیاوی طمطراق اور زیب و زینت سے دل لگانے کی بجائے اللہ کی نعمتوں ہی کو اپنا سرمایہء حیات سمجھتے ہیں، اور دنیا سے صرف اسی حد تک وابستہ رہتے ہیں کہ جس سے ان کی روح کا بدن سے رابطہ نہ ٹوٹنے پائے کیونکہ اس حد تک اپنے آپ کو سنبھالنا عقلی فیصلہ بھی ہے، وجود و حیات رب کائنات کی عظیم نعمت ہے اس کی قدر دانی اور شکر گزاری واجب ہے، اس سے زیادہ لالچ سے انسان کی انسانی عظمت داغدار ہو جاتی ہے، زہد ان اعلیٰ انسانی صفات میں سے ہے جس کے آثار سکون قلب اور تقرب الٰہی کے حصول کو یقینی بناتے ہیں، یاد رہے کہ زہد کا معنی ترک دنیا نہیں بلکہ دنیا پرست نہ ہونا ہے، دنیا سے کنارہ کشی بھی زہد نہیں بلکہ بے وقوفی و جہالت ہے۔ اللہ کی نعمتوں سے بھرپور استفادہ کرنا اس کی بارگاہ میں نعمتوں کی شکر گزاری کا ایک طریقہ ہے، البتہ اسراف و حد سے تجاوز مذموم ہے۔ سیدہ سلام اللہ علیہا کی زاہدانہ زندگی کے واقعات تاریخ کے اوراق پر ثبت ہیں، دنیاوی مال کی بابت بے رغبتی اور دوسروں کی ضرورت کو اپنی ضرورت پر مقدم کرنا کمال زہد ہے۔ بی بیؑ نے اپنے زاہدانہ طرز عمل سے پاکیزہ زندگی کی تابندہ مثال قائم کی۔

۲۲۔ التقیه،

تقویٰ والی خاتون۔

عام طور پر زہد و تقویٰ کو ایک ہی صفت سمجھا جاتا ہے جبکہ ان دونوں میں فرق ہے، زہد سے مراد دنیا کی بابت بے رغبتی اور تقویٰ سے مراد اپنے آپ کو اللہ کی اطاعت میں اس قدر مصروف رکھنا کہ شیطان اللہ کی معصیت کی راہ پر لانے میں

کامیاب نہ ہو سکے، یعنی اپنے آپ کو شیطان کے غلبہ سے بچا کر رکھنا، تقویٰ، وقایۃ سے ہے جس کا معنیٰ بچانا اور محفوظ کرنا ہے، عملی طور پر اس سے مراد کسی مومن کا اپنے آپ کو شیطان کے تسلط وغلبہ سے بچا کر رکھنا ہے، اور ظاہر ہے کہ جو شخص اپنے آپ کو شیطان کے غلبہ سے بچانے میں کامیاب ہو جائے وہ اللہ کا قرب حاصل کرنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا اس حوالہ سے کامیاب ہوئیں، آپؑ کی متقیانہ زندگی نے امام المتقین کی منصبی عملداری کی عملی صورتگری میں اہم کردار ادا کیا، یقیناً جس ہستی کو امام المتقین کے ساتھ مل کر زندگی گزارنے بلکہ زندگی کے سفر کو تقدس کی چھاؤں میں طے کرنے کا موقعہ ملے اس کے تقویٰ کا مقام کس قدر بلند ہوگا، سیدہؑ کا تقویٰ، سیدالانبیاءؐ کے تقویٰ کی عملی تصویر تھا۔ سیدالاوصیاءؑ کے تقرب الی اللہ کا ترجمان تھا، سیدۃ النساء ہونے کے خدائی اعزاز کی پاسداری کا ضامن تھا۔

۲۳۔ الزکیۃ،

پاکیزگی کی حامل بی بی۔

وجودی پاکیزگی کا ثبوت آیہء تطہیر سے ثابت ہے، سورہ احزاب، آیت ۳۳، " **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا** "، (اللہ کا ارادہ ہے کہ ہر رجس وناپاکی کو تم سے دور رکھے اے اہل بیت، اور تمہیں اس طرح پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے)۔ اس آیہء مبارکہ میں اہل بیتؑ کی پاکیزگی کا خدائی اعلان واظہار ہے، خدا کا ارادہ اس کی مراد سے مختلف نہیں ہوسکتا، وہ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا اہل بیت کی وہ فرد ہیں جن کی بابت صریح نص و بیان موجود ہے اور اس آیت میں اہل بیت سے مراد، حضرت محمد مصطفیٰ، حضرت علی مرتضیٰ، حضرت فاطمہ زہراء، اور امام حسن وحسین علیہم السلام ہیں (اس کی بابت شیعہ کتب کے علاوہ اہل سنت کی تمام یا اکثر کتب معتبرہ میں مربوط تصریحات مذکور ہیں، مثلاً: صحیح مسلم، ج ۴ ص ۱۸۸۳، بروایت صفیہ بنت شیبہ، المستدرک، ج ۲ ص ۴۵۱ بروایت عطاء بن یسار عن ام المومنین ام سلمہ، ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ج ۱ ص ۳۵۱، صحیح ابن حبان ج ۱۵ ص ۴۳۲، سنن ترمذی ج ۵ ص ۶۶۳، وج ۵ ص ۶۹۹، بروایت ام سلمہ، سنن الکبریٰ بیہقی ج ۲ ص ۱۴۹، مصنف ابن ابی شیبہ ج ۶ ص ۳۷۰، تفسیر ابن کثیر ج ۳ ص ۴۷۴، وتفسیر طبری ج ۲۲ ص ۵، بروایت ابوسعید خدری، معتصر المختصر ج ۲ ص ۲۶۶ بروایت ام سلمہ، وایضاً بروایت واثلۃ بن الاسقع، مسند احمد ج ۶ ص ۲۹۶، المعجم الوسط ج ۲ ص ۳۷۱، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۵۳، المعجم الصغیر ج ۱ ص ۱۴۰، بروایت شہر بن حوشب، البیان والتعریف ج ۱ ص ۱۵۰، سیر اعلام النبلاء ج ۳ ص ۳۱۵، الاستیعاب

ج ۳ص ۱۱۰۰، الاصابہ ج ۸ص ۵۶، نیل الاوطار ج ۲ص ۳۲۷، فضائل الصحابہ ج ۲ص ۵۷۷، بروایت شداد ابی عمار، الذریۃ الطاہرۃ ج اص ۱۰۹، المصباح المنیر ج ۲ص ۵۲۴، صواعق محرقہ ج ۲ص ۴۲۱، اور سیکڑوں دیگر کتب معتبرہ)۔ سیدہؑ نے اپنی پاکیزہ زندگی کو کامل پاکیزگی کا مرقع بنایا تو ذکیہ کہلائیں۔

اللہ تعالیٰ نے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو پاکیزہ ولادت، پاکیزہ خاندان، پاکیزہ اولاد، پاکیزہ ماحول، پاکیزہ تربیت، پاکیزہ طینت، پاکیزہ دل، پاکیزہ فکر، پاکیزہ عمل و کردار اور پاکیزہ سیرت کی توفیق سے نوازا، بی بیؑ ہر حوالہ سے پاکیزگی کا مجموعہ و مرقع تھیں، کہ ان کے بارے میں رسول اللہؐ کی یہ دعا پوری ہوئی کہ اے اللہ، یہ ہیں میرے اہل بیت، ان سے ہر رجس و ناپاکی کو دور رکھنا۔

۲۴۔ المعصومہ،

عصمت کی مالکہ۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہؑ کی عصمت کسی دلیل کی محتاج نہیں، اس سلسلہ میں آیہ تطہیر ہی کافی ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا ہر رجس سے پاک ہیں، گناہ بھی رجس میں شامل ہے، بلکہ عین رجس ہے، سیدہؑ ہر گناہ سے پاک، معصومہ ہیں۔ ان سے زندگی میں کوئی ایسا عمل سرزد نہیں ہوا جسے گناہ و معصیت اور خدا کی نافرمانی کہتے ہیں، بی بیؑ نے اطاعت الٰہی میں ایسی روش اختیار فرمائی کہ شیطان کو ان کے نزدیک پھٹکنے کی بھی ہمت نہ ہوئی، بلکہ سیدہ سلام اللہ علیہا وجودی و عملی ہر حوالہ سے عصمت کی حامل رہیں۔

۲۵۔ المخدومہ،

جن کی خدمتگزاری ملائکہ نے کی۔

روایات میں وارد ہوا ہے کہ سیدہؑ کی ولادت سے لے کر زندگی کے مختلف حالات میں ملائکہ نے بحکم رب جلیل، بی بیؑ کی خدمتگزاری کی، بچوں کی پیدائش کی مبارکبادیوں میں، عید کی خوشیوں میں عبادات کی ادائیگی میں، غرضیکہ ہر موقعہ پر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو بھیج کر اپنے پیارے نبیؐ کی پیاری بیٹیؑ کی راحت و آرام کے اسباب فراہم کیے، اس طرح کی خدمتگزاری کے اسباب کی فراہمی کا سلسلہ، انبیاء و اولیائے الٰہی کی مخدارات کی بابت سنت الٰہیہ ہے، اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی واقع نہیں ہوتی، وہ اپنے خالص و مخلص اور نیک و صالح بندوں پر مہربان اور انہیں اپنی طرف سے خاص عنایات سے

نوازتا ہے۔سیدہء کائنات فاطمہ زہراء دختر خاتم الانبیاءؐ سلام اللہ علیہا انہی عظیم و برگزیدہ ہستیوں میں سے ایک بلکہ سرفہرست ہیں۔مخدومہ بی بیؑ نے اپنے شب وروز کے معمولات میں اپنے رب کے حضور خالصانہ ومخلصانہ،خاضعانہ وخاشعانہ طرز عمل اپنا کر مخدومہء ملائکہ نساء عالمین کا خدائی اعزاز پایا۔

ہم نے یہاں بی بیؑ کے بعض القاب ذکر کیے ہیں اوران کی اجمالی تفسیر بھی پیش کی ہے جبکہ بی بیؑ کے القاب اس سے کہیں زیادہ ہیں،مثلا :**امة الله ، آية الله ، بقية النبوة، بهجة الفواد، تفاحة الفردوس، ثمرة النبوة، جمال الآباء، الجميلة، الجليلة، الحانية، حبيبة المصطفى، حجة الله الكبرىٰ، الحرة، حظيرة القدس، درة التوحيد، الدرة المنضدة، الرشيدة، ريحانة النبى ؐ، زجاجة الوحى،سفينة النجاة، سلالة الرضوان، سماء الكواكب الدرية، السيدة، سيدة النسوان، شفيعة الامة، الصابرة، الصدف الفخار، صفوة الشرف، العارفة، العالمة، العروة الوثقىٰ، العفيفة، عقيلة الرسالة، عيبة العلم، الغرة الغراء، الفاضلة، القانتة، القانعة، الكريمة، كلمة الله التامة، الكلمة الطيبة،الكوكب الدرى، المتهجدة، مشكاة الانوار، معدن الحكمة، المنعوتة فى الانجيل، موطن الرحمة، مهجة قلب المصطفٰى،الميمونة، الناطقة بالشهادات الثلاث عند الولادة،النبيلة، النعمة الجليلة، نورالانوار، النورية، وديعة الرسول، وعاء المعرفة، ولية الله العظمٰى، المضطهدة، المظلومة، الممتحنة، الكئيبة ،الشهيدة،**اور دیگر القاب

کنیات مقدسات :

۱۔ **ام السبطين،** سبطین یعنی دونواسے،سبط سے تثنیہ کا صیغہ،اس سے دونواسہ ہائے رسول خداؐ مراد ہیں۔ روایات میں امام حسنؑ کوسبط اکبراورامام حسینؑ کوسبط اصغر کے الفاظ سے یاد کیا گیا ہے۔

۲۔ **ام الحسنین،** امام حسنؑ اور امام حسینؑ دونوں کو حسنین یعنی دو حسن کہا جاتا ہے۔

۳۔ **ام الائمہ،** اماموں کی ماں، یہاں آئمہ سے مراد گیارہ امام ہیں، یعنی امام حسن، امام حسین، امام علی زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر صادق، امام موسیٰ کاظم، امام علی رضا، امام محمد تقی، امام علی نقی، امام حسن عسکری، امام مہدی علیہم السلام۔ اگر چہ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام ہی بلاواسطہ سیدہ سلام اللہ علیہا کے بیٹے ہیں اور بی بیؑ ان کی حقیقی ماں ہیں، مگر اتصالی سلسلہء نسب میں سب آئمہ بی بیؑ کے بیٹے اور بی بیؑ ان سب کی ماں قرار پاتی ہیں، جیسا کہ روایات میں وارد ہوا ہے کہ آئمہؑ نے بی بیؑ کے لئے "ہماری ماں" کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ یہی بات ام المعصومین کے حوالہ سے ہے کہ اس میں بھی معصومین سے مراد گیارہ آئمہ ہیں کہ جو سب کے سب معصوم ہیں، ان کی عصمت ان کی امامت کی طرح منصوص ہے۔

۴۔ **ام ابیہا،** اپنے باپ کی ماں، اس میں 'اب' سے مراد سید الانبیاءؑ ہیں۔ یہ کنیت سیدہء کائنات کے ساتھ مخصوص و مختص ہے کہ بی بیؑ کے علاوہ کسی کو یہ اعزاز حاصل نہیں ہوا کہ حقیقی باپ، ان کے بارے میں حقیقی ماں جیسے اظہارات واحترامات کے عملی مظاہرے کرے، اس عظیم و منفرد کنیت میں کہ جو لقب و اعزاز کی صورت میں ہے سیدہ سلام اللہ علیہا کی وجودی نورانی فضیلتیں اور حسبی عملی کمالات و اعلیٰ صفات کی صورتگری اور ترجمانی کی تابندہ علامتیں پائی جاتی ہیں۔

اس کے علاوہ سیدہؑ کی کنیات معتبر کتب میں مذکور ہیں مثلاً: **ابنة الصفوة، ابنة المصطفیٰ، ام الابرار، ام الاخیار، ام الانوار، ام الازھار، ام الاطھار، ام البررة، ام البریة، ام التقیٰ، ام الخیرة، ام الرافة، ام الریحانتین، ام العطیة، ام الفضائل، ام النجباء، ام العلاء،**

ولادت باکرامت:

۲۰ جمادی الثانیہ، سنہ ۵ بعثت (۶۱۴ء)۔ کتب معتبرہ میں ہے کہ سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کی ولادت با سعادت کے وقت مکہ مکرمہ کی روحانی فضا نورانی ہوگئی، پورے شہر میں روشنی پھیلی اور مکہ کے باسیوں نے نومولود کے چہرہء

اقدس کی روشنی اپنے گھروں میں دیکھی، سیدہ سلام اللہ علیہا کی ولادت باسعادت کے حوالہ سے منقول ہے کہ جب بی بیؑ کی ولادت کا وقت قریب ہوا تو سیدہ خدیجہ علیہا السلام نے قریش کی عورتوں کو بلوایا کہ ولادت کے وقت ان کی متعلقہ امور کی دیکھ بھال کریں، مگر انہوں نے آنے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم تمہارے پاس نہیں آئیں گی کیونکہ تم نے محمد سے شادی کی ہے، اسی دوران حضرت خدیجہؑ کے پاس چار خواتین آئیں جن کا حسن و جمال بیان سے باہر تھا، ان میں سے ایک نے کہا: میں تمہاری ماں حواء ہوں، دوسری خاتون نے کہا؛ میں آسیہ بنت مزاحم ہوں، تیسری خاتون نے کہا: میں حضرت موسیٰ کی بہن کلثم ہوں، اور چوتھی خاتون نے کہا کہ میں مریم بنت عمران ہوں۔ ہم اس لئے آئی ہیں کہ آپ کی اس خاص موقعہ پر مدد کریں کہ جو خواتین کو ضرورت ہوتی ہے، حضرت خدیجہؑ نے کہا کہ پھر میں نے فاطمہ کو جنم دیا، اور وہ پیدا ہوتے ہی سجدہ میں گر گئیں

(فلما ارادت ان تضعها ،بعثت الٰی نساء قریش، لیاتیانها فیلین منها ما یلی النساء ممن تلد، فلم یفعلن وقلن : لا ناتیك وقد صرت زوجة محمد ، فبینما هی كذلك اذ دخل علیها اربع نسوة، علیهن من الجمال والنور ما لا یوصف،فقالت لها احداهن : انا امك حواء، وقالت الاخریٰ: انا آسیة بنت مزاحم ،وقالت الاخری: انا كلثم اخت موسیٰ، وقالت الاخریٰ: انا مریم بنت عمران ام عیسیٰ، جئنا لنلی من امرك ما یلی النساء، قالت: فولدت فاطمة فوقعت حین وقعت علی الارض ساجدة رافعةاصبعها) ۔

(کتاب ذخائرالعقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، ج ا ص ۴۶)۔

بعض کتب میں مذکور ہے کہ ان خواتین نے اپنا تعاف کروانے کے بعد ایک ان میں سے بی بی کے دائیں جانب ،دوسری بائیں جانب، تیسری سامنے اور چاتھی پیچھے بیٹھ گئیں، جب سیدہؑ کی ولادت ہوگئی اور وہ پاک و پاکیزہ پیدا ہوئیں تو وہ جوں ہی بطن مادر سے زمین پر آئیں تو اس قدر نور چمکا کہ مکہ کے تمام گھر روشن ہو گئے، اور مشرق و مغرب میں کوئی ایسا گھر نہ رہا جو اس نور سے منور نہ ہوا ہو، اور دس حوریں حضرت خدیجہؑ کی خدمت میں آئیں جن میں سے ہر ایک کے ہاتھ میں ایک ایک ابریق اور ایک بہشتی طشت تھا اور ان کی ابریقیں آب کوثر سے بھری ہوئی تھیں، وہ مخدومہ جو حضرت خدیجہؑ کے سامنے بیٹھی ہوئی تھیں اٹھ کھڑی ہوئیں اور انہوں نے سیدہء کائناتؑ کو اپنے مبارک ہاتھوں پر اٹھا کر اسی آب کوثر سے غسل دیا جو حوران جنت

،فردوس بریں سے اسی کام کے لئے لائی تھیں، پھر انہی معظمہ نے دو سفید جامے جن کی سفیدی دودھ سے بھی زیادہ تھی اور جن کی خوشبو مشک و عنبر سے زیادہ لطیف تھی، نکالے اور ایک کو آپ کے جسم اطہر پر لپیٹ دیا اور دوسرے کو آپؑ کے فرق منور پر اوڑھنی بنایا، پھر سیدہ سلام اللہ علیہا سے باتیں کرنے لگیں، سیدہ کائناتؑ نے نہایت فصیح زبان میں یہ الفاظ کہے:

" اشهد ان لا اله الا الله واشهد ان ابی محمدارسول الله وسيدالانبياء وان بعلی سيد الاوصياء، وولدی سادة الاسباط،

(میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور میرے پدر بزرگوار اس کے رسول ہیں اور سب رسولوں کے سردار ہیں، اور میرے شوہر نامدار تمام اوصیاء کے سردار، اور میرے بیٹے تمام اسباط کے سردار ہیں) ،

اس کے بعد اس معظمہ نے ان چاروں بی بیوں کو سلام کیا، ، انہوں نے بھی نہایت خوشی کے ساتھ ان کے سلام کا جواب دیا، حوران جنت اس نورانی منظر کو دیکھ کر بہت خوش ہوئیں، اور انہوں نے ایک دوسری کو سیدہؑ کی ولادت کی مبارک باد دی، اس طرح اہل فلک نے ایک دوسرے کو مبارکبادیاں دیں۔

(یہ روایت اور اس سے مشابہ روایات، مختلف کتب میں درج ہیں مثلا: ینابیع المودة ، السیرة النبویة، روضة الفائق، عمدة المطالب، روضة الشهداء، وغیرہ)۔

حقیقت یہ ہے کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی ولادت نے مشرکین کی زبانیں بند کر دیں اور ان کے اس مذموم طعنہ کا عملی جواب اللہ تعالیٰ نے سیدہؑ کی تخلیق کے ذریعے دیا کہ جو وہ کہتے تھے کہ محمد بے اولاد ہیں، اللہ نے ایسی عظیم بیٹی عطا کی کہ اس سے حضورؐ کی ذریت ونسل کی بقاء و دوام کی ضمانت مل گئی،

جناب ابن عباس سے روایت وارد ہوئی ہے، انہوں نے سیدہ کائنات کی ولادت با کرامت کے حوالہ سے بیان کیا کہ جب حضرت فاطمہ بنت نبیؐ پیدا ہوئیں تو جبرائیل نازل ہوئے اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے حضورؐ کو سلام پہنچایا اور اس کے ساتھ یہ بھی کہا کہ اللہ آپ کے نومود کو سلام کہتا ہے،

(کتاب میزان الاعتدال فی نقد الرجال، ج ۴، ص ۲۷۔ لسان المیزان، ج ۳، ص ۲۶۷۔

مقام ولادت باسعادت:

مکہ مکرمہ، وہ عظیم سرزمین جس کی فضا میں انبیاء و اولیاء الہی اور بالخصوص سید کائناتؐ نے سانسیں لیں، وہ مقدس

شہر جس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے دو بلند پایہ نبیوں کو ایک گھر بنانے کا حکم دیا کہ جسے اللہ نے اپنا گھر کہا (بیتی)۔ میرا گھر۔ اللہ کو گھر کی ضرورت نہیں، وہ جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ ذات ہے، اس نے اسے عبادت کرنے والوں کے لئے علامت کے طور پر مخصوص فرمایا تا کہ اس کے حضور سر بہ سجدہ ہونے والوں کو ایک سمت مل جائے، اس مقدس و مطہر مقام کی بابت ارشاد ربانی ہوا:

سورہ آل عمران، آیت ۹۶، ۹۷:

" ان اول بیت وضع للناس للذی ببکة مبارکا وهدی للعالمین ، فیه آیات بینات مقام ابراهیم ،ومن دخله کان آمنا،ولله علی الناس حج البیت من استطاع الیه سبیلا،ومن کفر فان الله غنی عن العالمین"

(بے شک، وہ پہلا گھر جو لوگوں کے لئے بنایا گیا کہ جو مکہ میں ہے مبارک ہے اور عالمین کے لئے سرچشمہ ہدایت و رہنمائی ہے، اس میں واضح نشانیاں ہیں، مقام ابراہیم ہے، اور جو اس میں داخل ہوا وہ امن میں آ گیا، اور اللہ کا حق ہے ان لوگوں پر جو استطاعت رکھتے ہوں کہ وہ اس گھر کا حج کریں، اور جو انکار کرے تو اللہ، عالمین سے بے نیاز ہے)۔

اسی طرح سورہ بقرہ آیت ۱۲۵ میں اس گھر کی عظمت یوں بیان ہوئی:

" واذ جعلنا البیت مثابة للناس وامنا،واتخذوا من مقام ابراهیم مصلیٰ، وعهدنا الیٰ ابراهیم واسماعیل ان طهرا بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود،..."،

(اور جب ہم نے اس گھر کو لوگوں کے ثواب اور امن کی جگہ قرار دیا، تم مقام ابراہیم سے نماز کی جگہ بناؤ، اور ہم نے ابراہیم و اسماعیل سے عہد لیا کہ میرے گھر کو پاک کرو، طواف کرنے والوں کے لئے، اعتکاف میں بیٹھنے والوں کے لئے، اور رکوع و سجدے کرنے والوں کے لئے)۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف منسوب گھر کی برکت سے روئے زمین کو اپنی رحمتوں، عنایتوں اور برکتوں سے نوازا، یہی وہ گھر ہے جس میں لوگوں نے اللہ کے مقابلے میں اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کی پوجا کر کے جہالت و جاہلیت کی ناپاک اقدار کو فروغ دینے کی قبائلی طرح ڈالی مگر حق و برحق معبود یا یوں کہوں کہ رحیم و کریم خدا نے ان لوگوں پر عذاب نازل کر کے انہیں صفحہ ہستی سے مٹا دینے کی بجائے ان کی ہدایت کا انتظام کر دیا اور اپنا نمائندہ بھیج کر انہیں علم

کی روشنی عطا فرمائی اور زندگی گزارنے کے حکیمانہ اصول سکھائے، اس حوالہ سے قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ " اللہ ہی نے مکہ والوں میں ایک رسول بھیجا جو انہی میں سے ہے، وہ ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اور انہیں پاک کرتا ہے جیسے پاک کرنے کا حق ہے، اگر چہ وہ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے"۔ (**هو الذی بعث فی الامیین رسولا منهم یتلواعلیهم آیاته ویزکیهم ویعلمهم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین**)۔

(سورہ جمعہ، آیت ۲)

اسی مقدس شہر میں اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے نعمتیں نازل فرمائیں، کہ جن نعمتوں میں سے سب سے بڑی نعمت حضرت محمد مصطفیٰ کا وجود اقدس ہے، اس نعمت کو اللہ تعالیٰ نے عالمین کے لئے "رحمت" قرار دیا، اس رحمت کو اللہ نے جو رحمت عطا فرمائی اس کا نام نامی اسم گرامی "فاطمہ" رکھا، سیدہ فاطمہؑ عالمین کی رحمت کی رحمت ہیں۔ یعنی جو ہستی مجسم رحمت ہے اس کی مجسم رحمت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا ہیں، عالمین کی رحمت ہستی کو اللہ تعالیٰ نے نساء العالمین کی سردار رحمت عطا فرمائی۔

معتبر تواریخ میں مذکور ہے کہ مکہ مکرمہ میں مسجد الحرام کے نزدیک مقدس مقامات میں سے ایک مقام ہے جس کا نام" قبۃ الوحی" ہے، اور وہ حضرت خدیجہ علیہا السلام کے خانہ اقدس میں واقع ہے اور وہ باب الرسول کے قریب ہے، گھر میں واقع اس چھوٹے سے قبہ میں سیدہ عالم کی ولادت باکرامت ہوئی،

شادی زمانہ آبادی:

حکم خدا کی تعمیل میں رسول اللہؐ کا عملی اقدام:

جناب عبداللہ بن مسعود سے روایت مذکور ہے کہ رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا:

ان الله امرنی ان ازوج فاطمة من علی ،

(خداوند عالم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کردوں،)۔

بعض حوالہ جات: کتاب مجمع الزوائد ج ۹، ص ۲۰۴۔ المعجم الکبیر ج ۱۰، ص ۱۵۶۔ الصواعق المحرقہ، ج ۲، ص ۳۶۴۔ البیان والتعریف، ج ۱، ص ۲۴۷۔ فیض القدیر، ج ۲، ص ۲۱۵۔ تحفۃ الاحوذی، ج ۴، ص ۲۱۶۔

اس کے علاوہ دیگر متعدد کتب معتبرہ میں اس طرح کے الفاظ پر مشتمل روایات واحادیث نبویہ مذکور ہیں جن سے پتہ

چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا کی ازدواجی زندگی کا فیصلہ خود فرمایا، اگر اس سلسلہ میں وارد ہونے والی روایات پر غور کیا جائے تو یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس معظمہ کے وجود میں جو نورانی صفات ودیعت فرمائیں وہ اس بات کی متقاضی تھیں کہ ان کا شریک حیات مولائے کائنات علی بن ابی طالبؑ کے سوا کوئی نہ ہو، دوسری جانب اللہ تعالیٰ نے مولا علیؑ کو جن عظیم و منفرد خصوصیات سے نوازا وہ بھی اس کی متقاضی تھیں کہ ان کی شریکہء زندگی ایسی ہستی ہوں جو وجودی کمالات میں مولا علیؑ کی ہمسری کریں، جب ہم ان دونوں پاک و مطہر ہستیوں کی ازدواجی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو اس حقیقت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے اپنی حقوقی ذمہ داریوں کو اس خوبصورت انداز میں ادا کیا کہ رہتی دنیا تک آنے والی نسلوں کو سعادتمند و کامیاب ترین زندگی کے بہترین وزریں اصول مل گئے، دونوں ہستیوں نے اپنی شرعی، اخلاقی، معاشرتی اور تمام متعلقہ ذمہ داریوں کو ان نورانی معیاروں کے مطابق ادا کیا جو ان کی ذوات مقدسہ کی تخلیقی عظمتوں کو اجاگر کرنے میں خداوند عالم کی طرف سے مقرر و متعین تھے، اسی وجہ سے ان کی حیات طیبہ کا ہر پہلو پاکیزہ زندگی کا درخشندہ باب ہے۔

بہرحال جس طرح سیدہ ء کائناتؑ کو اللہ تعالیٰ نے دیگر امتیازات سے نوازا اسی طرح ازدواجی حوالہ سے بھی آپؑ کو منفرد مقام عطا کیا، کہ اس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ چنانچہ معتبر روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ رب کائنات نے سید کائناتؐ کو حکم دیا کہ سیدہ ء کائناتؑ کی شادی مولائے کائناتؑ سے کردیں، اس کا اظہار خود سید کائناتؐ نے ان الفاظ میں فرمایا:

" اتانی ملك ،فقال : یا محمد ، ان الله تعالٰی یقرء علیك السلام و یقول لك انی قد زوجت فاطمة ابنتك من علی بن ابی طالب فی الملاء الاعلٰی فزوجها منه فی الارض،

(میرے پاس ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھ سے کہا: اے محمدؐ، اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو سلام بھیجا ہے اور فرمایا ہے کہ میں نے آپؐ کی بیٹی فاطمہؑ کی شادی ابوطالب کے فرزند علی سے ملاء اعلیٰ میں کردی ہے، آپ زمین میں اس کی شادی، اس سے کردیں)۔

(کتاب ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، جلد اول صفحہ ۳۲)۔

تاریخ اسلام کا منفرد واقعہ

یہ ایک ناقابل انکار حقیقت ہے کہ سیدہؑ کی شادی تاریخ اسلام کا ایسا منفرد واقعہ ہے جو اپنی مثال آپ ہے، سید کائناتؐ کی عظیم دختر سے شادی کے حوالہ سے جو کچھ تاریخ میں درج ہے اگر وہ سب صحیح ہو تو نجانے کتنے سوالات اٹھ کھڑے ہوں کہ جن کے جوابات بن نہیں پائیں گے اور پھر بحث در بحث کے دروازے کھل جائیں گے کہ جس کا نتیجہ امت اسلامیہ میں اختلاف در اختلاف کے سوا کچھ نہیں ہوگا جبکہ موجودہ دور میں اہل اسلام کو جس قدر ہم آہنگی کی ضرورت ہے شاید اس سے پہلے اتنی نہ تھی، تاریخ کو تاریخ کے تناظر میں اور تحقیق کو تحقیق کے دائرہ میں ہی رکھا جائے تو علمی نتیجہ حاصل ہوسکتا ہے ضد بازی، ہٹ دھرمی اور منفی سوچ نقصان پہنچاتی ہے، بہر حال سیدہؑ کی خواستگاری کرنے والوں میں ایسی شخصیات کے نام لئے گئے ہیں جن کے بارے میں اس طرح کی سوچ قابل فہم و تاویل نہیں، سن کے فرق سے قطع نظر ان کا حضرت رسول خداؐ سے حقوقی تعلق اس کی اجازت نہیں دیتا، یہ کیونکر قابل تصور ہے کہ جس کی اپنی حقیقی بیٹی حضورؐ کی زوجہ ہو وہ حضورؐ سے ان کی بیٹی کا رشتہ اپنے لئے طلب کرے، مورخین نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ زہراؑ کی شادی سے ساڑھے چار ماہ پہلے حضورؐ نے حضرت عائشہ سے شادی کی تھی (کتاب تہذیب التہذیب، ج ۱۲، ص ۴۵۱، کتاب الاستیعاب، ج ۴، ص ۱۸۹۳، حدیث، ۴۰۵۷۔)، تو اتنے تھوڑے عرصہ کے بعد حضورؐ کے سسر حضرت ابوبکر، حضورؐ کے داماد بننے کی خواہش خود حضورؐ ہی سے کس طرح کر سکتے ہیں؟ اور پھر ان کے بعد فوراً آپؐ کے دوسرے سسر حضرت عمر، حضورؐ کی دامادی کا اقدام کریں جبکہ ان سے پہلے حضورؐ حضرت ابوبکر کو انکار کر چکے ہوں، اور صرف انکار ہی نہیں بلکہ یہ فرما چکے ہوں کہ اس سلسلہ میں مجھے اختیار نہیں بلکہ میں اللہ تعالیٰ کے فرمان کا منتظر ہوں، اگر چہ اس سلسلہ میں سواد اعظم کے نامور محدثین و مورخین نے خواستگاری کی بابت مذکورہ مطالب درج کیے ہیں لیکن بظاہر ہر ایک نے دوسرے سے نقل در نقل کے طور پر لکھا ہے ورنہ اس کا قرین صحت ہونا معلوم نہیں ہوتا، عموماً عرفی و معاشرتی طور پر ایسا نہیں ہوتا، اس میں کوئی شک نہیں کہ حضورؐ کی دامادی ایک عظیم شرف ہے کہ جس سے بڑا حقوقی انتسابی شرف کوئی نہیں، اور اس کے ساتھ ساتھ سیدہ کائنات کی نورانی وجودی خصوصیات کا اپنا مقام ہے، لیکن تاریخی و زمانی حوالہ سے اس طرح کے واقعہ کی تائید نہیں ملتی، خاص طور پر جب حضورؐ نے پہلے کہہ بھی دیا ہو کہ اس کا معاملہ اللہ کے ہاتھ میں ہے، نمونہ کے طور پر یہ روایت ملاحظہ ہو جس کے راوی جناب انس بن مالک ہیں:

”عن انس بن مالك ، ان عمر بن خطاب اتٰى ابا بكر ،فقال : يا ابا بكر ما يمنعك ان تزوج فاطمة بنت رسول الله ؟قال : لا يزوجنى، قال اذا لم يزوجك فمن يزوج ؟ وانك اكرم الناس عليه، واقدمهم فى الاسلام ،قال : فانطلق ابوبكر الىٰ بيت عائشة، فقال،يا عائشة ،اذا رايت من رسول الله (ص) طيب نفس واقبالا عليك فاذكرى له انى ذكرت فاطمة فلعل الله عزوجل ان ييسرها لى، قال : فجاء رسول الله (ص) فرات منه طيب نفس واقبالا ، فقالت: يا رسول الله ،ان ابا بكر ذكر فاطمة وامرنى ان اذكرها، قال: حتىٰ ينزل القضاء، قال فرجع اليها ابوبكر ،فقالت: يا ابتاه وددت انى لم اذكر له الذى ذكرت، فلقى ابوبكر عمر، فذكر ابو بكر لعمر ما اخبرته عائشة، فانطلق عمر الىٰ حفصة فقال: يا حفصة ، اذا رايت من رسول الله (ص)اقبالا عليك فاذكرينى له، واذكرى فاطمة لعل الله ان ييسرها لى، قال : فلقى رسول الله (ص)حفصة فرات طيب نفس ورات منه اقبالا فذكرت له فاطمة رضى الله عنها، فقال : حتى ينزل القضاء، فلقى عمر حفصة فقالت له :يا ابتاه وددت انى لم اكن ذكرت له شيئا ،فانطلق عمر الىٰ على بن ابى طالب رضى الله عنه فقال : ما يمنعك من فاطمة،فقال : اخشىٰ ان لا يزوجنى، قال : فان لم يزوجك فمن يزوج؟ وانت اقرب خلق الله اليه، فانطلق على(ع) الىٰ رسول الله (ص) ولم يكن له مثل عائشة ولا مثل حفصة،قال: فلقى رسول الله(ص) ، فقال : انى اريد ان اتزوج فاطمة، قال : فافعل، ..الخ،

(انس بن مالک نے بیان کیا کہ حضرت عمر بن خطاب نے ،حضرت ابوبکر کے پاس آکر کہا کہ آپ کو کیا مانع ہے کہ آپ رسول خداؐ کی بیٹی فاطمہ سے شادی کرلیں ،حضرت ابوبکر نے جواب دیا کہ وہ مجھ سے ان کی شادی نہیں کریں گے، حضرت عمر نے کہا کہ اگر وہ آپ سے شادی نہیں کریں گے تو کس سے کریں گے؟ جبکہ آپ ان کی نظر میں بہت احترام رکھتے ہیں،اور قدیم الاسلام بھی ہیں،حضرت ابوبکر،اپنی بیٹی اور زوجہء رسولؐ حضرت عائشہ کے گھر آئے اور ان سے کہا:اے عائشہ،

جب دیکھو کہ رسول خداؐ خوش بیٹھے ہیں اور تمہارے ساتھ اچھے ماحول میں ہیں تو ان سے میرے لئے فاطمہ کی بات کرنا کہ شاید اللہ اس کی بابت میرے لئے آسانی پیدا کردے، (یادر ہے بعض کتب اہل سنت میں مذکور ہے کہ حضرت عائشہ کی شادی جب حضورؐ سے ہوئی تو حضورؐ کی عمر ۵۶ سال اور حضرت عائشہ کی عمر ۹ سال تھی، بعض کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت عائشہ ۶ سال کی تھیں تو عقد ہوا اور تین سال کے بعد رخصتی ہوئی، واللہ اعلم)، چنانچہ جب رسول خداؐ گھر تشریف لائے اور حضرت عائشہ نے انہیں خوش حالت میں دیکھا تو ان سے کہا: اے اللہ کے رسول، ابوبکر نے فاطمہ کے بارے میں مجھ سے کہا ہے اور مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس سلسلہ میں ان کے لئے آپ سے بات کروں، حضورؐ نے جواب دیا کہ اس سلسلہ میں حکم خدا کا انتظار ہے، پھر حضرت ابوبکر اپنی بیٹی کے پاس آئے اور ان سے پوچھا کہ کیا ہوا؟ ان کی بیٹی نے کہا کہ بابا جان، جو کچھ آپ نے کہا، ان سے وہ کہنا میں پسند نہیں کرتی، پھر حضرت ابوبکر، حضرت عمر سے ملے اور انہیں وہ سب کچھ بتایا جو حضرت عائشہ نے ان سے کہا تھا، اس کے بعد حضرت عمر اپنی بیٹی اور زوجہ رسول حضرت حفصہ کے پاس گئے اور ان سے وہی کہا جو حضرت ابوبکر نے اپنی بیٹی اور زوجہ رسول حضرت عائشہ سے کہا تھا یعنی جب رسول خداؐ خوش دکھائی دیں اور تمہارے ساتھ اچھے ماحول میں ہوں تو انہیں میری یاد دلانا اور فاطمہ کا تذکرہ کرنا، شاید اللہ تعالیٰ ان سے میری بات آسان کردے، جب آنحضرتؐ حفصہ کے پاس تشریف لائے اور حضرت حفصہ نے دیکھا کہ وہ ان کے ساتھ خوش اور اچھے ماحول میں ہیں تو انہوں نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کا تذکرہ کیا، تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا: ابھی خدائی فیصلہ کا انتظار ہے، پھر حضرت عمر اپنی بیٹی حفصہ کے پاس آئے تو حضرت حفصہ نے کہا: بابا جان، میں نے چاہا کہ ان سے کوئی بات نہ کروں۔ (حفصہ بنت عمر کی شادی جب حضورؐ سے ہوئی تو ان کی عمر ۲۰ سال تھی جبکہ حضورؐ کی عمر مبارک ۵۸ سال تھی، حفصہ کی پہلی شادی خنیس بن حذیفہ سے ہوئی اس وقت ان کی عمر ۱۸ سال تھی خنیس کی وفات کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر اور حضرت عثمان سے ان کی شادی کرنے کا کہا تو ان دونوں حضرات نے انکار کردیا، حضرت عمر نے حضورؐ سے ان کا شکوہ کیا، اور جب حضورؐ سے شادی کی بات ہوئی تو حضورؐ نے فرمایا کہ حفصہ کی شادی اس سے ہوگی جو عثمان سے بہتر ہوگا اور عثمان کی شادی اس سے ہوگی جو حفصہ سے بہتر ہوگی، اس کے بعد حضورؐ نے فرمایا کہ مجھے حفصہ بہت پسند ہے، بحوالہ کتاب تاریخ مدینہ۔)

(ہماری نظر میں مورخین نے ان واقعات کو لکھتے وقت اچھی طرح غور سے کام نہیں لیا بلکہ نقل درنقل کا طریقہ اختیار کیا جس سے بعض امور مشتبہ ہوگئے، اور صورتحال مبہم سے مبہم تر ہوگئی۔ مولف) پھر حضرت عمر، حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پاس آئے اور ان سے کہا: آپ کو فاطمہ سے شادی کرنے میں کیا رکاوٹ ہے، حضرت علی نے کہا کہ مجھے

اندیشہ ہے کہ وہ ان سے میری شادی نہیں کریں گے، حضرت عمر نے کہا کہ اگر آپ سے نہیں کریں گے تو پھر کس سے کریں گے؟ آپ تو اللہ کی ساری مخلوق کی نسبت ان سے زیادہ قریب ہیں، پھر حضرت علی رسول خداؐ کی خدمت میں آئے کیونکہ ان کے پاس حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ کی طرح کا کوئی پیغام رسانی کا سلسلہ نہ تھا، انہوں نے رسول خداؐ کی خدمت میں عرض کی کہ میں فاطمہ سے شادی کرنا چاہتا ہوں، حضورؐ نے ارشاد فرمایا: تو کرلیں.....، اس کے بعد مزید کچھ گفتگو ہوئی۔

(مجمع الزوائد، جلد ۹ صفحہ ۲۰۵۔ اور اسی کے مثل: تفسیر قرطبی، ج ۱۷ص ۳۰۲۔ المعجم الکبیر ج ۲۲ ص ۴۰۸۔ اور دیگر متعدد معتبر و مستند کتب)۔

اس روایت اور اس جیسی دیگر روایات میں جو کچھ مذکور ہے اس سے واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ یہ باتیں قرین صحت نہیں، کیا یہ بات ممکن و معقول ہے کہ باپ، بیٹی سے کہے کہ اپنے شوہر کی بیٹی سے میری شادی کروادیں؟ اور پھر الفاظ بھی ایسے کہ جو بیٹی سے عام طور پر نہیں کہے جاسکتے مثلاً یہ کہنا کہ جب وہ تمہارے ساتھ اچھے ماحول میں ہوں تو ان سے میری شادی کی بات کرنا، اور پھر یہ کہ جس طرح حضرت علیؑ کا خواستگاری کرنا اور اس پر رسول خداؐ کا فوراً جواب دینا مذکور ہے وہ بھی عام طور پر معمول نہیں ، یعنی خلاف مقتضائے ادب سمجھا جاتا ہے، اس سب کچھ سے ثابت ہوتا ہے کہ بیچ میں بات کچھ دوسری ہے۔ اس مضمون کی روایات مختلف کتب میں درج ہیں البتہ الفاظ میں قدرے فرق پایا جاتا ہے، لیکن مفہوم و مقصود یکساں ہے کہ مذکورہ حضرات نے خواستگاری کی اور حضورؐ نے انکار کیا یا منہ پھیرلیا (منہ پھیر لینے کے الفاظ انس بن مالک کی روایت میں ذکر ہوئے ہیں، ''**خطبت فاطمة الی النبی فاعرض عنی**، حضرت ابوبکر نے کہا کہ میں نے نبیؐ سے فاطمہ کی خواستگاری کی تو انہوں نے مجھ سے منہ پھیرلیا۔)۔۔ملاحظہ ہو، سنن ابی داوود، تفسیر قرطبی، معجم کبیر، اور دیگر کتب معتبرہ۔۔ ، نہ تو ان حضرات کا خواستگاری کرنا سمجھ میں آتا ہے اور نہ اس سے متعلقہ مطالب قرین صحت معلوم ہوتے ہیں، بلکہ حقیقت وہی ہے جو بیان کی گئی ہے اور فریقین کی معتبر و مستند کتب میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق سیدہؑ کی شادی مولا علیؑ سے کی۔ اور نور کا نور سے امتزاج ایک نورانی حقیقت ہے جس کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔ اور نظیر مل بھی نہیں سکتی کیونکہ خدا کے کام خدا ہی جانتا ہے۔ دونوں کی نورانی شخصیات کا انتخاب اللہ تعالیٰ نے اپنے علم و حکمت سے فرمایا، بعض روایات میں اس حوالہ سے نہایت عمدہ مطالب مذکور ہیں کہ جن سے ان دو ہستیوں کی شادی کا تذکرہ مخصوص صورت میں ہوا ہے، جس سے اس سلسلہ میں خدائی اہتمام کا پتہ چلتا ہے، مولائے کائنات اور سیدہ کائنات کی ترویج کا فیصلہ زمین سے پہلے آسمان پر ہوا لیکن جب

اس کا اظہار زمین پر سید کائناتؐ نے فرمایا تو اس کی شان بھی اپنی تھی، اس طرح کا اہتمام حضورؐ کی منسوبی بنات کی شادیوں کے تاریخی تذکروں میں بھی مذکور نہیں، یہ وہ حقیقت ہے جس پر جمہور مورخین متفق ہیں، اور جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اس کا تعلق کسی عقیدہ و مسلک سے نہیں بلکہ یہ تاریخ ہے جو اعتقادی حوالوں سے ماوراء ہوتی ہے، شیعہ مورخین و محدثین سے زیادہ اہل سنت مورخین و محدثین نے اسے اپنی کتب میں لکھا ہے لہذا اس سے سیدہ کائناتؑ کی عظمت اور اللہ کے نزدیک آپؑ کا بلند مقام واضح ہوتا ہے،

اس مقدس ازدواجی سلسلہ کی ابتداء ہی اس طرح ہوئی کہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں حضورؐ نے جو خصوصی اہتمام فرمایا وہ اپنی مثال آپ تھا، حضورؐ نے بھی خطبہ پڑھا اور مولا علیؑ نے بھی خطبہ پڑھا، دونوں ہستیوں کے خطبوں کے الفاظ ملاحظہ کریں تو اس موضوع کی خصوصیت آشکار ہو جاتی ہے، عام طور پر ایجاب و قبول کے مختصر و مخصوص الفاظ اور مختصر مخصوص خطبہ پر اکتفاء کی جاتی ہے، مگر حضور نے بھی اور مولا علی نے بھی تفصیلی خطبے پڑھے، اس سے پہلے کہ دونوں ہستیوں کے خطبات ذکر کیے جائیں یہ مطلب قابل ذکر ہے کہ اگر چہ حضورؐ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کر دیں تو اس حکم کے بعد مزید کسی چیز کی ضرورت باقی نہیں رہتی لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے اپنی بیٹی سے پوچھا اور اجازت لی اور ان کی رضایت حاصل کی، جو آج تک سنت نبوی کی پیروی میں اہل اسلام کے ہاں معمول ہے اور اسے شرعی وجوبی ولزومی حیثیت حاصل ہے، چنانچہ حضورؐ نے سیدہؑ سے طلب اذن و رضا کے ساتھ یہ فرمایا:

" یا فاطمة، انی لم ازوجك من تلقاء نفسی بل امرنی الله تبارك وتعالیٰ ان ازوجك منه "،

(اے فاطمہ، میں تمہاری شادی علی کے ساتھ اپنی مرضی سے نہیں کر رہا بلکہ مجھے خدائے تبارک وتعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ میں تیری شادی علی سے کردوں)۔

سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی تزویجی تقریب خدائی حکم کے مطابق ہوئی تو اس میں یہ منفرد صورت دکھائی دی کہ سید کائناتؐ نے بھی خطبہ پڑھا اور مولا علی نے بھی، حضورؐ نے جو خطبہ پڑھا اس میں یوں ارشاد فرمایا: (حضورؐ کے خطبہ کے الفاظ، پاکیزہ حقائق کا ایک سمندر ہے جن میں اصول و فروع دین کا درس ملتا ہے)

خطبہ رسول مقبولؐ

بسم اللہ الرحمن الرحیم ،الحمد للہ المحمود بقدرتہ ،المطاع بسلطانہ، المرھوب من عذابہ وسطوتہ،النافذ امرہ فی سمائہ وارضہ، الذی خلق الخلق بقدرتہ ومیزھم باحکامہ واعزھم بدینہ، واکرمھم بنبیہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ،ان اللہ تبارک وتعالیٰ جلت عظمتہ جعل المصاھرۃ سببا لاحقا وامرا مفترضا ، اوشج بہ الارحام والزم بہ الانام، فقال عز من قائل : وھو الذی خلق من الماء بشرا فجعلہ نسبا وصھرا وکان ربک قدیرا ،فامر اللہ یجری الیٰ قضائہ، وقضائہ یجری الیٰ قدرہ، ولکل قضاء قدر، ولکل قدر اجل ، ولکل اجل کتاب، یمحو اللہ ما یشاء ، ویثبت ،وعندہ ام الکتاب، وان اللہ تبارک وتعالیٰ امرنی ان ازوج فاطمۃ ابنتی من علی بن ابی طالب ،فاشھدوا انی قد زوجتہ علیٰ اربع ماۃ مثقال فضۃ،ان رضی بذلک علی،وکان علی(ع) غائبا لحاجۃ النبی (ص)، ثم دعا بطبق من تمر فوضع بین ایدینا ،فاکلنا،اذا دخل علی (ع) فتبسم فی وجہ علی(ع) وقال (ص) : ان اللہ تبارک وتعالیٰ امرنی ان ازوجک فاطمۃ علیٰ اربع ماۃ مثقال فضۃ، ان رضیت بذلک ، فقال علی (ع): رضیت بذلک یا رسول اللہ (ص)،ثم قال النبی (ص):جمع اللہ شملکما، واسعد جدکما ،وبارک علیکما وفیکما ،فاخرج منکما کثیرا طیبا ،

(شروع اللہ کے نام سے، جو نہایت مہربان،نہایت رحم کرنے والا ہے، ہر حمد ہے اللہ کے لئے، جو اپنی نعمتوں کی وجہ سے محمود ہے،اور اپنی قدرت کی وجہ سے معبود ہے،اپنی شان سلطانی کے باعث قابل اطاعت ہے،اور ہنگام ہیبت وعذاب میں مقام پناہ ہے،اس کا حکم وفرمان اس کے آسمان وزمین میں نافذ ہے،اسی نے مخلوق کو اپنی قدرت سے پیدا کیا اور اپنے احکام کے ذریعے انہیں امتیاز بخشا،اور انہیں اپنے دین کے ذریعے عزت عطا کی،اور انہیں اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ذریعے بزرگی سے نوازا، اسی نے اپنی عظیم شان وجلالت کے ساتھ سسرالی قرابت کو ایک دوسرے کے ساتھ پیوستگی کا سبب قرار دیا، اور ایسا فریضہ واجبہ بنایا کہ جس کے ذریعے ارحام کی باہمی قربت کا نظام وضع کیا اور اسے لوگوں پر لازم قرار دیا، اس نے اس حوالہ سے فرمایا۔ کہ وہ سب سے معزز فرمان دینے والا ہے۔ کہ وہ خدا وہ ہے کہ جس نے انسان کو پانی سے پیدا کیا اور اس کے لئے آبائی وسسرالی قرابتیں قرار دیں، اور وہی تیرا رب ہے جو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے، خدا کا حکم اس کی قضاء کی جانب جارہا ہے، اور اس کی قضا اس کی قدرت کی جانب، اس کی ہر قضا کے لئے ایک قدر ہے، اور ہر قدر کے لئے ایک وقت معین ہے، اور ہر معین وقت کے لئے ایک حکم خاص ہے، اس کے باوجود خدا جس چیز کو چاہے مٹادے اور جس چیز کو چاہے قائم رکھے، اور اس کے پاس ہی اصل حقائق ہیں، اسی خدائے تبارک وتعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیٹی فاطمہ (ع) کا عقد علی (ع) سے کردوں، تو اے حاضرین تم گواہ رہو کہ میں نے اپنی بیٹی فاطمہؑ کا عقد علی بن ابی طالب (ع) کے ساتھ چار سو مثقال چاندی کے عوض میں کردیا بشرطیکہ علی اسے قبول کریں''۔ (راوی: اس وقت حضرت علیؑ وہاں موجود نہیں تھے بلکہ حضورؐ کے کسی کام کو کہیں گئے ہوئے تھے، اس کے بعد حضورؐ نے کھجوروں کا ایک ٹوکرا اپنے سامنے رکھا اور وہاں موجود ہم سب نے کھایا، اس اثناء میں حضرت علیؑ بھی آگئے، انہیں دیکھتے ہی حضورؐ نے تبسم فرمایا اور کہا کہ یا علی، مجھے خدا نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کا عقد تم سے چار سو مثقال چاندی کے عوض کردوں، کیا تم راضی ہو؟ حضرت علیؑ نے عرض کی: یارسول اللہ، میں راضی ہوں، اس پر حضورؐ نے دعا فرمائی اور یہ الفاظ ادا کئے: خداوند عالم تم دونوں میں اتفاق واتحاد قائم رکھے اور تمہاری کوششوں کو مبارک کرے اور تم دونوں پر اور تم دونوں کے امور میں برکت عطا فرمائے، اور تم دونوں کی نسل سے اولاد طاہرہ کثیر پیدا فرمائے)۔

حضورؐ نے اصحاب کے مجمع میں یہ فرمایا کہ اللہ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کردوں، اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اس میں حضورؐ نے نہ تو اپنی ذاتی خواہش اور نہ ہی کسی نسبی وخاندانی حوالہ کی بنیاد پر فیصلہ کیا بلکہ صرف اللہ کے حکم کی اطاعت وتعمیل میں ایسا کیا جو حضورؐ کی منصبی عظمت کا تقاضا ہے، حضورؐ کا مقام اس سے بالاتر ہے کہ اللہ کی مرضی پر اپنی مرضی مقدم کریں اور اللہ کے فیصلہ سے پہلے کوئی فیصلہ کریں، خاص طور پر وہ کام کہ جس سے ان کی نسل کا وجودی تسلسل اور ان کے مقدس مشن کا تحفظ وابستہ ہو۔

خطبہ جواب خطبہ

حضرت رسالتمآبؐ کے خطبہء مبارکہ کے بعد مولا علیؑ نے بھی خطبہ پڑھا اور وہ بھی بحکم خدا تھا، چنانچہ امام ابونصر ہمدانی اور دیگر مورخین ومحدثین نے یوں لکھا ہے:

" فنزل جبرائیل علیه السلام وقال: ان الله امر علیا ان یقرء الخطبة بنفسه ،فامره رسول الله (ص) ان یقرء الخطبة بنفسه ،فقال: الحمد لله المتوحد بالجلال ،المتفرد بالکمال،خالق بریته ومجنس طبقات خلیقته، ،الذی لیس کمثله شیء ولایکون کمثله الا هو خالق العباد فی البلاد ،الهمهم التسبیح والثناء علیه فسبحوا بحمده وقد سوه فهو الله الذی لا اله الا هو ،وامر عباده بالنکاح فاجابوه ،الحمد لله علیٰ نعمة الولایة، واشهد ان لا اله الاالله شهادة تبلغه وترضیه وتجیر قائله وتقیه، یوم یفر المرء من اخیه وامه وابیه، وصاحبیه وبنیه، وصلی الله علٰی سیدنا محمد نبی الذی اجتباه لوحیه ورضیه ،صلوٰة تبلغه الزلفیٰ وتخطیه،ورحمة الله علٰی آله واصحابه ومحبیه ،والنکاح بما قضاه الله تعالیٰ اذن فیه ،وانی عبد الله وابن عبده وامته الراغب الی الله تعالٰی الخاطب خیر نساء العالمین ،قد بذلت لها من الصداق اربع ماة درهم عاجلة غیر آجلة،زوجتها یا ایها الرسول الامین علٰی سنة من مضی من المرسلین ،فقال النبی (ص) زوجت فاطمة بك یاعلی، وزوجك الله تعالٰی ورضیك واختارك ،فقال علی رضی الله عنه قبلتها من الله تعالٰی ومنك یا رسول الله (ص)"۔

پھر حضرت جبرئیل نازل ہوئے اور کہا کہ اللہ تعالیٰ نے علیؑ کو حکم دیا ہے کہ وہ بذات خود خطبہ پڑھیں،تو رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کو خطبہ پڑھنے کا حکم دیا،تو حضرت علیؑ نے یہ خطبہ پڑھا:

ہر حمد اللہ کے لئے مخصوص ہے، جو اپنے جلال کے ساتھ یکتا ہے، جو اپنے کمال میں اپنی مثال آپ ہے، اپنے بندوں

کا خالق ہے، اور اپنی مخلوق کو مختلف وجودی مراتب عطا کرنے والا ہے، اس کی مثل کوئی چیز نہیں اور اس جیسی کوئی چیز ہو بھی نہیں سکتی، وہی ہے جس نے اپنے بندوں کو خلعت وجود عطا کر کے روئے زمین کے گوشہ گوشہ میں پھیلا دیا، اور انہیں اپنی تسبیح و تمجید سکھائی تو مخلوق نے اس کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح بجالائی، اور اس کی ثناء کی، وہ اللہ ہے کہ اس کے سوا کوئی معبود نہیں، اس نے اپنے بندوں کو نکاح کا حکم دیا جس پر انہوں نے عمل کیا، حمد ہے اللہ کی کہ اس نے اپنی ولایت کی نعمت عطا فرمائی، اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، ایسی گواہی جو اس تک پہنچے اور وہ خوش ہو اور وہ گواہی، گواہی دینے والے کی پشت پناہ ثابت ہو کہ اسے اس دن حفاظت عطا کرے جس دن ہر شخص اپنے بھائی، اپنی ماں، اپنے باپ، اپنی بیوی اور اپنی اولاد سے گریز کرے گا، اللہ درود بھیجے ہمارے آقا و سردار محمد نبی اللہؐ پر، وہ کہ جنہیں اللہ نے اپنی وحی کے لئے منتخب فرمایا اور ان سے راضی ہے، ایسا درود جو انہیں قرب خداوندی کی لذت سے بہرہ ور کر دے، اور اللہ کی رحمت ہو ان کی آل پر اور ان کے اصحاب پر اور آنجنابؐ سے محبت کا دم بھرنے والوں پر۔ اور نکاح کا حکم اللہ نے دیا ہے اور اس کی اجازت عطا فرمائی ہے، میں اللہ کا بندہ اور اس کے بندے اور کنیز کا فرزند ہوں، میں اللہ کی طرف راغب ہوں اور میں عالمین کی خواتین میں بہتر خاتون کا خواستگار ہوں، اور اسی وقت اس کے مہر میں چار سو مثقال چاندی دیتا ہوں، اے رسول امین! میں نے اسے اسی سنت و طریقہ پر اپنی زوجیت میں لیا جو سابقہ انبیاء و مرسلین نے اپنایا، (اس پر حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ یا علی، میں نے فاطمہ کو تیری زوجیت میں دیا، یہ تزویج اللہ تعالیٰ نے کی اور وہ تجھ سے راضی ہے، اور اس نے تجھے منتخب کیا ہے، تو مولا علیؑ نے عرض کی کہ اے اللہ کے رسول، میں نے انہیں اللہ کی جانب سے اور آپ کی جانب سے قبول کیا)۔

دعائے سید کائناتؐ

بعض کتب میں مرقوم ہے کہ حضرت سید کائنات سلام اللہ علیہ، اس شب کو سیدہ کائناتؑ کے نئے گھر تشریف لائے اور دونوں کو اپنے دائیں اور بائیں جانب بٹھا کر اس طرح دعا کی:

" اللهم بارك فيهما وبارك عليهما وبارك لهما فى نسلهما ، اللهم انهما احب الخلق الى فاحبهما ،وبارك ذريتهما واجعل عليهما منك حافظا وانى اعيذهما بك وذريتهما من الشيطان الرجيم ، اللهم ان هذه ابنتى واحب الخلق الى

،اللھم وھذا اخی واحب الخلق الی، اجعلہ لك ولیا وبارك لہ فی اھلہ"

(اے اللہ، ان دونوں میں برکت عطا فرما، اوران دونوں پر برکت نازل فرما، اوران دونوں کی نسل کو برکت سے نواز، اے اللہ، یہ دونوں ساری مخلوق سے مجھے زیادہ محبوب ہیں، تو بھی ان کو محبوب فرما، اوران کی ذریت واولاد میں برکتیں عطا فرما، اوران دونوں پر نگہبان مقرر فرما، اور میں ان دونوں کواوران کی ذریت واولاد کو شیطان مردود سے تیری پناہ میں دیتا ہوں ،اے اللہ، یہ میری بیٹی ہے جو مجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے، اوراے اللہ، یہ میرا بھائی ہے جو مجھے ساری مخلوق سے زیادہ محبوب ہے، اسے اپنا ولی قرار دے اوراس کے اہل ونسل میں برکتیں نازل فرما۔)

بہر حال دونوں ہستیوں کے خطبات میں مذکور الفاظ وعبارات اوران کے معانی ومفاہیم پر غور کرنے سے پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان حضرات کی عظمت اور قدر ومنزلت کس قدر ہے، اوراس نے کس طرح ان کی سبھی قربتوں کا اہتمام فرمایا، اس خدائی اہتمام کا نتیجہ اس مقدس گھرانہ کی پاک وطیب اولاد کی صورت میں سامنے آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ذریعے اپنے دین وآئین کی حفاظت کا بندوبست فرمایا، میں ہمیشہ کہا کرتا ہوں کہ جب باپ علیؑ جیسی ہستی ہو کہ جو امیر المومنین اور مولائے کائنات ہیں اور ماں فاطمۃ الزہراؑ جیسی شخصیت ہوں جو سیدۃ نساء العالمین اور سیدہ ء کائنات ہیں تو اولاد، امام حسن وامام حسین اور سیدہ زینب وسیدہ ام کلثوم جیسی عظیم شخصیات نہ ہوں گی تو کون ہوگا؟ نور کا نور سے امتزاج، نور ہی کے وجود میں آنے کا سبب بنتا ہے، اعلیٰ ترین اصلاب اور پاکیزہ ترین ارحام میں رہنے والے نورانی وجود کے حامل افراد کا قیاس کسی دوسرے سے نہیں ہوسکتا،

سید کائناتؐ کے نورانی وجود کی عظمت کسی سے پوشیدہ ہے اور نہ ہی اس کے لئے کسی دلیل وبرہان کی ضرورت ہے، اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضورؐ کو نور سے موسوم کیا ہے:

" قد جائکم من اللہ نور وکتاب مبین "،

(تمہارے پاس اللہ کی طرف سے نور آیا اور کتاب مبین آئی)۔سورہ مائدہ، آیت ۱۵۔

اس میں نور سے مراد حضورؐ کی ذات گرامی قدر ہے اور کتاب مبین سے مراد قرآن مجید ہے، اس سے مشابہ آیات مبارکہ میں بھی حضورؐ کو نور سے تعبیر کیا گیا ہے، اسی طرح حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا

کیا: **(اول ما خلق الله نوری)**، اور حضورؐ نے ارشاد فرمایا: میں اور علیؑ ایک ہی نور سے ہیں: **(انا وعلی من نور واحد)**، پھر فرمایا: فاطمہ میرا ٹکڑا ہے: **(فاطمة بضعة منی)**، اور فرمایا: حسن مجھ سے ہے اور میں حسن سے ہوں: **(حسن منی وانا منه)**، پھر فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں **(حسین منی وانا من حسین)**۔ تو ان تمام بیانات کو ایک دوسرے کے ساتھ ملا کر دیکھا جائے تو ان ہستیوں کی نورانی وجودی حقیقت واضح ہو جاتی ہے، اور پھر ان سب کا مرکز تعارف وہ بی بیؑ کہلائیں جن کے تذکرہ جمیل کی سعادت ہم حاصل کر رہے ہیں، اللہ تعالیٰ نے اس بی بیؑ کو باپ دیا تو سید المرسلین، شوہر دیا تو امیر المومنین، بیٹے دیئے تو سیدا شباب اہل الجنہ، ماں دی تو محسنہ اسلام، سسرال دیا تو محافظ و مربی رسول اللہؐ، اور نسل و ذریت میں معصوم امام عطا فرمائے، اس کے علاوہ یہ کہ ان کی اولاد، اولاد رسول کہلائی کہ جس کا سلسلہ قیامت تک باقی رہے گا، اور اللہ تعالیٰ نے انہی میں مہدی آخر الزمان قرار دیا کہ وہ اللہ کے حکم واذن سے تشریف لا کر دنیا کو عدل وانصاف سے پر کر دیں گے جس طرح وہ ظلم وجور سے پر ہو چکی ہوگی **(یملاء الارض قسطاً وعدلاً، کما ملئت ظلماً وجوراً)**۔ یہ سب کچھ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی خصوصیات اور امتیازی عظمتیں ہیں،

یہ ہیں میرے اہل بیتؑ

روایات میں وارد ہوا ہے کہ جب آیہ مبارکہ " **انما یرید الله لیذهب عنکم الرجس اهل البیت ویطهرکم تطهیرا**" (بے شک اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے رجس کو دور رکھے اے اہل بیت، اور تمہیں پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے) نازل ہوئی تو اس کے بعد حضورؐ کا معمول تھا کہ سیدہ فاطمہؑ کے دروازے پر تشریف لا کر سلام کرتے اور فرماتے کہ تم پر سلام ہو اے اہل بیتؑ!۔ اس آیت مبارکہ کے شان نزول کی بابت کتب معتبرہ میں مرقوم ہے کہ یہ آیت اس وقت نازل ہوئی جب حضورؐ، حضرت ام سلمہ کے گھر میں تھے، تو آپؐ نے حضرت فاطمہؑ حضرت امام حسنؑ و امام حسینؑ کو بلایا، اور ان پر چادر تان دی، جبکہ حضرت علیؑ، حضورؐ کے پیچھے کھڑے تھے، تب حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

اللهم هؤلاء اهل بیتی، فاذهب عنهم الرجس وطهر هم تطهیرا،

(اے اللہ، یہ ہیں میرے اہل بیت، تو ان سے ہر رجس کو دور رکھ، اور انہیں اس طرح پاک رکھ جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے،)

اس پر ام المومنین حضرت ام سلمہ نے کہا:

وانا معهم یا رسول الله ؟

اے اللہ کے رسول، کیا میں ان کے ساتھ ہوں،

حضورؐ نے فرمایا:

انت علیٰ مکانك، انت علیٰ خیر،

تم اپنی جگہ پر رہو، تم خیر پر ہو۔

ایک روایت میں ہے کہ حضورؐ نے فرمایا:

انت علیٰ خیر، انت من ازواج النبی،

(تو اپنی جگہ پر رہو، تو خیر پر ہے، تو نبی کی بیویوں میں سے ہے)۔

آخری الفاظ میں حضورؐ نے واضح طور پر ازواج النبی فرما کر اہل بیتؑ کا افرادی تعین بھی کر دیا اور ان کی عملی پہچان کروادی۔

یہ روایت فریقین کی معتبر کتب میں مذکور ہے۔ بلکہ اس کا تذکرہ جن کتب میں، میں نے دیکھا ہے وہ شمار سے باہر ہیں، لہذا اس پر حدیث متواتر کا اطلاق ہوتا ہے جو سند اور متن دونوں حوالوں سے معتبر ہے، اہل بیت کے تعین کی بابت حضورؐ کا ارشاد گرامی قدر سب سے بڑی سند ہے۔ کیونکہ حضورؐ کا کوئی فرمان وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہوتا، چنانچہ ''وما محمد الا رسول'' اس حقیقت کا واضح ثبوت ہے۔ ویسے بھی اعلان نبوت کے بعد آپ کی ہر بات ابن عبداللہ کی بات نہیں بلکہ رسول اللہ کی بات کے طور پر سنی جاتی تھی، اس کی قرآنی مثالیں کثرت سے موجود ہیں جن کا تعلق مختلف موضوعات اور گوناگوں امور سے ہے۔

اس مقام پر اس غلط فہمی کا ازالہ ضروری ہے کہ اگر روایات میں اہل بیت کے افراد کا تعین ہوا ہے تو اس سے کسی کی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ پنجتن پاک کی مخصوص عظمت اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان کا بلند مقام و مرتبہ ظاہر و ثابت ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں مزید واضح بیان بعد میں آئے گا، انشاء اللہ تعالیٰ۔

ایک تاریخی تحقیق اور تحقیقی تاریخ :

جس طرح سیدہ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی ولادت اور شہادت کے حوالہ سے مورخین و محدثین نے

مختلف آراء ذکر کی ہیں اوران میں شدید ترین اختلاف رائے پایا جاتا ہے اسی طرح بی بیؑ کی خواستگاری کے موضوع میں بھی ارباب تاریخ نے مختلف اقوال ذکر کئے ہیں، ان کا تاریخی تجزیہ طویل بحث چاہتا ہے لیکن یہاں اجمالی طور پر موضوع سے مربوط چند امور پیش کرنے پر اکتفاء کرتا ہوں تا کہ موضوع کی بابت تحقیق کرنے والوں کو بحث کی درست سمت معلوم ہوسکے، اور پھر نتیجہ تک پہنچنا آسان ہو، اس مقام پر ضروری ہے کہ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ خواستگاری کے موضوع میں اہم ترین مسئلہ سیدہؑ کی تاریخ ولادت کا تعین ہے، کہ اسی سے اصل حقیقت واضح ہوسکتی ہے، جن روایات میں مذکور ہے کہ جب حضرت ابوبکر اور حضرت عمر نے بی بی سے شادی کرنے کے ارادہ کا اظہار کیا یعنی خواستگاری کی اور حضورؐ نے انہیں یہ فرما کر انکار کردیا کہ وہ ابھی چھوٹی ہے، "**انها صغيرة**"، اور انہوں نے ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں خواستگاری کی، تو اگر یہ کہا جائے کہ سیدہ کی ولادت حضورؐ کی بعثت سے پانچ برس پہلے ہوئی جیسا کہ اہل سنت کے متعدد اکابر مورخین ومحدثین نے لکھا ہے تو اس صورت میں خواستگاری کے وقت بی بیؑ کی عمر ۲۰ سال سے زیادہ بنتی ہے، کیونکہ اس پر علماء اسلام کا اتفاق ہے کہ حضورؐ ۱۳ سال مکہ میں رہے، اور بعثت کے وقت حضورؐ کی عمر چالیس برس تھی، اور خواستگاری ۲ ہجری میں ہوئی، گویا بعثت کے وقت سیدہؑ کی عمر ۵ سال بنی، پانچ سال بعثت سے پہلے، اور تیرہ سال بعثت کے بعد اور ہجرت سے پہلے مکہ مکرمہ میں، اور دوسال ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں، اس طرح پانچ اور تیرہ، اٹھارہ، اور دو، بیس سال بنتے ہیں، لہذا اس بناء پر یہ بات کس طرح درست قرار دی جاسکتی ہے کہ حضورؐ نے بی بیؑ کے بارے میں ان کے کم سن ہونے کی بناء پر خواستگاری کا جواب ہاں میں نہ دیا ہو؟ کیونکہ ۲۰ سال یا اس سے زیادہ کی عمر کو کم سنی نہیں کہا جاتا، اور اگر ان روایات کو دیکھا جائے جن میں مذکور ہے کہ سیدہؑ کی ولادت بعثت نبویؐ سے ساڑھے سات سال قبل ہوئی تو اس بناء پر سیدہؑ کی عمر ہجرت کے دوسال بعد بائیس سال سے بھی زیادہ بنتی ہے، اس طرح بھی کم سنی کا کہنا مفہوم نہیں، کتاب المعجم الکبیر کی اصل عبارت ملاحظہ ہو:"

عن محمد بن اسحاق قال: توفيت فاطمة وهي بنت ثمان وعشرين، وكان مولدها وقريش تبتني الكعبة وبنت قريش الكعبة قبل المبعث بسبع سنين وستة اشهر"،

(محمد بن اسحاق نے روایت کی ہے کہ فاطمہ (ع) ۲۸ سال کی عمر میں فوت ہوئیں، اوران کی ولادت اس سال میں ہوئی جب قریش کعبہ کی تعمیر کررہے تھے، اور قریش نے کعبہ کی تعمیر حضورؐ کی بعثت سے سات سال چھ ماہ پہلے کی۔

(المعجم الکبیر، طبرانی، جلد ۲۲، ص ۳۹۹ مطبوعہ مصر)۔

اور وہ روایات کہ جن میں سیدہؑ کی شادی کے وقت عمر کے بارے میں لکھا ہے کہ اس وقت بی بیؑ ۱۵ برس اور ساڑھے پانچ ماہ کی تھیں، تو اس بناء پر کسی بھی صورت میں بی بیؑ کی ولادت بعثت سے پانچ سال پہلے درست قرار نہیں دی جا سکتی، جبکہ کتاب اسد الغابہ ج ۵، ص ۵۲۰ میں ابن کثیر نے لکھا ہے کہ سیدہ فاطمہ کا سن شادی کے وقت پندرہ سال پانچ ماہ تھا، اور رسول خداؐ کی نسل ختم ہوگئی تھی سوائے سیدہ فاطمہ کے، **(وکان سنها یوم تزویجها خمس عشرة سنة وخمسة اشهر فی قول، وانقطع نسل رسول الله (ص) الا منها)۔**

بعض روایات میں تعمیر کعبہ کے بارے میں لکھا ہے کہ عام الفیل سے ۱۵ برس بعد ہوئی، اور اس وقت حضورؐ کی عمر مبارک ۱۵ برس تھی،

بعض روایات میں مذکور ہے کہ حضورؐ نے عام الفیل سے ۲۵ برس بعد شادی کی،

تو جن روایات میں وارد ہوا ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کی ولادت بعثت سے پہلے ہوئی کہ جب قریش، بیت اللہ کی تعمیر کر رہے تھے ان کے مطابق تو حضورؐ کی شادی کو ایک عرصہ گزر جانا بنتا ہے کہ جس میں حضورؐ کے ہاں کئی بچوں کی پیدائش ممکن تھی، اس لحاظ سے بی بیؑ، آپؐ کی آخری اولاد قرار پاتی ہیں جبکہ اس وقت حضورؐ کا سن ابھی ۱۵ سال کو نہ پہنچا تھا، یا یہ کہا جائے کہ سیدہ فاطمہؑ بعثت سے ۱۵ سال پہلے پیدا ہوئیں تو اس طرح ہجرت کے وقت ان کی عمر ۲۸ سال سے زیادہ بنتی ہے، البتہ بحث کے آخری نکتہ کے طور پر یہ بات قابل ذکر ہے کہ خانہ کعبہ کی تعمیر کا ذکر تاریخ میں دو بار ملتا ہے کہ قریش نے ایک بار اسے بعثت سے پانچ سال پہلے اور دوسری بار بعثت کے پانچ سال بعد کی، تو شاید مورخین اس سلسلہ میں خلط ملط کا شکار ہوئے اور بی بیؑ کی ولادت کعبہ کی دوسری تعمیر کی بجائے پہلی لکھ دی جسے غلطی کی بجائے ایک غلط فہمی قرار دیا جا سکتا ہے۔

بہر حال ان تمام روایات اور بیانات کی روشنی میں موضوع کی اصل حقیقت تقریباً واضح ہو جاتی ہے اور خواستگاری کی بابت مورخین کے اقوال کی صحت و عدم صحت کی دونوں جہتوں سے پردہ اٹھ جاتا ہے۔ لیکن اس بحث کی نتیجہ گیری کے طور پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ احادیث صحیحہ اور روایات معتبرہ و بیانات مقبولہ سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی ولادت با کرامت بعثت نبویہ مبارکہ کے بعد ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے انہیں عالمین کی تمام خواتین کی سیادت عطا فرمائی، ان کی ازدواجی زندگی کا اصولی فیصلہ خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا اور اپنے عظیم القدر نبیؐ کو حکم دیا کہ ان کی شادی علی بن ابی طالبؑ سے کر دیں، یہ بات فریقین کی مستند کتب میں مذکور ہے، لہذا یہ بات قرین قیاس نہیں لگتی کہ حضورؐ کسی کو اس بنیاد پر انکار کریں کہ ابھی وہ کم سن ہے، حضورؐ کو اپنے بیانات میں اللہ کے حکم کا استناد ہی کافی ہے اور حضورؐ نے ہمیشہ اسی روش کو اپنایا اور اس کا حوالہ قرآنی تصریح

میں یوں ملتا ہے کہ حضورؐ ہر سلسلہ میں وحی کا انتظار اور اس کی پیروی کرتے تھے:

" قل انما اتبع ما یوحی 'الی من ربی "،

(کہہ دیجئے کہ میں صرف اسی کی پیروی کرتا ہوں جو مجھے میرے رب کی طرف سے وحی ہوتی ہے)

۔سورہ اعراف، آیت ۲۰۳۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو منصبی ذمہ داری کے حوالہ سے ارشاد فرمایا:

" واتبع ما یوحی الیك من ربك "،

(اور آپ اسی کے مطابق عمل کریں جو تیرے پروردگار کی طرف سے تجھ پر وحی ہوتی ہے)

۔سورہ احزاب، آیت ۲۔

توہین رسالت کا تاریخی جرم

ایک اہم مطلب قابل توجہ ہے کہ بعض کتب تاریخ میں حضورؐ کی دیگر صاحبزادیوں کے بارے میں بھی مرقوم ہے کہ وہ بھی حضورؐ کی صلبی بیٹیاں تھیں، جبکہ حقیقت یہ ہے کہ وہ ربیبہ یعنی پروردہ تھیں، حضورؐ نے انہیں اپنے سایہ شفقت میں پالا تھا، اس بناء پر وہ حضورؐ کی بیٹیاں کہلائیں، کیونکہ ربائب کا شمار بھی بنات میں ہوتا ہے۔ لیکن اس بحث سے قطع نظر جو مطلب قابل ذکر ہے وہ یہ کہ ان صاحبزادیوں کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ حضورؐ نے ان کی شادیاں قبل از اسلام کافروں اور بت پرستوں سے کردی تھیں اور وہ اس طرح کہ سب سے بڑی صاحبزادی زینب کی شادی ابوالعاص سے کی، اور دوسری دو صاحبزادیوں کی شادیاں ابولہب کے دو بیٹوں عتبہ اور عتیبہ سے کیں، مشرکین نے ابوالعاص سے کہا کہ تم محمد کی بیٹی کو طلاق دے دو، ہم تمہاری شادی قریش کی کسی لڑکی سے کردیتے ہیں، مگر اس نے انکار کردیا، لیکن ابولہب نے اپنے بیٹوں سے کہہ کر حضورؐ کی بیٹیوں کو طلاق دلوادی، بعد میں حضورؐ نے عتبہ کی بیوہ، رقیہ کی شادی حضرت عثمان سے کردی اور وہ اپنے شوہر کے ساتھ حبشہ ہجرت کر گئیں جبکہ عتیبہ کی بیوہ، ام کلثوم جن کی ابھی رخصتی ہی نہ ہوئی تھی وہ حضورؐ ہی کے پاس رہیں، پھر رقیہ زوجہ عثمان فوت ہو گئیں تو حضورؐ نے ام کلثوم کی شادی بھی حضرت عثمان سے کردی جس کی وجہ سے انہیں ذوالنورین کہا جاتا ہے۔۔۔۔ مجھے اس مقام پر یہ بحث کرنا مقصود نہیں کہ وہ بیٹیاں صلبی تھیں یا ربیبہ تھیں، میں نے اپنی ایک کتاب میں تاریخی حوالوں کے ساتھ نہایت مدلل انداز میں ثابت کیا ہے کہ وہ صاحبزادیاں حضورؐ کی پروردہ تھیں، غلط فہمی سے انہیں صلبی سمجھ لیا

گیا، لیکن اس بحث سے بالکل قطع نظر جو اہم مطلب اس وقت ملحوظ ہے وہ یہ کہ یہ بات سمجھ سے باہر ہے کہ جب حضورؐ بعثت سے پہلے بھی اپنی شریعت پر عمل کرتے تھے اور اس پر تمام مکاتب فکر کا اتفاق ہے کہ حضورؐ کسی بھی ماسبق نبی کی شریعت کے تابع نہ تھے ورنہ حضورؐ کی افضلیت اور سید الانبیاء ہونے کا منصبی مطلب واضح نہیں ہوگا، خواہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی شریعت ہی کیوں نہ ہو، اور اگر بالفرض انہیں شریعت ابراہیمی کا تابع بھی کہا جائے (جو کہ قرین صحت نہیں) تب بھی کسی بت پرست سے اپنی بیٹی کی شادی کر دینا شریعت ابراہیمی میں بھی روا نہیں اور نہ ہی حضورؐ کی بلند مرتبت شخصیت سے قابل تصور ہے۔ بالخصوص ابولہب جیسے ناپاک شخص و دشمن خدا کے بیٹوں سے، کہ یقیناً حضورؐ اس کی خباثت باطنی سے آگاہ تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ خود عتبہ و عتیبہ اگرچہ نسبی حوالہ سے حضورؐ کے چچا زاد تھے مگر تھے تو بت پرست، تو حضورؐ نے کس شریعت کے مطابق ان سے نکاح کی اجازت دی ؟ یہ سوال ابھی تک بلا جواب باقی ہے۔ حضرت رسول اعظم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظیم ہستی کہاں اور اپنی بیٹیوں۔ خواہ پروردہ و منسوبی ہی کیوں نہ ہوں۔ کی شادیاں ان سے کر دینا کہاں، کہ جو خدائے برحق کے منکر اور اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بتوں کے پجاری ہوں؟ بظاہر ایسا لگتا ہے کہ مورخین و محدثین نے اس سلسلہ میں غفلت سے کام لیا ہے کیونکہ اس سے صریح و واضح طور پر حضورؐ کی توہین کا پہلو نکلتا ہے۔

میرا یہ عقیدہ ہے کہ جس بھی واقعہ سے حضورؐ کی ذات کی توہین کا پہلو نکلتا ہو اسے درست قرار دینا بھی حضورؐ کی توہین میں شریک عمل ہونے کے برابر ہے، ہمارا یعنی پوری امت مسلمہ کا عقیدہ ہے کہ حضورؐ سردار انبیاء ہیں اور بعثت سے پہلے بھی حضورؐ نے کسی نبی و رسول کی شریعت کی پیروی نہیں کی بلکہ بعثت سے پہلے اور بعثت کے بعد زندگی بھر اپنی ہی شریعت پر عمل کرتے رہے، وہ تو آدمؑ کی تخلیق سے پہلے نبی تھے، بلکہ ان کی نبوت کے اقرار پر انبیاء کو نبوت عطا ہوئی، بعثت کا مطلب اظہار و اعلان نبوت ہے اصل حصول منصب نہیں، حصول اور ہے، اور وصول اور ہے، بعثت وصول ہے حصول نہیں، حکم اظہار ہے اصل اعطاء نہیں، اعلان ہے احسان نہیں، بیان ہے فیضان نہیں، حصول و اعطاء اور احسان و فیضان پہلے ہو چکا اس کا اظہار و اعلان اور بیان بعثت کہلاتا ہے، اور اس مرحلہ کا تعلق امت تک پیام و احکام خداوندی کے ابلاغ سے ہے، تاکہ امت کو صراط مستقیم کی ہدایت و رہنمائی ہو سکے۔ لہٰذا اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہو سکتا کہ اعلان سے پہلے کسی کا اتباع کریں، اور معاذ اللہ وہ بھی بت پرستی کی سنت باطلہ کا، یہ ممکن نہیں، جو ہستی لوگوں کو باطل پرستی سے روکنے آئی ہو اگر وہ خود زندگی کے کسی حصہ میں اس کا ارتکاب کر چکی ہو تو امت انہیں اس کے حوالہ سے مورد طعن بنا سکتی ہے جبکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ حضورؐ نے قبل از بعثت کوئی ایسا کام نہیں کیا جس سے بعد میں لوگوں کو روکا ہو، بلکہ پہلے اپنے تمام امور میں پاکیزہ کردار پیش کیا اور جب اعلان نبوت فرمایا

تو کسی کو یہ جرات نہ ہوئی کہ حضورؐ کو کسی بھی حوالہ سے طعنہ دے سکے بلکہ ایسا کردار تھا کہ خود اس کا حوالہ دیتے تھے کہ میں تم میں زندگی کا ایک بڑا حصہ گزار چکا ہوں، کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے، یہی وجہ ہے کہ لوگوں نے آپؐ کو گفتار میں صادق اور کردار میں امین کہا کہ جب حضورؐ کو آتا دیکھتے تو بے ساختہ کہتے تھے کہ صادق آرہا ہے، امین آرہا ہے۔ تو اس صادق وامین نے فرمایا:

-- فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، " **فاطمة بضعة منی** "۔ (صحیح بخاری، ج۵ ص۲۱)

-- فاطمہ میرا حصہ ہے، " **فاطمة شجنة منی** "۔ (الفضائل، ج۱ ص۴۷۲)

-- فاطمہ میری روح ہے، " **فاطمة روحی** " ۔ (مسند احمد، ج۴، ص۳۳۲)

-- فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے، " **فاطمة ام ابیها** " ۔ (تہذیب الاسماء ج۲، ص۶۱۷)

-- فاطمہ مجھ سے ہے اور میں فاطمہ سے ہوں، " **یا فاطمة انت منی وانا منك** "۔
(المناقب، ابن مغازلی شافعی، ص۳۶۴)(مناقب ابن شہر آشوب، ج۳ ص۳۲)

-- تجھ پر تیرا باپ فدا ہو، " **فداك ابوك** "، (المقتل للخوارزمی، ص۶۶)

-- اس پر اس کا باپ فدا ہو، " **فداها ابوها** "۔ (المناقب، ابن شاهین، ص۱۰۲)

-- تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں، " **فداك ابی وامی** "۔(المستدرک، ج۳، ص۱۶۵)

-- وہ میرا دل ہے، " **هی قلبی** " ۔ (الفضائل، ج۱ ص۲۵۹)

وجودی حقائق کا تمثیلی بیان

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ میں حضورؐ نے اپنی عظیم بیٹی کو " بضعۃ "، " شجنۃ "، " قلب " ، " روح "، اور " ام ابیھا " کے ساتھ ساتھ یہ فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں، اور یہ بھی فرمایا کہ تیرا باپ تجھ پر فدا ہو، ان الفاظ کے معانی اور ان میں پوشیدہ حقیقتوں پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ سید کائناتؐ نے سیدہ کائناتؑ کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں بی بیؑ کی عظمتوں کا اظہار زبان وحی ترجمان کے ذریعے مخصوص ومنفرد انداز کا حامل ہے کہ جس میں وجودی

حقائق کی پاکیزہ تصویر نظر آتی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے سیدہؑ کو عطا ہونے والی امتیازی صفات کے پس منظر و پیش منظر کا پتہ چلتا ہے، اس کے ساتھ یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ ان صفات میں عام معیاروں سے بالاتر اصول ملحوظ ہیں، کیونکہ حضورؐ اپنی ذات و صفات میں عام اصولوں و معیاروں سے کہیں بلند تر حیثیت وشخصیت کے مالک ہیں۔

گوشت کا ٹکڑا

عربی لغت میں لفظ "بضعۃ" کا معنی گوشت کا ٹکڑا ہے، اس معنی کی روشنی میں جب حضورؐ کے فرمان پر غور کریں تو پتہ چلتا ہے کہ سیدہؑ کی وجودی حیثیت کیا ہے، جو ہستی سید الانبیاء کے گوشت کا ٹکڑا ہو اس کی عصمت کے بارے میں کوئی شک نہیں ہوسکتا، ہمارا عقیدہ ہے کہ حضورؐ کوئی بات ذاتی جذبات کی بناء پر نہیں کہتے بلکہ ان کا ہر فرمان اللہ کی رضا و مشیت کا ترجمان ہوتا ہے، ان کے وجود کی نورانی حقیقت سیدہؑ کے وجود کی اصل بنیاد ہے، جیسا کہ حدیث کساء میں بھی حضورؐ نے فرمایا: **لحمهم لحمي ودمهم دمي** ، ان کا گوشت، میرا گوشت اور ان کا خون، میرا خون ہے، گوشت پوست کی یکسانیت مادی حوالہ کی بناء پر نہیں بلکہ وجودی نورانی حقیقت کے حوالہ سے ہے اور اسے اسی تناظر میں دیکھنا ہی نتیجہ بخش ثابت ہوسکتا ہے۔

درخت کی شاخ

اور لفظ "شجنۃ" کا معنی شاخ ہے، اس بناء پر حضورؐ نے سیدہؑ کو اپنی وجودی شاخ قرار دیا، حضورؐ کے بیانات والفاظ میں ہر حوالہ سے مخصوص معنی کی طرف اشارہ ہوتا ہے، درخت کی شاخیں ہی درخت کی پہچان کرواتی ہیں اور انہی سے درخت کی حقیقی صورت معلوم ہوتی ہے، گویا شاخیں ترجمان و عکاس اور پہچان کا ذریعہ ہوتی ہیں، اس لحاظ سے سیدہ کائناتؑ، حضورؐ کی وجودی حقیقت کی عکاس ہیں کہ ان کی معرفت سے حضورؐ کی معرفت حاصل ہوتی ہے کہ جب بیٹی اس قدر عظیم ہے تو باپ کس قدر عظیم ہوگا، اور جب شاخ اتنی پاکیزہ ہے کہ اللہ اس کی پاکیزگی کا تذکرہ قرآن مجید میں کرتا ہے تو درخت کتنا پاکیزہ ہوگا، اور

اس درخت کی اصل وجڑ کس قدر عمدہ، پاکیزہ اور قوی ہوگی۔تو سیدہؑ کی توصیف کی برگشت، حضورؐ کی ذات اقدس کی طرف ہوتی ہے اور بی بی کا ہر کمال حضورؐ تک منتہی ہوتا ہے، حضورؐ ہی سرچشمہ ذات واوصاف سیدہؑ ہیں۔اسی سے یہ بات بھی واضح ہو جاتی ہے کہ جس طرح درخت اور شاخ کے درمیان فضیلت و برتری کا حوالہ وتقابل نہیں ہوتا بلکہ درخت، درخت ہوتا ہے اور شاخ بہرحال اس کی شاخ ہوتی ہے کہ جسے درخت سے برتر قرار نہیں دیا جاسکتا، وہ درخت کی پہچان تو کرواتی ہے مگر ایسا نہیں کہ درخت اور اس کے درمیان تقابلی سلسلہ ہو، درخت اصل ہے اور شاخ اس کی فرع، یہ سب کچھ مادی وجود وموجود کی نسبت سے ہوتا ہے، نورانی ہستیوں میں اس طرح کی تقابلی بحث درست نہیں، بالخصوص سید کائناتؐ اور سیدہ کائناتؑ کے حوالہ سے!

دل کی حیثیت

لفظ ''قلب'' کا معنی دل ہے، دل کا مقام بدن میں کیا ہے اس کے لئے کسی وضاحت کی ضرورت نہیں، ہر انسان جانتا ہے کہ دل ہی انسان کی زندگی کی بقاء کا ذریعہ ہوتا ہے، دل کی حرکت سے انسان کی وجودی حرکت وابستہ ہوتی ہے، بلکہ تمام وجودی قوتوں کی عملداری کی ضمانت دل سے ملتی ہے، دل کو مرکزی حیثیت حاصل ہے، اس تمثیلی بیان میں معرفت کے ساتھ ساتھ منصبی تقدس وتحفظ کی عملی حفاظت وپاسداری کا لطیف اشارہ ہے، اسے فضائل کے تقابل کے آئینے میں دیکھنا عین جہالت ہے، حضورؐ کی ذات گرامی قدر سب سے افضل ہے، ان کی شخصیت کا کسی سے بھی کسی حوالہ سے تقابل نہیں ہوسکتا، حضورؐ کے فرمان میں سیدہؑ کی امتیازی صفات اور نورانی ذات کی عظمت کا اظہار ملحوظ ہے، جسے تمام اسلامی مکاتب فکر کے اکابر محدثین نے بالاتفاق تسلیم کیا ہے، اور آئمہ اہل بیتؑ اور اصحاب النبیؐ نے اپنے اپنے بیانات میں اور اپنے اپنے انداز میں ذکر کیا ہے۔حضورؐ نے فرمایا کہ فاطمہؑ میرا دل ہے، اس تمثیلی بیان میں دونوں ہستیوں کی وجودی ومنصبی حیثیتوں سے آگاہی دلائی گئی ہے۔حقیقی روحانی محبت کی معراج ہے۔نورانی حقیقت کا اظہار ہے۔

روح سے تمثیل

دل کے تمثیلی بیان کے ساتھ ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ فاطمہ میری روح ہے، روح کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے کیونکہ اس کے بارے میں قرآن مجید میں ارشاد ہوا کہ اے میرے حبیب، آپ سے روح کے بارے میں پوچھا جاتا ہے تو

کہہ دو کہ روح میرے پروردگار کا امر ہے، اور تمہیں بہت کم علم عطا کیا گیا ہے،

(يسئلونك عن الروح ،قل الروح من امر ربی،وما اوتيتم من العلم الا قليلا)

۔سورہ اسراء، آیت ۸۵۔،

ظاہر ہے کہ امر الٰہی کو سوائے خدا کے، کون جان سکتا ہے، یہ ایک غیبی حقیقت ہے جس کا علم اللہ کو یا ان ہستیوں کو ہے جنہیں اللہ نے بتایا ہو، لیکن اس کی عملی حقیقت واضح ہے کہ اس کا جسم کی متعلقہ قوتوں کی عملداری سے کیا تعلق ہے، یہاں فضیلت و برتری کا بیان ہرگز مقصود نہیں بلکہ تمثیلی صورت میں سیدہؑ کی عظمت کا اظہار مطلوب ہے۔ البتہ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو بھی ''روح'' سے تعبیر فرمایا ہے،

(فارسلنا اليها روحنا فتمثل لها بشرا سويا)

۔سورہ مریم، آیت ۱۷۔،

(اذكر نعمتي عليك وعلٰى والدتك اذايدتك بروح القدس)

۔سورہ مائدہ، آیت ۱۱۰۔

(نزل به الروح الامين علٰى قلبك لتكون من المنذرين)

۔سورہ شعراء آیت ۱۹۳۔

لہٰذا اس کی معنوی حیثیت کے تناظر میں فرمان نبویؐ پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس تمثیل میں کوئی خاص معنی کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے، مادی جسمانی ترکیبی روح و بدن کی بات نہیں، اللہ تعالیٰ نے جن آیات مبارکہ میں حضرت جبرئیلؑ کو روح سے موسوم کیا ہے بلکہ روح القدس اور الروح الامین سے تعبیر فرمایا ہے، تو ان میں سورہ اسراء، آیت ۸۵ میں مذکور روح مراد نہیں، یا سورہ حجر، آیت ۲۹ میں مذکور روح مراد نہیں جس میں حضرت آدمؑ کے حوالہ سے فرشتوں کو حکم دیتے ہوئے ارشاد خداوندی ہوا: " **فاذا سويته ونفخت فيه من روحي فقعوا له ساجدين** "، (جب میں اسے درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک لوں تو تم اس کے سامنے سجدہ ریز ہو جانا)۔ بہر حال فرمان نبویؐ میں تمثیلی اشارہ ایک مقدس وجودی حقیقت کی طرف ہوا ہے، جسے عام معنی میں مراد لینا اصل مقصود سے آگاہی نہیں دلا سکتا۔

تو مجھ سے، میں تجھ سے!

حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر میں سیدہؑ سے یہ کہنا بھی مذکور ہے کہ میں تجھ سے ہوں اور تو مجھ سے ہے، اس میں منیت کا حوالہ بھی قابل غور ہے، حضورؐ، باپ ہونے کی حیثیت میں یقیناً بیٹی سے کہہ سکتے ہیں کہ تو مجھ سے ہے، مگر یہ کہنا کہ میں تجھ سے ہوں، اس میں جو راز پنہاں ہے وہ ان دونوں ہستیوں کے درمیان پائے جانے والے مخصوص روحانی و معنوی و جودی و منصبی ربط و پیوستگی سے ہے۔ یہی راز دیگر معصومینؑ کے حوالہ سے حضورؐ کے ارشادات کا ہے، کہ ان میں بھی دونوں جانب منیت کا بیان مخصوص معنوی حقیقتوں کا حامل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو جس عظیم و اعلیٰ مقام و منزلت سے نوازا یہ اسی کا نتیجہ تھا کہ حضورؐ نے خود اپنے آپؐ کو سیدہؑ سے قرار دیا، اس طرح کا اظہار اہل کساء کے علاوہ حضورؐ نے کسی کے بارے میں نہیں فرمایا، بھی مولا علیؑ کے بارے میں اس منیت کا اظہار کیا جبکہ اس میں بھی صورت حال ایسی نہ تھی کہ وجودی نسل کا حوالہ ہو بلکہ ان کے درمیان چچازاد ہونے کا وجودی رشتہ پایا جاتا تھا لیکن اس کے باوجود حضورؐ کا یہ فرمانا کہ میں علی سے ہوں، اس میں کسی مادی حوالہ سے قطع نظر ایک بلند و عالی مقصد مدنظر تھا، عام طور پر توجہات مادی تعلق ہی کی طرف ہوتی ہیں لیکن ان ہستیوں کے درمیان مادی تعلق سے کہیں بالاتر حقیقی خدائی وابستگی و پیوستگی پائی جاتی ہے کہ وہ سب کے سامنے اس بات کا اظہار فرماتے ہیں کہ وہ ایک دوسرے سے ہیں مگر کوئی ان پر اعتراض و سوال نہیں کرتا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے؟ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کی عملی زندگی ہی ایسی تھی کہ ان کے درمیان ظاہری و جودی فرق کے علاوہ سیرت و کردار میں یک رنگی پائی جاتی تھی، اور یہی وہ راز تھا جس کی بناء پر حضورؐ نے اس طرح کے الفاظ استعمال کیے،

یہاں ایک اہم نکتہ یہ بھی ملحوظ ہے کہ اس طرح کے الفاظ خود رسول اللہؐ نے ارشاد فرمائے، ان ہستیوں میں سے کسی نے ایسے الفاظ استعمال نہیں کیے، یعنی مولا علیؑ نے نہیں کہا کہ محمدؐ مجھ سے ہیں اور میں محمدؐ سے ہوں، سیدہ فاطمہ زہراؑ نے نہیں فرمایا کہ میں نبی سے ہوں اور نبی مجھ سے ہیں، امام حسن و امام حسین میں سے کسی نے نہیں کہا کہ میں رسول اللہؐ سے ہوں اور رسول اللہؐ مجھ سے ہیں، بلکہ ہر ایک کے بارے میں خود حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ وہ مجھ سے ہے اور میں اُس سے ہوں، اس سے واضح ہوتا ہے کہ اصل و اساس حضورؐ کا منصبی حوالہ و وجودی نورانی وحدانی حقیقت ملحوظ تھی، کہ ہم ایک مقصد کے لئے پیدا کیے گئے ہیں اور وہ یہ کہ اللہ کی مخلوق کو اللہ کی راہ دکھائیں اور لوگوں کو باطل پرستی کی ظلمت سے نکال کر حق پرستی کے نور کی طرف لائیں، گناہ و معصیت کی تاریکی سے نکال کر اطاعت الٰہی کی روشنی کی طرف لے آئیں، نفرتوں کی سیاہ وادی سے نکال باہر کر

کے محبتوں کے روشن جہان میں لے آئیں، جھوٹ کی پستی سے نکال کر سچائی کی بلندی تک پہنچا دیں، دھوکہ وفریب کے رسیا ذہنوں کو امانت ودیانت کی پاکیزہ صفتوں سے آراستہ کریں، گویا یہ کہ انسانیت کی راہ سے منحرف لوگوں کو ان کے اصل حقیقی فطری راستہ کی رہنمائی کریں، یہ سب کچھ اسی صورت میں ممکن تھا جب ان کی اپنی زندگی میں کوئی منفی عمل وحوالہ نہ پایا جاتا ہو، یعنی وہ خود ان اعمال وعقائد باطلہ سے دور ہوں جن سے دوسروں کو دور رہنے کا کہیں، اور ان میں کوئی ایسا کمزور نکتہ نہ پایا جائے کہ کوئی شخص ان سے کچھ سننے کو ہی تیار نہ ہو یا ان کے قریب ہی نہ آئے، چنانچہ اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے مخاطب ہو کر ان کے وجودی فیضان کے حوالہ سے اس طرح ارشاد فرمایا:

" فبما رحمة من الله لنت لهم ،ولو كنت فضا غليظ القلب لا انفضوا من حولك ،فاعف عنهم واستغفر لهم وشاورهم في الامر فاذا عزمت فتوكل على الله ، ان الله يحب المتوكلين،"

(اللہ کی رحمت کی وجہ سے آپ ان پر نرمی کرتے ہیں، اگر آپ ترش مزاج وسخت دل ہوتے تو یہ لوگ آپ کے قریب سے دور ہٹ جاتے، آپ ان سے درگزر کریں اور ان کے لئے استغفار کریں اور ان سے امور دنیا میں مشورہ کریں، پھر جب بھرپور عزم کرلیں (عملی اقدام کا فیصلہ کرلیں) تو اللہ پر توکل وبھروسہ کریں، بے شک اللہ توکل کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے) ۔سورہ آل عمران، آیت ۱۵۹۔

یہ عظیم کردار تھا جو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خدائی مشن کی کامیابی کی ضمانت بنا، اسی عملی پاکیزگی اور قول و فعل کی وحدت نے بت پرستوں کو خدا پرست بنا دیا، حیوانی ووحشیانہ زندگی بسر کرنے والوں کو انسانی وفطری اصولوں پر مبنی پاکیزہ حیات اپنانے کی راہ پر لا کھڑا کیا، انسانی حقوق کی پامالی کے کھلم کھلا مرتکب قبائل کو ایک دوسرے کے احترام اور انسانی معیاروں کے تحفظ کی راہ دکھائی، دوسرے لفظوں میں یہ کہ جہالت وجاہلیت کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے نادانوں کو علم و معرفت کی دولت سے مالا مال کر دیا اور ذلت کے گہرے کھڈ میں گرے پڑے لوگوں کو بیچارگی کی پستی سے نکال کر عزت واقبال کے بلند مقام تک پہنچا دیا، یا یوں کہوں کہ شیطان کی غلامی کا طوق گلے میں ڈالے ہوئے افراد بشر کو رحمان کی بندگی کی نورانی منزل اختیار کرنے کا سلیقہ سکھایا۔ یہ سب کچھ آسان نہ تھا، اس کے لئے کردار کی معراج مطلوب تھی، فکر ونظر کی پاکیزگی کی ضرورت تھی، گفتار ورفتار کی ہم آہنگی چاہیے تھی، ظاہر وباطن اور خلوت وجلوت کی یکرنگی ضروری تھی، مادیت سے معنویت

اور مجاز سے حقیقت تک آنا لازم تھا، دنیا کی رنگینیوں کو پس پشت ڈال کر قرب خداوندی کی نورانیت سے آراستہ ہونا ضروری تھا، مال و دولت کے بل بوتے پر انسانیت کی اعلیٰ اقدار کو پامال کرنے والوں میں رہ کر بھی اپنی فقیرانہ بے نیازی اور خودی وخودداری کی قوت کا عملی مظاہرہ ہی کرنے کا اصل کام تھا، کہ محمد وآل محمد علیہم السلام نے ان تمام تقاضوں کی تکمیل کی اس طرح عملی صورت پیش کی کہ جان کے دشمن جان قربان کرنے پر تل گئے، خود خواہ خدا خواہ بن گئے، شیطان پرست رحمان پرست ہو گئے، رقص وسرور کی محفلوں میں شب و روز گزارنے والے نماز ودعا کی مقدس بزم میں نظر آنے لگے، یہ سب کس طرح ہوا؟ اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اس میں کردار کی پاکیزگی اور حقیقی خدا سے وابستگی کی عملی پاسداری کارفرما تھی، یہی وہ قدر مشترک تھی جو ان ہستیوں میں یکساں تھی، اس حوالہ سے ان میں کوئی فرق نہ تھا، اسی وجہ سے حضورؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمایا کہ فاطمہؑ مجھ سے ہے اور میں فاطمہ سے ہوں، علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں، حسن مجھ سے ہے اور میں حسن سے ہوں، حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں، **انهم منی وانا منهم**، وہ سب مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں۔ اگر حضورؐ نے سیدہ وکائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا سے یہ فرمایا کہ تیرا باپ تجھ پر فدا ہو تو یہ بھی عام مادی معیار پر مبنی نہ تھا بلکہ ان اقدار کا ترجمان تھا جو ان ہستیوں کی تخلیق کی اساس تھے، عام معیاروں کے مطابق کوئی باپ اس طرح کے الفاظ استعمال کرے تو اس میں مادی جذبات واحساسات ہی دخیل ہوتے ہیں، روحانی ومعنوی اصول ملحوظ نہیں ہوتے، خدائی وروحانی معیاروں کی عملداری نہیں ہوتی، لیکن سردار انبیاء بلکہ سید الاولین والآخرین کے الفاظ کو عام معیاروں کا حامل قرار دینا حضورؐ کے مقام ومنزلت سے عدم آگاہی کے سوا کچھ نہیں۔ جن ہستیوں کے بارے میں حضورؐ نے فرمایا کہ یہ مجھ سے ہیں اور میں ان سے ہوں ان کا قیاس عام لوگوں سے نہیں کیا جا سکتا، اسی لئے امام جعفر صادق علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ ہم اہل بیت کا قیاس وموازنہ کسی سے بھی نہیں ہو سکتا، حضورؐ نے کسی کے بارے میں یہ نہیں فرمایا کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں سوائے اپنے اہل بیتؑ کے کہ جن کے متعلق تمام مورخین ومحدثین نے لکھا ہے کہ ان سے مراد وہی ہستیاں ہیں جن کی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی، ان عظیم القدر شخصیات کے تعارف کا عنوان وہ عظیم ہستی قرار پائیں جن سے حضورؐ نے فرمایا کہ تو مجھ سے ہے اور میں تجھ سے ہوں۔

ممکن ہے یہ سوال پیدا ہو کہ حضورؐ نے سیدہؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میرا ٹکڑا ہے، وہ میری روح ہے، وہ میرا دل ہے۔ تو اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وہ اپنے باپ کی ماں ہے، ان سب الفاظ کی تاویل کس طرح ہو سکتی ہے؟

اس کا جواب واضح ہے کہ ہر لفظ کی اپنے مقام پر ایک معنوی حیثیت ہے، جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے اور اس کی مزید

وضاحت دوسرے باب میں مستقل بحث میں ہوگی کہ ان کے ظاہری معانی کی بجائے مخصوص قائم مقامی مفاہیم ملحوظ رکھے جائیں تو کسی طرح کی غیر واضح صورت باقی نہیں رہتی، دونوں ہستیوں کی نورانی وجودی حقیقتوں کے پیش نظر ان الفاظ کے مرادی معانی واضح ہو سکتے ہیں، اور مرادی معانی کا تعین واضح قرائن کے ساتھ ہوتا ہے کہ جو آئندہ مباحث میں ذکر کئے جائیں گے۔

تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں

روایات میں اس حوالہ سے مختلف عبارات مذکور ہیں، بعض روایات میں ہے کہ حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

۔۔ " **فداك ابوك** "، تیرا باپ تجھ پر فدا ہو،

بعض روایات میں ہے کہ آپ نے فرمایا:

۔۔ " **فداها ابوها** "، اس پر اس کا باپ فدا ہو،

بعض روایات میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

۔۔ " **فداك ابي وامي** "، میرے ماں باپ تجھ پر فدا ہوں،

ان ارشادات عالیہ کے سندی حوالہ جات پہلے ذکر ہو چکے ہیں، اس طرح کی دعا حضورؐ نے کسی کے لئے نہیں فرمائی، بلکہ یہ مخصوص الفاظ صرف اپنی عظیم بیٹی سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے لئے ارشاد فرمائے، ان میں بھی وہی نکتہ ملحوظ ہے کہ حضورؐ کا بیان کسی جذباتی بنیاد پر نہیں، بلکہ حقائق کے اظہار کی غرض سے ہے، آپؐ کے فرامین کو آپؐ کی عظیم نورانی خدائی حیثیت کے آئینہ میں دیکھنے سے اصل مراد سے آگاہی ممکن ہو سکتی ہے، میں سمجھتا ہوں کہ مذاہب و مسالک کے بعض اختلافات کی وجہ بھی یہ ہے کہ ہر شخص حضورؐ کے بیان کردہ الفاظ سے ان کے ظاہری معانی مراد لے کر ان سے اپنی مرضی کی تفسیریں کرتا ہے جس سے غلط فہمیاں جنم لیتی ہیں، ورنہ اگر حضورؐ کی منصبی حیثیت مدنظر رکھ کر احادیث مبارکہ کے معانی پر غور کیا جائے تو مختلف مکاتب فکر میں وحدت پیدا ہو سکتی ہے، اس طرح وہ الفاظ کہ جن کے معانی کی وجہ سے اختلافات وجود میں آتے ہیں ان کے صحیح معانی سامنے آسکتے ہیں مثلاً قرآنی الفاظ: مولا، ولی، اولوا الامر، اہل بیت، تطہیر، قربیٰ، مودت اور اس طرح کے دیگر الفاظ، اسی طرح حدیث کے الفاظ مثلاً: بضعۃ، شجنۃ، روح، قلب، ام ابیھا اور فداک ابی وامی، فداک ابوک۔ لیکن اگر ان

،الفاظ سے ان کے ظاہری عام رائج معانی مراد لئے جائیں تو نہ صرف یہ کہ حضورؐ کے ارشادات سے فیض پانے کی راہ ہموار نہ ہوگی بلکہ آئے دن نئے مکاتب فکر وجود میں آئیں گے جس کا نتیجہ دین اسلام کی تضعیف کے سوا کچھ نہ ہوگا۔اللہ کے رسولؐ کے فرمودات کواللہ کے رسولؐ کی منصبی حیثیت میں پڑھنااور سمجھنا چاہیے۔

شوہر نامدار :

امام علی بن ابی طالب علیہ السلام، آپؐ کے چچااور اسلام کے محسن اعظم ،مربی ورسولؐ ،حضرت ابوطالب علیہ السلام کے فرزند تھے، کہ جن کی ولادت باسعادت اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر خانہء کعبہ کے اندر ہوئی ،تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ امام علیؑ سے پہلے اور نہ ہی ان کے بعد اب تک کسی کو اس پاک وپاکیزہ گھر میں ولادت کا شرف حاصل نہ ہوا، یہ اعزاز مولائے کائناتؑ ہی کے ساتھ مخصوص ہوگیا، شاید شاعر مشرق علامہ اقبال نے اس حوالہ سے کہا ہے:

کسے رامیسر نشد ایں سعادت   بہ کعبہ ولادت، بہ مسجد شہادت

یعنی کسی کو بھی یہ سعادت نصیب نہ ہوئی کہ کعبہ میں ولادت ہو اور مسجد میں شہادت ہو،

امام علیؑ وہ عظیم شخصیت ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہؐ جیسا عظیم معلم ومربی عطا کیا، جس طرح حضرت ابو طالب علیہ السلام نے حضورؐ کی پرورش وحفاظت میں اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لائیں، اسی طرح حضرت رسول خداؐ نے ان کے فرزند کی پرورش میں بھرپور بنیادی کردار ادا کیا، انہیں علم وحکمت کی تعلیم دے کر خود کو علم کا شہر اور انہیں اس کا دروازہ قرار دیا اور اس حوالہ سے ارشاد فرمایا:

۔۔ ’’انا مدینة العلم وعلی بابها،من اراد المدینة فلیاتها من بابها‘‘،

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے، جو شخص شہر میں آنا چاہے وہ دروازہ پر آئے)،

اس میں جہاں اپنی علمی حیثیت ومرکزیت کو واضح کیا وہاں مولا علیؑ کی بابت اس مرکز سے نسبت کا تذکرہ فرمایا اور لوگوں کو اس مرکز سے استفادہ کی راہ بتائی۔

اور حکمت کے حوالہ سے یوں ارشاد فرمایا:

۔۔ ’’ انا دار الحکمة وعلی بابها ‘‘،

(میں حکمت کا گھر ہوں اور علی اس کا در ہے)۔

اس میں حکمت الٰہیہ کے لطیف مرکز کا حوالہ ہے۔ رسول خداؐ معلم حکمت ہیں، اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ لوگوں کو کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، جبکہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے، (**یعلمھم الکتاب والحکمۃ وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین**)

اسی طرح حضورؐ نے اپنے اور مولا علیؑ کی حقیقت نورانیہ کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا:

-- **"علی منی وانا منہ"**،

(علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں)۔

اس میں نورانی وجودی حقیقت کی وحدانی نسبت ملحوظ ہے، اس نسبت کی اصل معنوی حیثیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے جس نے انہیں پیدا کیا یا حضرت رسول خداؐ ہی جانتے ہیں جنہوں نے ارشاد فرمایا،

مولائیت کے حوالہ سے یوں ارشاد فرمایا: (یہ ارشاد نبویؐ غدیر کے دن اور اس سے پہلے بھی منقول ہے)

-- **"من کنت مولاہ فعلی مولاہ"**۔

(جس کا میں مولا ہوں، اس کا علی مولا ہے)۔

یہاں مولائیت سے مراد حاکمیت ہے، اگر دوستی بھی مراد لیں تب بھی اس میں عظمتوں کا ایک منفرد حوالہ پایا جاتا ہے، دوستی، اپنے تقاضوں کی تکمیل چاہتی ہے۔ اگر زبانی اظہار اور عملی مظاہروں میں مطابقت نہ پائی جائے تو دوستی نامفہوم رہ جاتی ہے، ان ہستیوں کی دوستی اطاعت خداوندی کی متقاضی ہے، اسی لئے امام جعفر صادقؑ نے ارشاد فرمایا کہ ہمارا دوست وہ ہے جو اللہ کا اطاعت گزار ہو، اور جو اللہ کی نافرمانی کرے اسے ہماری شفاعت حاصل نہ ہوگی، اس کے ساتھ ساتھ جب حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اپنی دوستی کے ساتھ مولا علیؑ کی دوستی کو یکجا کرتے ہوئے قیامت تک آنے والے اہل اسلام کو ایک پیغام دیا کہ جو بھی میری دوستی کا دم بھرے اس کی دوستی اس وقت تک مکمل نہیں ہوگی جب تک علیؑ سے دوستی کا دم نہیں بھرے گا، لیکن اس کے باوجود ہم کہتے ہیں کہ حضورؐ کی شان اس سے کہیں بالاتر ہے کہ وہ عام دوستی کے لئے اس قدر اہتمام کریں، ان کا فرمان چونکہ فرمان خداوندی کا ترجمان ہے لہذا مولائیت کا معنیٰ حضورؐ کے منصبی مقام کو ملحوظ رکھ کر ہی کرنا چاہیے، مولائیت میں اطاعتی محبت ہوتی ہے اور اطاعت حقیقی محبت کے بغیر ہو تو سرکشی ونافرمانی کو بھی جنم دے سکتی ہے، لیکن جس محبت میں اطاعت کا جذبہ کارفرما ہو یا یوں کہوں کہ جس اطاعت میں محبت شامل ہو اس میں کبھی تبدیلی نہیں

آسکتی، حضورؐ کے فرمان میں دونوں حوالے اپنے حقیقی معانی کے حامل ہیں، ویسے بھی دوستی میں محبوب کی رضاوخوشنودی ہر چیز پر مقدم ہوتی ہے اور جب محبوب وہ ہستی ہو جو رب العالمین کی محبوب ہے تو اس سے محبت کا تقاضہ یہ ہے کہ وہ جس سے محبت کرے اس سے محبت کی جائے، حضورؐ نے سیدہؑ کے بارے میں فرمایا:

من احبها فقد احبنى، جس نے اسے دوست رکھا اس نے مجھے دوست رکھا،

جہاد فی سبیل اللہ میں قوت یزدانی کے حوالہ سے ان کی ضربت کی معنوی طاقت واثر گزاری کی بابت اس کی فضیلت وتناسبی حیثیت یوں بیان فرمائی :

-- **"ضربة على يوم الخندق افضل من عبادة الثقلين"،**

(خندق کے دن علی کی ایک ضرب، جن وانس کی عبادت سے افضل ہے)۔

اور جب آپؑ، عمرو بن عبدود کے مقابلے میں جانے لگے تو حضورؐ نے یوں ارشاد فرمایا:

-- **" برز الايمان كله الى الكفر كله "،**

(کل ایمان، کل کفر کے مقابلے میں جارہا ہے)

امام علیؑ کی صادقانہ سیرت اور صداقت شعار زندگی کے بارے میں جامع جملہ اس طرح ارشاد ہوا:

-- **" يا على انت الصديق الاكبر"،**

(اے علی، تو سب سے بڑا سچا ہے)۔

مومن ومنافق کی پہچان کا معیار مولا علیؑ کی محبت وعداوت کو قرار دیتے ہوئے ان لفظوں میں اظہار حقیقت فرمایا کہ اس میں کوئی زمانی ومکانی قید وشرط مذکور نہیں اور نہ کسی شخصی استثناء کا اشارہ ہے :

-- **" يا على ،لا يحبك الا مومن ولا يبغضك الا منافق " ،**

(اے علی، تجھے کوئی دوست نہیں رکھے گا سوائے مومن کے، اور تجھ سے کوئی بھی دشمنی نہیں کرے گا سوائے منافق کے)۔

موسیٰ وہارون کی تمثیل کے ساتھ حضورؐ نے اپنی اور مولا علیؑ کی نسبت یوں ارشاد فرمایا:

--**" يا على ، انت منى بمنزلة هارون من موسٰى ،الا انه لا نبى بعدى"، (**

اے علی، تم مجھ سے وہی نسبت رکھتے ہو جو ہارون کی موسیٰ سے تھی، صرف اس فرق کے ساتھ کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں)

تزویج کی امتیازی حیثیت کے بارے میں منفرد بیان میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے:

۔۔" یا علی ان الله عزوجل زوجك فاطمة وجعل صداقها الارض، فمن مشی علیها مبغضا لك مشی حراما"،

(اے علی، اللہ تعالیٰ نے آپ کی شادی فاطمہ سے کی اور اس کا حق مہر پوری زمین کو قرار دیا، تو جو شخص روئے زمین پر چلے اور وہ آپ کی دشمنی دل میں رکھتا ہو اس کا چلنا فعل حرام ہے)۔

امام علیؑ نے سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے ساتھ زندگی کے پاکیزہ ترین اوقات میں اللہ کی عبادت واطاعت اور ادائیگی حقوق کے نہایت اعلیٰ انسانی مراتب کے عملی مظاہر پیش کیے جن کی تقلید کر کے بنی نوع انسان کو حقیقی سعادت کی پاکیزہ منزل مل سکتی ہے۔ان کے درمیان پائی جانے والی وجودی نورانی وحدانی حقیقت کی عملی تجلیات سے عالم انسانیت کو قرب خداوندی سے بہرہ ور ہونے کی راہیں ملتی ہیں، آخر ایسا کیوں نہ ہوتا، ان دونوں ہستیوں کی پرورش اس ہستی نے کی جو خدا کے بعد کائنات وموجودات کی سب سے بڑی شخصیت ہیں، انہی نے فرمایا کہ اگر اللہ علی کو پیدا نہ کرتا تو کوئی بھی فاطمہ کا کفو وہمسر وہمتا نہ ہوتا، **" لو لم یخلق الله علیا لما کان لفاطمة کفو "**۔ اسی حوالہ سے حضورؐ نے ارشاد فرمایا: **" ان الله امرنی ان ازوج فاطمة من علی "**، (مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہ کی شادی علی سے کر دوں)۔ یہ روایت فریقین کی معتبر کتب میں بسند صحیح ذکر کی گئی ہے۔

حقوقی انتساب اور سسرالی امتیاز:

محسن اسلام حضرت ابو طالب اور محسنہ دین حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا، ان دو ہستیوں نے جو عظیم کارنامے سرانجام دیئے ان کے نتیجہ میں حضرت رسول خداؐ کی جان بھی مشرکوں وکافروں کے حملوں سے محفوظ ہوئی اور اللہ تعالیٰ کے مقدس دین کی تبلیغ کے پاکیزہ مشن کو استحکام حاصل ہوا، حقیقت یہ ہے کہ اگر یہ دو ہستیاں نہ ہوتیں تو اللہ کا دین وآئین لوگوں تک نہ پہنچ سکتا، ان دو ہستیوں نے اللہ کے عظیم نبیؐ کو کافروں کے شر سے بچایا اور پناہ دی تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل کو اپنی

طرف منسوب فرمایا اور کہا کہ اے میرے نبی، کیا ہم نے تجھے یتیم پا کر پناہ نہیں دی؛ (الم یجدك یتیما فآوای) ، سورہ الضحیٰ، آیت ۶، روایات میں مذکور ہے کہ جب کافروں نے حضورؐ کو قتل کرنے اور ان کے مقدس مشن کو ختم کردینے کی ٹھان لی تو اس وقت حضرت ابوطالبؑ ہی تھے جنہوں نے آنحضرتؐ کو اپنے ہاں پناہ دے کر تقریباً ساڑھے تین برس حفاظت فرمائی، اور کافروں سے کہا کہ اگر کسی نے محمدؐ کی طرف میلی آنکھ اٹھائی تو اس کی آنکھیں نکال دوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کو ایسا پاکیزہ سسرال عطا کیا کہ جس کا ہر فرد اپنی سیرت و کردار میں اپنی مثال آپ ہے۔ حضرت ابوطالب سیدہؑ کے حقیقی چچا تھے۔ ان کا اور حضرت خدیجہ کا انتقال ایک ہی سال میں ہوا تو حضورؐ نے اس سال کو غم کا سال قرار دیا، جن ہستیوں کی وفات پر رسول اسلامؐ اس قدر غمزدہ ہوں کہ ان کے وصال کے حوالہ سے غم کا سال منائیں ان کی عظمت و رفعت کا بیان آسان نہیں۔ حضرت ابوطالب علیہ السلام کے بارے میں روایات میں مذکور ہے کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے آخری وصی تھے اور ان کے پاس انبیاء کی امانتیں تھیں، شاید اسی حوالہ سے ہمارے والد گرامی قدر نے ان کی وصایت سے ان کی نبوت پر استدلال کیا ہے، (ملاحظہ ہو، کتاب ''نبوۃ ابی طالب''، تالیف، علامہ مفتی مزمل حسین میثمی الغدیری اعلی اللہ مقامہ)

دین اسلام کی تبلیغی تجلی میں حضرت ابوطالب علیہ السلام کے منفرد کردار کو بنیادی حیثیت حاصل ہے، اسی طرح ان کی زوجہ حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کی اہم ترین خدمات کی بدولت سید کائناتؐ کو وجودی تحفظ کے ساتھ ساتھ قلبی و روحانی سہارا ملا کہ جس کا اظہار حضورؐ اکثر فرمایا کرتے تھے اور انہیں اپنی ماں کہہ کر یاد کرتے تھے۔

شادی سے پہلے اور شادی کے بعد

سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا کی بابرکت زندگی پر اجمالی نگاہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ بی بیؑ نے شادی سے نو سال پہلے اور شادی کے نو سال بعد اس طرح پاکیزگی کے ساتھ گزارے کہ اپنے عظیم باپ، عظیم شوہر اور عظیم بچوں میں سے کسی کے حقوق پورے کرنے میں کمی نہ آنے دی بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ اپنے پروردگار کے حقوق و فرائض کی ادائیگی میں اطاعت و بندگی کی عظمتوں کا عملی مظاہرہ کیا، اس حوالہ سے یہ کہا جا سکتا ہے کہ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے اپنے رب کی کامل اطاعت گزار کنیز، اپنے باکمال باپ کی بے مثال بیٹی، اپنے عظیم شوہر کی وفا شعار بیوی اور اپنے جلیل القدر بچوں کی مہربان ماں ہونے کے تمام تقاضے پورے کیے۔ بی بیؑ نے کسی بھی مرحلہ میں حقوق اللہ اور حقوق العباد میں سے کسی حوالہ سے کمی نہ آنے

دی، نہ کوئی واجب عمل ترک ہوا اور نہ کسی حرام کا ارتکاب ہوا، نہ کوئی مستحب کام چھوڑا اور نہ کسی مکروہ کو انجام دیا بلکہ مباح اعمال میں بھی اپنے پروردگار کی اطاعت اور اپنے عظیم باپ رسول اللہ ؐ کی فرمانبرداری کو بنیاد قرار دیا۔ سیدہؑ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو سید کائناتؐ کی تعلیمات کی مکمل تصویر اور شریعت اسلامیہ کے عملی اصولوں کی عملداری کا پاکیزہ نمونہ تھا، اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بی بیؑ کو عالمین کی عورتوں کی سرداری عطا فرمائی۔ سیدہ فاطمہ زہراءؑ نے شادی سے پہلے اور شادی کے بعد اپنے عظیم باپ کی خیالداری میں کوئی فرق نہ آنے دیا بلکہ ایسی روش اپنائی کہ باپ نے فرمایا: تیرا باپ تجھ پر قربان جائے،

اولاد اطہار:

بیٹے: (۱) امام حسنؑ، ولادت، ۱۵ رمضان المبارک، سنہ ۳ ھ، شہادت ۲۸ صفر سنہ ۵۰ ھ۔

(۲) امام حسینؑ، ولادت، ۳ شعبان المعظم، سنہ ۴ ھ، شہادت ۱۰ محرم سنہ ۶۱ ھ۔

بیٹیاں: (۱) سیدہ زینبؑ، ولادت ۵ جمادی الاولیٰ، سنہ ۵ ھ (اسلامی کیلنڈر کی بناء پر یہ تاریخ عددی حوالہ سے یوں بنتی ہے: ۵/۵/۵)۔ پانچ تاریخ، جمادی الاولیٰ اسلامی سال کا پانچواں مہینہ، سنہ ہجرت کا پانچواں سال۔

(۲) سیدہ ام کلثوم، ولادت سنہ ۸ ھ

سیدہ کائناتؑ کی اولاد کے تذکرہ میں یہ بات ارباب تحقیق نے لکھی ہے کہ سنہ ۱۱ھ کو ایک نہایت المناک واقعہ میں ، جو تاریخ اسلام کا مشہور دردناک سانحہ ہے۔ بی بیؑ کے شکم مبارک میں ایک بچہ شہید ہو گیا، جس کا نام حضور ؐ نے محسن رکھا تھا ۔ اس واقعہ کی تفصیلات کتب تاریخ میں مذکور ہیں۔

شہادت:

۱۳ جمادی الاولیٰ سنہ ۱۱ھ، (۶۳۲ء)۔ بقولے دیگر: ۳ جمادی الثانیہ (وھو الاصح)، سیدہ کائناتؑ کی شہادت کے حوالہ سے مورخین نے متعدد اقوال ذکر کئے ہیں کہ جو ۲۲ یا ۲۳ تک منقول ہیں۔ یہ بھی سیدہ کی مظلومیت کی دلیل ہے کہ دختر رسول ؐ کی موت کے بارے میں اس قدر اختلاف رائے پایا جائے، چنانچہ اس سلسلہ میں کثیر تعداد میں کتب کے حوالے دیئے جا سکتے ہیں مگر یہاں سواد اعظم کے اکابرین کے چند مصادر کے ذکر پر اکتفاء کی جاتی ہے تا کہ واضح ہو کہ اسلام کی تاریخ کس

قدر اختلاف کا شکار ہوئی،

۱۔بی بی کی وفات گیارہ ھ میں ہوئی،(**وفی سنة احدی عشر توفیت فاطمة ابنة رسول الله ۔ص۔ لیلة الثلاثاء لثلاث لیال من شهر رمضان وهی بنت تسع و عشرین سنة**) ۔(گیارہ ہجری میں رسول خداؐ کی بیٹی فاطمہ کی رحلت ہوئی، وہ منگل کی رات تھی، اور ماہ رمضان کی تین راتیں گزر چکی تھیں ،اس وقت بی بی کی عمر ۲۹ برس تھی)

۔بعض حوالہ جات:

(شرح نووی علیٰ صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۷۷۔ الطبقات الکبری، ج ۸، ص ۳۰۔ الاستیعاب، ج ۴ ص ۱۸۹۹۔ تہذیب الاسماء، ج ۲ ص ۶۱۷۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۵۳۔ صفوة الصفوة، ج ۲، ص ۱۴۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۱۰۔ فتح الباری ،ج ۷، ص ۱۰۵۔ مولد العلماء ووفیاتھم، ج ۱، ص ۸۵۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۲۸۔ الذریة الطاهرة، ج ۱ ص ۱۱۰۔ البدایة والنهایة، ج ۶ ص ۳۳۳۔ ذخائر العقبیٰ، ج ۱ ص ۵۲)۔

۲۔حضورؐ کی وفات کے چند روز بعد:

(کتاب ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ، بروایتے، اور تفسیر قرطبی ج ۱۴ ص ۲۴۱ میں مذکور ہے:

" توفیت بعد رسول الله یسیر وهی اول من لحقه من اهل بیته رضی الله عنها "،

(دختر رسولؐ کا انتقال، حضورؐ کی رحلت کے تھوڑے دنوں بعد ہوا، اور وہ بی بی رضی اللہ عنہا، حضورؐ کے اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضورؐ سے جا ملیں)۔

۳۔ سیدہ کا انتقال اپنے پدر بزرگوار کی رحلت کے ۷۰ دن بعد ہوا،

عن ابن بریدة قال: کمدت فاطمة علیٰ ابیها سبعین من یوم ولیلة ،(ابن بریدہ نے روایت کی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ اپنے باپ کے بعد ستر دن زندہ رہیں)۔

بعض حوالہ جات: سیر اعلام النبلاء، ج ۲، ص ۱۳۱۔ البدایة والنهایة ج ۶ ص ۳۳۴۔ فصول من السیرة، ج ۱ ص

۲۱۶۔تہذیب الاسماء، ج ۲، ص ۱۷۶۔فتح الباری، ج ۷ ص ۴۹۴۔الاستیعاب، ج ۴ ص ۱۸۹۴۔شرح نووی، ج ۱۲۔ص ۷۷۔تاریخ خلیفہ بن خیاط، ج ۱ ص ۹۶۔تحقیق سیرت بضعۃ النبیؐ ص ۲۸۰)۔

۴۔بی بیؑ کی رحلت حضورؐ کی وفات کے ۷۵ دن بعد ہوئی،

"لم تبق فاطمة رضی الله عنها بعده (ص) الا خمسة وسبعين يوما حتى الحقها الله عزوجل به"،

(فاطمہ (رض) رسول خداؐ کی رحلت کے بعد ۷۵ دنوں سے زیادہ زندہ نہیں رہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں حضورؐ سے ملحق کر دیا)۔

بعض حوالہ جات: مجمع الزوائد، ج ۹ ص ۱۲۶۔ الاستیعاب، ج ۴ ص ۱۸۹۸۔البدایۃ والنھایۃ، ج ۶ ص ۳۳۴۔فصول من السیرۃ، ج ۱ ص ۲۱۶۔ذخائر العقبیٰ، ج ۱ ص ۵۲۔

۵۔سیدہؑ کی شہادت حضورؐ کی وفات کے ۹۰ دنوں کے بعد ہوئی،

یہ روایت کتاب ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ جلد اول صفحہ ۵۲ میں مذکور ہے۔

۶۔بی بی کی رحلت اپنے والدؐ کے وصال کے ۹۵ دن بعد ہوئی،

(بحوالہ، کتاب الاصابہ، جلد ۸ صفحہ ۵۷۔کتاب الذریۃ الطاہرۃ جلد اول، صفحہ ۱۱۰)

۷۔فاطمہ زہراؑ کی رحلت، سید الانبیاءؐ کی وفات کے ایک سو دنوں کے بعد ہوئی،

توفيت بعد ابيها ب ۱۰۰ يوم،

(بحوالہ کتاب فصول من السیرہ، ج ۱ ص ۲۱۶۔کتاب ذخائر العقبیٰ، جلد اول، ص ۵۲)۔

۸۔سیدۃ النساءؑ کا انتقال، آنحضرتؐ کے انتقال کے دو ماہ بعد ہوا،

عن جابر ،قال : ان فاطمة لم تمكث بعد رسول الله الا شهرين،

(جناب جابر انصاری نے روایت کی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ ،حضورؐ کی وفات کے بعد دو ماہ سے زیادہ زندہ نہیں رہیں)،

بعض حوالہ جات :المستدرک، جلد ۳ ص ۱۷۸۔ تاریخ دمشق ابن عساکر، ج ۳ ص ۱۵۸۔ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۳۳۴۔ الاصابہ ج ۸ ص ۵۷۔ صفوۃ الصفوۃ ج ۲ ص ۱۵۔ سیر اعلام النبلاء، ج ۲ ص ۱۲۸۔ تحفۃ الاحوزی، ج ۱۰، ص ۲۵۰۔ شرح نووی علی صحیح مسلم، ج ۱۲، ص ۷۷۔ تہذیب الاسماء، ج ۲، ص ۶۱۷)۔

۹۔ حضورؐ کی وفات کے تین ماہ بعد سیدہؑ کا انتقال ہوا،

عن ابی جعفر محمدبن علی قال: مكثت فاطمة بعد النبی (ص) ثلاثة اشهر،وما رويت ضاحكة بعد رسول الله (ص)،

(حضرت ابو جعفر محمد بن علیؑ سے منقول ہے کہ سیدہ فاطمہؑ،حضور نبی کریمؐ کے بعد تین مہینے زندہ رہیں،اور رسول اللہؐ کی وفات کے بعد کسی نے ان کے چہرہ پر مسکراہٹ نہیں دیکھی)۔

بعض حوالہ جات: سبل السلام، جلد ۳ ص ۱۴۹۔ تاریخ دمشق ، ج ۳ ص ۱۵۹۔ مسائل الامام احمد، جلد ۱ ص ۳۱۔ فصول من السیرہ، جلد ۱ ص ۲۱۶۔ البدایہ والنہایہ، ج ۶ ص ۲۰۱۔ تاریخ ابن خیاط، ج ۱ ص ۹۶۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۵۳۔ الذریۃ الطاہرۃ، ج ۱، ص ۱۰۹۔ الطبقات الکبریٰ، ج ۸۔ ص ۳۰۔ صفوۃ الصفوۃ، ج ۲، ص ۱۵۔ تہذیب التہذیب ،ج ۱۲، ص ۴۶۸۔ تہذیب الاسماء، ج ۲، ص ۶۱۷۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۴۹۳۔ تحفۃ الاحوزی، ج ۱۰، ص ۲۵۰۔ المعجم الکبیر ،ج ۲۲، ص ۳۹۹۔ مجمع الزوائد، جلد ۹، ص ۲۱۰۔ الاستیعاب، ج ۴، ص ۱۸۹۴۔ المستدرک، ج ۳، ص ۱۷۶)۔

۱۰۔ آپؑ کا انتقال، حضرت رسول خداؐ کی وفات کے ۴ ماہ بعد ہوا،

بحوالہ :الاصابہ، جلد ۸، صفحہ ۵۷۔

۱۱۔ اپنے والدؐ کی وفات کے ۶ ماہ بعد سیدہؑ کا انتقال ہوا،

" فاطمة بنت محمد رسول الله رضی عنها وكرم وجهها عاشت بعد النبی (ص) ستة اشهر"۔

(فاطمہ دختر محمد رسول خداؐ، اللہ ان پر راضی ہے اور ان کے چہرے کو مکرم بنایا ہے، وہ نبیؐ کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں)

بعض حوالہ جات: معرفۃ الثقات ج ۲، ص ۴۵۸، مشاہیر علماء الامصار، ج ۱ ص ۴۔ الاستیعاب ج ۳، ص ۱۷۶۔ عون المعبود، ج ۶، ص ۱۱۴۔ تاریخ ابن عساکر، ج ۳، ص ۱۲۸، ج ۳، ص ۱۵۹، ج ۱۲، ص ۱۲۸، ج ۳۰، ص ۲۸۸۔ تقریب التھذیب، ج ۱، ص ۷۵۱۔ مسند ابی بکر، ج ۱، ص ۸۸۔ صحیح بخاری، الجزء الخاص فی السیرۃ، ج ۴، ص ۱۵۴۹، وج ۳، ص ۱۱۲۶۔ حلیۃ الاولیاء، ج ۲، ص ۴۲۔ فصول من السیرہ، ج ۱، ص ۲۱۶۔ الریاض النظرہ، ج ۲، ص ۲۱۷۔ تفسیر ابن کثیر، ج ۳، ص ۴۹۴۔ ذخائر العقبیٰ، ج ۱، ص ۵۲۔ وسیلۃ الاسلام، ج ۱، ص ۶۳۔ مسائل امام احمد، ج ۱، ص ۳۱۔ السنن الکبریٰ، ج ۶، ص ۳۰۰۔ القوانین الفقھیہ، ابن جزی، ج ۱، ص ۲۷۲۔ زاد المعاد، ج ۱، ص ۱۰۴۔ البدایہ والنہایہ، ج ۶، ص ۲۰۱، وص ۳۳۲ وص ۳۳۴، وج ۷ ص ۳۳۲۔ تاریخ خلیفہ بن الخیاط، ج ۱، ص ۹۶۔ شذرات الذھب، ج ۱، ص ۱۵۔ تاریخ طبری، ج ۲، ص ۲۵۳۔ ارشاد الثقات، الی اتفاق الشرائع، ج ۱ ص ۵۵۔ مجمع الزوائد، ج ۹، ص ۲۱۲۔ کتاب سنن کبریٰ میں ابن شہاب زہری کے حوالہ سے عروہ کی روایت مذکور ہے کہ حضرت عائشہ نے فرمایا: **ان فاطمة بنت رسول الله عاشت بعد رسول الله (ص) ستة اشهر، فلما توفيت دفنها علی بن ابی طالب رضی الله عنهما ليلا، ولم يؤذن ابا بكر، وصلی عليها علی،،** (فاطمہ دختر رسول خداؐ، حضورؐ کی رحلت کے بعد چھ ماہ زندہ رہیں، جب ان کا انتقال ہوا تو انہیں علی بن ابی طالب (رض) نے شب میں دفن کیا اور ابوبکر کو شریک ہونے کی اجازت نہیں دی، علی نے ان کی نماز پڑھائی)، الکاشف، ج ۲، ص ۵۱۴۔ تہذیب التھذیب، ج ۱۲، ص ۴۶۸۔ التاریخ الصغیر، ج ۱، ص ۳۶۔ مسند ابی عوانہ، ج ۴، ص ۲۵۰۔ الذریۃ الطاہرۃ، ج ۱، ص ۱۰۹۔ فتح الباری، ج ۷، ص ۱۰۵، وص ۴۹۳۔ صحیح ابن حبان، ج ۱۱، ص ۱۵۳، المعجم الکبیر، ج ۲۲، ص ۳۹۸۔ الوقوف علی الموقوف، ج ۱ ص ۹۴)

۱۲۔ حضورؐ کی وفات کے آٹھ ماہ بعد سیدہ فاطمہؑ کی رحلت ہوئی،

"توفيت فاطمة بعد رسول الله (ص) بثمانية اشهر"،

(فاطمہ، رسول خداؐ کے وصال کے ۸ ماہ بعد فوت ہوئیں)۔

بعض حوالہ جات: الاستیعاب، ج۴، ص۱۸۹۴۔ تاریخ ابن عساکر، ج۳، ص۱۵۹۔ تہذیب الاسماء، ج ۲، ص۶۱۷۔ ذخائر العقبیٰ، ج۱، ص۵۲۔ تہذیب التہذیب، ج۱۲، ص۴۶۸۔ المستدرک، ج۳، ص۱۷۶۔ الصابۃ، ج۸، ص ۵۷۔ فصول من السیرہ، ج۱، ص۲۱۶)۔

خلاصۃ الاقوال

سیدہء کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی رحلت کے حوالہ سے مورخین نے مختلف اقوال لکھے ہیں کہ جن کا خلاصہ اس طرح بنتا ہے:

بعض ارباب تاریخ کا کہنا ہے کہ جب سیدہؑ کی وفات ہوئی تو ان کی عمر مبارک ۱۸ سال اور ۷۵ دن تھی، جس میں سے ۸ سال مکہ میں اور باقی مدینہ میں گزرے، (ذخائر العقبیٰ)۔

بعض حضرات نے لکھا ہے کہ بی بیؑ کی عمر ۲۱ برس تھی اور ان کی ولادت حضورؐ کی ولادت کے ۴۱ ویں سال کے شروع میں ہوئی، اس طرح ان کی وفات کے وقت ان کی عمر مبارک اکیس سال بنتی ہے،

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سیدہؑ کی وفات ان کی عمر کے پچیسویں سال میں ہوئی، (تاریخ الخلفاء، ج۱، ص ۷۵)۔

بعض اہل تاریخ کا کہنا ہے کہ سیدہؑ کی رحلت کے وقت ان کا سن ۲۷ برس تھا، (المعجم الکبیر، ج۲۲، ص۳۹۹)۔

بعض کہتے ہیں کہ وفات کے وقت بی بی کا سن ۲۹ برس تھا، (البدایۃ والنہایہ، ج۶ ص۳۳۴)۔

بعض مورخین نے لکھا ہے کہ بی بیؑ کا سن ۳۰ سال، (تہذیب الاسماء،) بعض نے ۳۵ سال لکھا ہے، (الاستیعاب)۔

تاریخ کے نشیب و فراز کی اجمالی کہانی آپ نے پڑھی ہے کہ کس طرح بزرگان دین بالخصوص خاندان رسولؐ اور اس میں سے بالخصوص دختر رسولؐ حضرت فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی رحلت کی تاریخ ہی متعین نہیں کی جا سکی، اب اسے مورخین کی

غفلت کہیں یا مخصوص مقاصد کے حصول کی کوشش کا نام دیں، حقیقت تو اللہ ہی جانتا ہے مگر اس صورت حال پر جس قدر افسوس کیا جائے کم ہے، جو امت اپنے عظیم نبیؐ کی عظیم بیٹیؑ کی تاریخ ہی محفوظ نہیں کر سکی اس کی بابت دیگر شخصیات کی تاریخ کے حوالہ سے کیا اعتماد ہو سکتا ہے۔ جبکہ اس حقیقت سے کسی کو انکار نہیں کہ رسول زادیؑ دکھی دکھی اس دنیا سے گئیں، آخر ایسا کیوں ہوا؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اس معظمہ کو ہر ممکن خوش رکھا جاتا، کیونکہ بچپن ہی سے دکھوں اور مصائب سے دوچار رہنے والی بی بیؑ اپنے باپ کی رحلت کے بعد زیادہ دیر زندہ نہ رہ سکیں بلکہ اپنے مصائب کے نوحے پڑھتے پڑھتے رحلت فرما گئیں، اور یہ کہتی گئیں کہ (جو شخص مصطفیٰؐ کی تربت کی مٹی سونگھ لے۔ وہ زندگی بھر کوئی خوشبو نہ بھی سونگھے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جتنی مصیبتیں مجھ پر آئی ہیں اگر وہ مصیبتیں۔ سفید دنوں پر آتیں تو وہ سیاہ راتوں میں بدل جاتے)۔

ماذا علیٰ من شم تربة احمد ۔۔۔ الا یشم مدی الزمان غوالیا

صبت علی مصائب لو انها ۔۔۔ صبت علی الایام صرن لیالیا

بعض حوالہ جات: سیر اعلام النبلاء، ج ۱ ص ۱۳۴۔ مغنی المحتاج ج ۱ ص ۳۵۶۔ طبائع النساء ج ۱ ص ۲۰۱)۔

وہ مصائب کیا تھے اور ان کی شدت کس قدر تھی کہ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا نے نہایت دکھی دل کے ساتھ نوحہ پڑھا اس کی بابت ہم یہاں تفصیلات میں نہیں جانا چاہتے، اس کے لئے مستقل کتاب کی ضرورت ہے اور ویسے بھی کتب تاریخ وحدیث ان واقعات سے بھری ہوئی ہیں اور فریقین کے نامور مورخین نے مذہب ومسلک کی تفریق کے بغیر ان واقعات کو سپرد قلم وقرطاس کر کے اپنی کتب میں محفوظ کر دیا ہے تا کہ ہر دور میں آنے والے ارباب علم و دانش ان کا مطالعہ کر کے اسلام کی تاریخ کے نشیب وفراز سے آگاہی حاصل کر سکیں، افسوس ہے کہ تاریخی واقعات سے سبق حاصل کرنے اور زندگی میں ان واقعات کی روشنی میں مثبت موقف اختیار کرنے کی بجائے مدح وقدح کی بحثوں میں الجھ کر یا الجھا کر اصل موضوع کی اہم جہات سے غفلت برتی جاتی ہے، تاریخ کا تعلق مذہب ومسلک سے نہیں بلکہ وہ تو واقعات کی لفظی ومکتوبی تصویر ہوتی ہے، اس کے مندرجات کی صحت وسقم کی تشخیص کے لئے مقررہ معیاروں سے استفادہ کیا جاتا ہے،

وصیت، اپنے شوہر نامدار سے !

سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا نے اپنی رحلت سے قبل اپنے شوہر نامدار امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے وصیت فرمائی جس میں بی بی نے اس طرح کہا: " **یابن عم ،انه قد نعیت الی نفسی واننی لا ارٰی ما بی الا اننی لاحقة بابی ساعة بعد ساعة ، وانا اوصیك باشیاء فی قلبی ،قال لها علی (ع): اوصینی بما احببت یا بنت رسول الله (ص)،فجلس عند راسها ،واخرج من کان فی البیت ،ثم قالت: یابن عم ما عهدتنی کاذبة ولا خائنة ولا خالفتك منذ عاشرتنی ؟ فقال علی(ع): معاذالله انت اعلم بالله ،وابر واتقٰی واکرم واشد خوفا من الله من ان اوبخك بمخالفتی ،وقد عز علی مفارقتك وفقدك الا انه امر لا بد منه، والله لقد جددت علی مصیبة رسول الله (ص) وقد عظمت وفاتك وفقدك فانا لله وانا الیه راجعون من مصیبة ما افجعها والمها وامضها واحزنها ،هذه مصیبة لا عزاء منها ،ورزیة لا خلف لها،ثم بکیا جمیعا ساعة ، واخذ الامام راسها وضمها الٰی صدره ثم قال : اوصینی بما شئت فانك تجدینی وفیا امضی کلما امرتنی به، واختار امرك علی امری، ،فقالت : جزاك الله عنی خیر الجزاء،یابن عم اوصیك اولاً : ان تتزوج بعدی فان الرجال لا بد لهم من النساء، واوصیك ان لا یشهد احد جنازتی من هؤلاء الذین ظلمونی فانهم عدوی وعدورسول الله ،ولا تترك احدا یصلی علی منهم ولا من اتباعهم ،ادفنی فی اللیل ...وفی روایة : قالت : یابن العم، اذا قضیت نحبی فاغسلنی وحنظنی بفاضل حنوط ابی رسول الله (ص) وصل علی ولیصل معك الادنٰی فالادنٰی من اهل بیتی وادفنی لیلا لا نهارا ،وسرا لا جهرا ، واخف موضع قبری ولا یشهدجنازتی احد ممن ظلمنی ...،**

(اے چچازاد! میری سانسیں پھول رہی ہیں ،اور مجھے لگتا ہے کہ بہت جلد، چند گھڑیوں میں اپنے پدر بزرگوار سے ملنے والی ہوں ، میں چاہتی ہوں کہ آپ کو بعض چیزوں کے بارے میں وصیت کردوں جو کہ میرے دل میں ہیں ،امام علیؑ نے

فرمایا: جی ہاں اے رسول زادی، آپ جو چاہیں مجھے وصیت کریں، چنانچہ امام علیؑ سیدہؑ کے سرہانے بیٹھ گئے اور جو بھی گھر میں تھا اسے باہر جانے کو کہا، تب سیدہؑ نے کہا: اے چچازاد، کیا آپ نے مجھ سے کبھی جھوٹ، خیانت یا اپنے ساتھ معاشرت میں اپنا مخالفت کا مرتکب پایا ہے؟ امام علیؑ نے فرمایا: معاذ اللہ، آپ تو معرفت الٰہی میں اعلیٰ مقام پر فائز ہیں، آپ نیکیوں میں برتر، تقویٰ میں بلندتر، عظمتوں میں عالی تر اور دل میں خشیت الٰہی میں شدید تر ہیں تو میں کس طرح آپ کو اپنی مخالفت کا الزام لگاسکتا ہوں، مجھے آپ کی جدائی و فراق کا غم ستا رہا ہے مگر کیا کیا جائے یہ ایک ناگزیر امر ہے، اللہ کی قسم، آپ نے رسول اللہؐ کا غم تازہ کردیا ہے، آپ کا وصال مجھ پر بہت گراں ہے، انا للہ وانا الیہ راجعون، ہم سب اللہ کے لئے ہیں اور اسی کی طرف پلٹ کر جانا ہے، یہ نہایت بڑی مصیبت ہے اور نہایت دردناک و طاقت فرسا ہے، اس مصیبت پر جس قدر گریہ و ماتم کیا جائے مگر اس کی تلافی نہیں ہوسکتی، (اس کے بعد دونوں ہستیاں خوب روئیں اور امام نے بی بی کو گلے لگایا اور فرمایا: آپ جو چاہتی ہیں مجھے وصیت کریں، مجھے اسے پورا کرنیوالا پائیں گی اور آپ جو کچھ کہیں گی میں اسے عملی جامہ پہناؤں گا اور آپ کے کام کو اپنے کام پر مقدم کروں گا، تب سیدہ کائناتؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ آپ کو میرے حوالہ سے جزائے خیر عطا فرمائے، اے چچازاد، سب سے پہلے میں آپ کو وصیت کرتی ہوں کہ آپ میرے بعد شادی ضرور کریں، کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کا نظام ہے کہ مردوں کو زندگی میں شریک حیات کی ضرورت ہوتی ہے، اور دوسری بات یہ کہ میرے جنازہ میں ان لوگوں میں سے کوئی بھی شریک نہ ہو جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا کیونکہ انہوں نے میرے ساتھ بھی دشمنی کی اور رسول خداؐ کے ساتھ بھی دشمنی کی ہے، آپ ان میں سے کسی کو میری نماز جنازہ میں شریک نہ ہونے دیں، اور نہ ہی ان کے پیروکاروں میں سے کسی کو اس کی اجازت دیں، تیسری بات یہ کہ آپ میری تدفین شب میں کریں، (ایک روایت میں ہے کہ سیدہؑ نے فرمایا:) اے چچازاد، جب میرا انتقال ہوجائے تو آپ مجھے غسل دیں اور میرے بابا رسول خداؐ کے حنوط کے باقیماندہ سے مجھے حنوط کریں، اور آپ اور اہل بیت کا ہر فرد مجھ پر نماز پڑھے، مجھے رات میں دفنائیں اور میری قبر کو پوشیدہ رکھیں، اور میرے جنازہ میں ان میں سے کسی کو نہ آنے دیں جنہوں نے مجھ پر ظلم کیا۔

تحریری وصیت کا ایک حوالہ

جناب ابن عباس سے روایت وارد ہوئی ہے کہ سیدہؑ نے ایک تحریری وصیت میں یوں لکھا:

" هذا ما اوصت به فاطمة بنت رسول الله (ص) اوصت وهی تشهد ان لا اله الا الله وان محمدا عبده ورسوله ،وان الجنة حق، والنار حق، وان الساعة آتية لا ريب فيها ،وان الله يبعث من فی القبور ،يا علی انا فاطمة بنت محمد ،زوجنی الله منك لاكون لك فی الدنیاوالآخرة ،انت اولٰی بی من غیری ،حنطنی وغسلنی وكفنی بالليل ،وصل علی وادفنی بالليل، ولا تعلم احدا، واستودعك الله، واقراعلٰی ولدی السلام الیٰ یوم القيامة "،

(یہ وصیت فاطمہ بنت رسول خداؐ کی ہے، اور وہ یہ وصیت کر رہی ہے جبکہ وہ گواہی دیتی ہے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمدؐ اللہ کے عبد اور اس کے رسول ہیں، اور یہ کہ جنت حق ہے، دوزخ برحق ہے اور یہ کہ قیامت آئے گی جس میں کوئی شک نہیں، یا علی، میں فاطمہ بنت محمدؐ ہوں، اللہ نے مجھے آپ کی زوجیت میں دیا تا کہ میں دنیا و آخرت میں آپ کے ساتھ رہوں، آپ ہی دوسروں کی نسبت مجھ پر زیادہ حقدار ہیں، مجھے حنوط کریں، مجھے غسل دیں اور شب میں میری تکفین کریں، اور مجھ پر نماز پڑھیں، اور رات میں میری تدفین کریں، اور کسی کو اس کی اطلاع نہ دیں، میں آپ کو اللہ کے سپرد کرتی ہوں، آپ قیامت تک آنے والی میری اولاد کو میرا سلام پہنچا دیں۔

کتاب بحار الانوار میں ایک روایت مذکور ہے کہ سیدہ فاطمہ زہراءؑ نے اسماء سے ارشاد فرمایا کہ جب حضورؐ کی وفات کا وقت نزدیک ہوا تو جبرئیلؑ بہشت سے کافور لائے جسے حضورؐ نے تین حصوں میں تقسیم کیا، ایک حصہ اپنے لئے مخصوص کیا، ایک حصہ علیؑ کے لئے اور ایک حصہ میرے لئے رکھا۔

سب سے پہلا تابوت

سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہانے امام علیؑ کو وصیت فرمائی کہ میرے لئے تابوت بنائیں، امامؑ نے بی بیؑ کی وصیت کے عین مطابق ان کے لئے تابوت بنایا اور اس میں سیدہؑ کی میت رکھی، کہا جاتا ہے کہ اس سے قبل کسی میت کے لئے تابوت بنائے جانے کا حوالہ نہیں ملتا، (بحار الانوار ج ۴۳، ص ۱۹۲)۔ ایک روایت میں امام جعفر صادقؑ نے بھی اس کی تصدیق فرمائی کہ ہماری جدہ سیدہ فاطمہؑ کے لئے تابوت بنایا گیا جو اسلام میں سب سے پہلا تابوت تھا، اس سے پہلے کسی کے لئے ایسا تابوت نہیں بنایا گیا، (کتاب وسائل الشیعہ ج ۲، ص ۸۷۶)

سیدہؑ کی وصیت کے عین مطابق امام علیؑ نے ان کی نماز جنازہ پڑھائی جس میں آپؑ نے پانچ تکبیریں پڑھیں، اس میں امام حسنؑ و امام حسینؑ اور بنی ہاشم کے افراد اور امام علیؑ کے خواص وقریبی شریک تھے جن میں آپؑ کے چچا عباس بن عبد المطلب، عقیل بن ابی طالب، فضل بن عباس، ابوذر غفاری، سلمان فارسی، مقداد، حذیفہ، عبداللہ بن مسعود، عمار یاسر کے نام سر فہرست ذکر کیے گئے ہیں۔

روایات میں مذکور ہے کہ جب رات کی تاریکی ہر طرف چھائی اور لوگ سو گئے تو امام علیؑ سیدہؑ کی میت کو گھر سے باہر لائے، ان کے ساتھ ان کے بیٹے امام حسن و حسین علیہما السلام اور بنی ہاشم کے کچھ افراد تھے، امام علیؑ نے ان کی وصیت کے مطابق انہیں پوشیدہ طور پر دفن کیا اور ان کی قبر کو نامعلوم رکھا، بعض روایات میں ہے کہ امام علیؑ نے ان کی قبر کے اردگرد سات اور بعض روایات میں ہے کہ چالیس قبریں ایک جیسی بنائیں، کیونکہ بی بیؑ نے وصیت کی تھی کہ ان کی قبر کو مخفی رکھا جائے،

اس مقام پر جو سوالات سامنے آتے ہیں کہ دختر رسولؐ خدا نے اس طرح کی وصیت کیوں فرمائی، اور وہ کیا وجوہات تھیں کہ بی بیؑ نے اپنی تدفین شب میں کرنے اور قبر کو مخفی رکھنے کی تاکید فرمائی، تو اس موضوع پر تفصیلی بحث کی ضرورت ہے کیونکہ اس کا تعلق تاریخی اسناد و حقائق سے ہے جس کا تذکرہ مستقل کتاب میں ہوگا۔ لیکن یہاں اس حوالہ سے اتنا ہی جاننا کافی ہے کہ کچھ ایسے مسائل ضرور تھے جن کی بناء پر بی بیؑ نے اس طرح تاکیدی وصیت کی، شاید ان کا اظہار بھی سیدہؑ نے اپنے مشہور و معروف خطبہ میں فرمایا ہے۔

مدفن:

جنت البقیع ،مدینہ منورہ ۔ بروایت دیگر خانہ ،اقدس سیدہؑ ، کہ جو مسجد النبیؐ میں مرقد رسول خداؐ سے ملحق ہے، لیکن پہلی روایت کی تائید امام حسنؑ کی وصیت سے ہوتی ہے جس میں انہوں نے اپنی تدفین کے حوالے سے فرمایا کہ مجھے نانا کی قبر کے ساتھ دفن کیا جائے ،اگر وہاں مانع ہوں تو مجھے میری ماں کی قبر کے ساتھ بقیع میں دفن کیا جائے ۔بعض مورخین نے لکھا ہے کہ سیدہؑ کی قبر مطہر بقیع میں روضہ ،اہل بیتؑ میں ہے، جس میں نقاشی کا کام ہوا ہے اور ضریح کی چھت پر ریشمی کپڑا ہے سیدہؑ کے مزار کے برابر کی دیوار پر نہایت قیمتی طلا کار چادر آویزاں ہے، اور عمارت کے بیرونی دروازہ پر یہ لکھا ہوا ہے:

لی خمسة اطفی بها حر الوباء الحاطمة ،

المصطفٰی والمرتضٰی وابناهما والفاطمة ،

افسوس کہ اب اس مزار مقدس کو منہدم کر دیا گیا ہے اور اس کی جگہ بوسیدہ پتھروں کے نشانات ہیں جن سے آئمہ معصومینؑ کی قبور مطہرہ کی علامتیں بتائی جاتی ہیں ،تاریخ ظلم کی اس کہانی کو ہر دور میں آنے والی قوموں کو سناتی رہے گی۔ **(المشتکٰی الی الله)**۔

بعض روایات میں مذکور ہے کہ امام علیؑ نے سیدہؑ کی وصیت کے مطابق انہیں رات کی تاریکی میں دفن کیا اور ان کی قبر کا واضح نشان نہ بنایا، چنانچہ جب لوگ بقیع آئے تو انہوں نے وہاں ایک جیسی نئی بنی ہوئی چالیس قبریں دیکھیں، وہ چیخ اٹھے اور ایک دوسرے کو کوسنے لگے اور کہنے لگے: **لم یخلف نبیکم الا بنتا واحدة تموت وتدفن ولم تحضروا وفاتها ولا دفنها ولا الصلاة علیها بل ولم تعرفوا قبرها**، تمہیں کیا ہوا ہے کہ تمہارے نبی کی ایک ہی بیٹی تھی جس کا انتقال ہو تو تمہیں نہ تو اس کی رحلت کا پتہ لگے اور نہ ہی تم اس کی تدفین اور نماز جنازہ میں شریک ہو بلکہ تمہیں اس کی قبر کی جگہ بھی معلوم نہ ہو،

بعض حوالہ جات: دلائل الامامہ، طبری، ص ۱۳۶۔ بحار الانوار، مجلسی، ج ۴۳، ص ۲۱۲۔

سیدہ کی تدفین کے حوالہ سے متعدد کتب میں مرقوم ہے کہ بی بی کی وصیت کے مطابق شب میں ہوئی:

(کتاب اسد الغابہ، ج ۷، ص ۲۲)۔

اگر نگاہ حقیقت آگاہ سے سیدہ ء کائنات ؑ کی حیات طیبہ کا مطالعہ کریں تو اس حقیقت سے آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ بی بی ؑ

اپنے کامل باپ کی کاملہ بیٹی،

اپنے طاہر باپ کی طاہرہ بیٹی،

اپنے صادق باپ کی صدیقہ بیٹی،

اپنے عابد باپ کی عابدہ بیٹی،

اپنے زاہد باپ کی زاہدہ بیٹی،

اپنے معصوم باپ کی معصومہ بیٹی،

اپنے کریم باپ کی کریمہ بیٹی،

اپنے عالم باپ کی عالمہ بیٹی،

اپنے معلم باپ کی معلمہ بیٹی،

اپنے شاکر باپ کی شاکرہ بیٹی،

اپنے امین باپ کی امینہ بیٹی،

اپنے طیب باپ کی طیبہ بیٹی،

اپنے ذاکر باپ کی ذاکرہ بیٹی،

اپنے صابر باپ کی صابرہ بیٹی،

اپنے علیم باپ کی علیمہ بیٹی،

اپنے حکیم باپ کی حکیمہ بیٹی،

اپنے حلیم باپ کی حلیمہ بیٹی،

اپنے حبیب اللہ باپ کی حبیبۃ اللہ بیٹی،

اپنے ذکی باپ کی ذکیہ بیٹی،

اپنے تقی باپ کی تقیہ بیٹی
اور اپنے سید باپ کی سیدہ بیٹی تھیں،

یہی صفات اپنے شوہر نامدار اور فرزندگان ذی وقار کی نسبت سے بی بیؑ میں پائے جاتے تھے، جو ذاتی صفات ان ہستیوں میں تھے وہی اس معظمہ و مکرمہ کے وجود مسعود میں پائے جاتے تھے۔

....

دوسرا باب

ام المعصومین ، ام ابیھا

اس باب میں حضور ختمی مرتبت سید کائنات محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی قدر کی توضیح وتشریح کی گئی ہے جس میں آپؐ نے اپنی حقیقی صلبی بیٹی سیدہ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کو ''ماں'' کا لقب واعزاز عطا فرماتے ہوئے اپنی زبان وحی ترجمان کے ساتھ ان الفاظ میں یاد کیا: **فاطمۃ ام ابیھا**، (فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے)

فاطمہؑ :

اپنے باپ کی ماں

بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم،الحمد للہ رب العالمین ،والصلوٰۃ والسلام علیٰ سیدنا ونبینا ابی القاسم محمد،صلی اللہ علیہ وعلیٰ آبائہ الطیبین وآلہ الطاھرین الذین اذھب اللہ عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا،

اما بعد،فقد قال اللہ سبحانہ وتعالیٰ لنبیہ (ص):

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ، انا اعطیناک الکوثر ،فصل لربک وانحر،ان شانئک ھو الابتر،

وقال النبی (ص) لبنتہ (ع): " فاطمۃ ام ابیھا "،

وقال (ص) : " فداک ابوک یا فاطمۃ "،

صدق اللہ العلی العظیم وصدق نبیہ الکریم ونحن بذٰلک من المومنین ،

سیدۂ کائنات ام المعصومین فاطمہ زہراءؑ

سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا وہ عظیم ہستی ہیں جو مرکز تعارف اہل بیتؑ ہیں۔ آپ حدیث کساء میں پڑھتے ہیں کہ اہل بیت علیہم السلام جب ایک چادر میں اکٹھے ہوئے تو جبرائیل امین علیہ السلام کے سوال پر کہ اے پروردگار! چادر کے نیچے جو ہستیاں موجود ہیں وہ کون ہیں: **یارب ومن تحت الکساء؟**

تو خداوند عالم نے جواب میں ارشاد فرمایا:

" ھم فاطمة و ابوھا وبعلھا وبنوھا "

وہ فاطمہؑ ہیں، ان کے پدر بزرگوار ہیں، ان کے شوہر نامدار ہیں اور ان کے فرزندان ذی وقار ہیں۔

غور فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ نے اہل بیت علیہم السلام کے تعارف میں سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی قدر کو مرکز ومحور قرار دیا ہے، ورنہ بظاہر تو ایسا ہونا چاہیے تھا کہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی قدر کے ذریعے تعارف کروایا جاتا اور یوں کہا جاتا **" ھم محمد وابنته و صھرہ وسبطاہ "** کہ وہ محمد ہیں، ان کی دختر نیک اختر ہیں، ان کے داماد ہیں اور ان کے نواسے ہیں، کیونکہ یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے جس کا انکار ممکن نہیں کہ کائنات میں اللہ تعالیٰ کی ذات کے بعد سب سے بڑی ہستی حضرت رسول اللہ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس ہے۔ آپؐ سے بڑھ کر دنیا میں کوئی شخص وشخصیت نہیں۔ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ لیکن جب اہل بیتؑ کے تعارف کا مرحلہ آیا تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی بجائے سیدہ کائنات فاطمہ زہراءؑ کی ذات گرامی کو چنا اور انہیں اہل بیتؑ کے تعارف کا محور قرار دیا، اس سے سیدہ کائناتؑ کی عظمت ورفعت اور بلندیٔ مرتبہ سے بخوبی آگاہی حاصل ہوتی ہے۔ سیدہ کائناتؑ کو اللہ تعالیٰ نے بہت عظمتیں عطا فرمائی ہیں اور ان کا وجود ایک ایسی نورانیت کا حامل بلکہ مجموعہ ومحور ہے کہ کائنات کی نورانیت اسی کی مرہون منت ہے۔ بلکہ اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ سیدہ کائناتؑ، سید کائناتؐ کے نور مقدس کا ایسا پرتو ہیں کہ جس کی روشنی سے پوری

کائنات منور و درخشاں ہے۔

ہم اس سلسلہء بحث کا آغاز سیدہء کائناتؑ کے بارے میں سید کائنات حضرت ختمی مرتبت سید الانبیاء والمرسلین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک ارشاد گرامی قدر سے کر رہے ہیں جس میں حضورؐ نے سیدہء کائناتؑ سلام اللہ علیہا کی جو صفت و منفرد فضیلت بیان فرمائی ہے وہ کائنات میں کسی کو حاصل نہیں۔ حضورؐ کا فرمان نہ تو اپنی خواہش نفس سے ہوتا ہے اور نہ ہی کسی مصلحت اور ضرورت کے تحت ہوتا ہے بلکہ آپؐ کی ہر بات وحی کی ترجمانی کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا: "**وما ینطق عن الھویٰ ان ھو الا وحی یوحیٰ**"، وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتا، وہ جو بھی کہتا ہے وہ اس پر وحی ہوتی ہے۔ اس قاعدہء کلیہ کی روشنی میں آنحضرتؐ کے اس ارشاد گرامی قدر پر غور کریں تو حقائق کی ایک وسیع کائنات سامنے آجاتی ہے، اور سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وجودی نورانیت سے آگاہی ملتی ہے۔

لفظی و معنوی جمال کا مرقع

"**فاطمة ام ابیھا**"، فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔

یہ کس قدر خوبصورت اور پر معنی جملہ ہے۔ اس کی معنوی خوبصورتی اس کے لفظی جمال کے سانچے میں ڈھلی ہوئی ہے۔ یہاں یہ بات عرض کرتا چلوں کہ اس جملے میں آنحضرتؐ نے جو ترتیب قرار دی ہے اس سے الفاظ میں چھپے ہوئے نورانی ولطیف معانی اپنے اندر پوشیدہ مفاہیم کی حقانیت آشکار کرتے ہیں۔

حضورؐ نے یہ نہیں فرمایا: "**ابنتی امی**"، میری بیٹی میری ماں ہے۔ بلکہ فرمایا: "**فاطمة ام ابیھا**"، فاطمہ، اپنے باپ کی ماں ہے، اس میں ایک ایسے معنوی اشارہ و استعارہ کے ذریعے اپنی عظیم بیٹی، ام المعصومین، ام الآئمہ، ام السادات سیدہء کائناتؑ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی عظمت بیان فرمائی ہے جس میں اپنے روحانی نسبی قربتی تعلق ونسبت کو منفرد و مخصوص انداز میں جلوہ گر کیا ہے۔

اس جملے میں سب سے پہلے سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کا اسم گرامی (فاطمہ) ذکر ہوا ہے اور اس مقدس اور پاکیزہ نام کے بارے میں مستند روایات اور احادیث کے ساتھ ساتھ حدیث قدسی بھی گویا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نام اپنے پاکیزہ اسم مبارک "فاطر" سے مشتق کر کے یا اس سے معنوی قربت کے تناظر میں سیدہؑ کے لئے مختص قرار دیا ہے۔ ویسے تو اہل بیت

اطہار علیہم السلام کے اسماء مبارکہ کے بارے میں اشتقاقی معنویت اور معنوی اشتقاق کا تذکرہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

میں نے محمدؐ کا نام اپنے نام ''محمود'' سے، علیؑ کا نام اپنے نام ''عالی'' سے، فاطمہؑ کا نام اپنے نام ''فاطر'' سے، حسنؑ کا نام اپنے نام ''محسن'' سے اور حسینؑ کا نام اپنے نام ''قدیم الاحسان'' سے مشتق کیا ہے۔

اللہ اکبر، اللہ تعالیٰ کو یہ بھی گوارہ اور پسند نہیں کہ ان ہستیوں کے نام اس کے علاوہ کوئی اور رکھے۔ اس نے اپنے کمال اور عظمت کے اظہار کے لئے ان ہستیوں کے اسماء گرامی قدر خود اپنے اسماء حسنیٰ سے اس لئے مشتق کئے کہ ان کے وجود کی عظمت اور پاکیزہ تاثیر سے عالم انسانیت منور و فیضیاب ہو۔

کتاب فرائد السمطین، جلد اول صفحہ ۳۶ پر یہ روایت درج ہے:

" عن النبی (ص) انہ قال: لما خلق اللہ تعالٰی آدم ابوا البشر ونفخ فیہ من روحہ التفت آدم یمنۃ العرش، فاذا فی النور خمسۃ اشباح سجدا و رکعا، قال آدم: یا ربِ ھل خلقت احدا من طین قبلی؟ قال: لا یا آدم! قال: فمن ھولاء الخمسۃ الاشباح الذین اراھم فی ھیئتی وصورتی؟ قال: ھولاء خمسۃ من ولدک، لولاھم ماخلقتک، ھولاء خمسۃ شققت لھم خمسۃ اسماء من اسمائی، لولاھم ما خلقت الجنۃ ولا النار ولا العرش ولا الکرسی ولا السماء ولا الارض ولا الملائکۃ ولا انس ولا جن "، فانا المحمود وھذا محمد، وانا العالی وھذا علی، وانا الفاطر وھذہ فاطمۃ، وانا الاحسان وھذا الحسن، وانا المحسن وھذا الحسین، آلیت بعزتی انہ لا یاتینی احد بمثقال ذرۃ من خردل من بغض احدھم الا ادخلتہ ناری ولا ابالی، یا آدم، ھولاء صفوتی من خلقی، بھم انجیھم وبھم اھلکھم، فاذا کان لک الی حاجۃ فبھولاء توسل، فقال النبی (ص): نحن سفینۃ النجاۃ، من تعلق بھا نجا، ومن حاد عنھا ھلک، فمن کان لہ الی اللہ حاجۃ فلیسئل بنا اھل البیت "

(حضرت پیغمبر اسلامؐ سے منقول ہے، آپؐ نے ارشاد فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے ابوالبشر آدم علیہ السلام کو پیدا کیا

اوران میں اپنی روح پھونکی تو وہ عرش کے دائیں جانب متوجہ ہوئے، وہاں ایک روشنی دیکھی جس میں پانچ شکلیں دکھائی دیں، انہیں دیکھ کر آدم علیہ السلام نے پوچھا پروردگارا! کیا تو نے مجھ سے پہلے بھی کسی کو مٹی سے پیدا کیا ہے؟ خداوند عالم نے فرمایا: نہیں، اے آدم! آدمؑ نے پوچھا کہ یہ پانچ شکلیں کن کی ہیں کہ جنہیں میں اپنی ہیئت وصورت میں دیکھ رہا ہوں؟ خدا نے ارشاد فرمایا: یہ پانچ تیری ہی اولاد میں سے ہیں، اگر یہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا، میں نے ان پانچ کے ناموں کو اپنے ناموں سے مشتق کیا ہے، اگر یہ نہ ہوتے تو میں نہ بہشت کو پیدا کرتا اور نہ ہی دوزخ کو، نہ عرش کو نہ کرسی کو، نہ آسمان کو نہ زمین کو، نہ فرشتوں کو اور نہ ہی انسانوں وجنوں کو پیدا کرتا، میں محمود ہوں اور یہ محمد ہے، میں عالی ہوں اور یہ علی ہے، میں فاطر ہوں اور یہ فاطمہ ہے، میں احسان ہوں اور یہ حسن ہے، میں محسن ہوں اور یہ حسین ہے، میں نے اپنی عزت کی قسم کھائی ہے کہ جو بھی ذرہ بھر ان کی دشمنی کے ساتھ میرے پاس آئے گا میں اسے بے دریغ دوزخ میں ڈال دوں گا، اے آدم! یہ میری مخلوق میں میرے پسندیدہ بندے ہیں، انہی کے ذریعے میں لوگوں کو نجات عطا کروں گا اور انہی کے ذریعے ہلاک کروں گا (ان کی محبت و اطاعت کا دم بھرنے والوں کو نجات عطا کروں گا اوران سے دشمنی رکھنے والوں کو تباہ کروں گا)، اگر تجھے مجھ سے کوئی حاجت ہو تو انہیں وسیلہ بنانا، پھر آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا: ہم سفینہء نجات ہیں، جو اس کشتی سے وابستہ ہوا وہ نجات پا گیا، اور جو اس سے روگرداں ہوا وہ تباہ ہوا، پس جسے اللہ سے کوئی حاجت مطلوب ہو وہ ہم اہل بیت کے ذریعے اللہ سے مانگے)۔

اس حدیث مبارک میں صاحبانِ بصیرت کے لئے حقائق ومعارف کی وسیع کائنات موجود ہے۔

سیدہء کائناتؑ کے اسم مبارک کے حوالہ سے بعض روایات میں اس کے اشتقاق کی بابت دیگر مطالب بھی مذکور ہیں۔ بیجا نہیں کہ میں ان مقدس روایات میں مذکور معنوی حقائق کا تذکرہ اشارۃً ہی سہی، اس مقام پر کرتا چلوں۔ سب سے پہلے حضرت پیغمبر اسلامؐ کا ارشاد گرامی قدر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جس میں آپؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے یوں ارشاد فرمایا:

"انما سمیت ابنتی فاطمة، لان الله فطمها وفطم محبیها من النار"۔

میری بیٹی کا نام فاطمہ اس لئے رکھا گیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس سے محبت کرنے والوں کو دوزخ کی آگ سے محفوظ کر دیا ہے۔ (بحارالانوار، جلد ۴۳، صفحہ ۱۵)

ایک روایت میں یوں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

"انما سمیت فاطمة لانها فطمت اولادها و موالیها من النار"۔

(انہیں فاطمہؑ کے نام سے موسوم کرنے کی وجہ یہ ہے کہ ان کی اولاد اور ان کی محبت کا دم بھرنے والے، دوزخ کی آگ سے محفوظ کر دیئے گئے ہیں)۔

لفظ'' فطم'' عربی زبان میں چھڑوانے کے معنی میں آتا ہے، اس حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا کو جو وجودی عظمت عطا فرمائی ہے اس کا واضح اثر ان سے روحانی تعلق اور محبت رکھنے والوں کی دنیاوی اور اخروی زندگی میں ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ انہیں دنیا میں عزت واحترام اور آخرت میں اپنی رضا وخوشنودی کی نعمت سے نوازتے ہوئے سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا کی برکات کا اظہار فرماتا ہے اور انہیں شیطانی غلبہ، گناہ ومعصیت اور دوزخ سے محفوظ کرتا ہے، گویا انہیں برائی کی زنجیروں سے چھڑوالیتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے یہ اعزاز کسی کو عطا نہیں فرمایا کہ بیٹی ہوتے ہوئے اپنے باپ کی ماں کا درجہ پائیں، سوائے حضرت سیدہ ء کائنات سلام اللہ علیہا کے، کہ جنہیں خود پیغمبر اسلامؐ نے فرمایا: فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے،

لفظ'' **ام** '' کہ جس کا عام لفظی ترجمہ'' ماں'' ہے وہ لغت میں'' اصل '' کے معنی میں آتا ہے۔ اسی حوالہ سے آنحضرتؐ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا: '' **انا شجرۃ و فاطمۃ اصلھا** ''، میں درخت ہوں اور فاطمہ اس کی جڑ ہے۔ اس ارشاد گرامی قدر میں حضورؐ نے لفظ'' ام'' کی بجائے'' اصل'' کا لفظ استعمال فرما کر لفظ'' ام'' کی حقیقت واضح کر دی ہے جس کے بعد کسی طرح کا شک وشبہ باقی نہیں رہتا کہ'' **ام ابیھا** '' میں کیا معنی ملحوظ ہے اور اس کی روحانیت نواز معنویت کا دائرہ کتنا وسیع ہے۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ کا فرمان حقیقت بیان اور وحی ترجمان ہوتا ہے، اس حوالہ سے غور کریں کہ سیدہ ء کائناتؑ کس معنی میں حضورؐ کی اصل ہیں۔ عقلیں دنگ اور سوچیں حیران ہیں کہ بیٹی کس طرح باپ کی اصل ہے؟ اور اسے کس معنی میں لیا جا سکتا ہے؟ یہی تو ان مقدس ومطہر ومنور ومکرم ومعظم ہستیوں کی ذوات مقدسہ کا وجودی کمال ہے کہ ہر کس وناکس کو ان کی حقیقت ذوات کے فہم وادراک تک رسائی حاصل نہیں۔ شاید اسی مطلب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے معصومؑ ارشاد فرماتے ہیں:

'' امرنا صعب مستصعب لا یتحملہ الا نبی مرسل او ملک مقرب او مومن امتحن اللہ قلبہ بالایمان ''،

ہمارا معاملہ مشکل اور سخت مشکل و دشوار ہے، اسے کوئی سمجھ نہیں سکتا سوائے خدا کے بھیجے ہوئے نبی کے یا خدا کے مقرب فرشتہ کے یا اس مومن کے کہ اللہ نے جس کے دل کا امتحان، ایمان کے حوالہ سے لے لیا ہو۔

اللہ اکبر، اس قدر عظیم مقام و منزلت کی حامل شخصیات کی ذوات مقدسہ کی حقیقت کا ادراک آسان نہیں۔

اصل اور اصل الاصل

سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو خاتم الانبیاءؐ نے اپنی ''ماں'' کے الفاظ کی بجائے **''ام ابیھــا''** (اپنے باپ کی ماں) کے الفاظ سے موسوم فرمایا ہے، اس لطیف انداز بیان میں جو اہم ترین نکتہ ملحوظ ہے وہ یہ کہ اس میں شخص کی بجائے شخصیت سے نسبت کا اظہار مقصود ہے۔ عمومی و نسبی نسبتی حوالہ میں عام طور پر اس طرح کے اظہارات بالعکس معانی کے حامل ہوتے ہیں یعنی باپ کو اولاد کی ''اصل'' کہا جاتا ہے جو کہ ظاہری وجود کے حوالہ سے یقیناً درست ہے۔ اگر حضورؐ اس نسبی قرابت کو بیان کرنا چاہتے تو یوں ارشاد فرماتے کہ **''انــا اصلھا''** میں اس کی ''اصل'' ہوں۔ یا یوں ارشاد فرماتے کہ ''میں اصل ہوں اور فاطمہؑ درخت ہیں'' **(انا اصل وفاطمة شجرته)**۔ کیونکہ درخت سے پھل حاصل ہوتا ہے اور اولاد کا سلسلہ بیٹے یا بیٹی سے چلتا ہے لیکن ایسا نہیں ہوا بلکہ سیدہ ءکائناتؑ کو اصل اور جڑ اور خود اپنے آپکو درخت کہہ کر آنحضرتؐ نے دنیا والوں کے ظاہری وجودی حوالوں اور نسبتوں کے معیار سے بالاتر ہو کر اپنے اور سیدہ ءکائناتؑ کے وجودی نورانی معیار کی امتیازی جہت کو بیان فرمایا ہے جو انہی ہستیوں کا خاصہ ہے۔ اگر ہم اس حوالہ سے فرمان نبویؐ کی تفسیر و توضیح میں یہ کہیں کہ آنحضرتؐ کا اشارہ اس حقیقت کی طرف ہو سکتا ہے کہ چونکہ ماں، اولاد کی نسبت وجودی مصدریت اور سرچشمہ کی حیثیت رکھتی ہے اور سیدہ فاطمہ سلام اللہ علیہا ذریت و نسل رسول اللہؐ کی وجودی مصدریت و سرچشمہ ہیں لہذا آنحضرتؐ نے انہیں اپنے باپ کی ماں کا لقب عطا فرمایا جو کہ اصل اور مصدریت کی حقیقت کا حامل جامع و مانع لفظ ہے۔ ورنہ یہ حقیقت کسی بیان و وضاحت کی محتاج نہیں کہ حضورؐ کی ذات گرامی قدر، سیدہ ءکائناتؑ کا وجودی، ظہوری، ذاتی وصفاتی سرچشمہ اور حقیقی مصدریت کا پاکیزہ عنوان ہے۔ سیدہؑ کا وجود اصل ہے اور حضورؐ کا وجود اصل الاصل ہے۔

لفظ ''ام'' کے استعمالی موارد

اب ذرا لفظ ''ام'' کے استعمالی موارد کا تذکرہ بھی ہو جائے تو خالی از فائدہ نہیں ہوگا۔

لفظ ''ام'' کے بارے میں جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ لغوی حوالہ سے اس کا معنیٰ'' اصل '' ہے، اور قرآنی استعمال اس حقیقت کی کھلی گواہی دیتا ہے، چنانچہ مکہ مکرمہ کو'' **ام القریٰ** '' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے جس سے مراد یہ ہے کہ روئے زمین پر ہر آبادی کی اصل یہ مقدس شہر ہے۔ آیت کچھ اس طرح سے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے لفظ ''ام'' استعمال فرما کر مکہ مکرمہ کی مرکزی حیثیت کو واضح کر دیا ہے:

'' وکذلك اوحینا الیك قرآنا عربیا لتنذر ام القریٰ ومن حولها ''

(اور اسی طرح ہم نے آپ پر قرآن عربی زبان میں نازل کیا تا کہ آپ ام القریٰ اور اس کے اردگرد والوں کو انذار کریں)۔۔سورہ شوریٰ، آیت ۷۔۔

اس لفظ کے عرفی استعمالی موارد شمار سے باہر ہیں، مثلاً عام طور پر دیکھنے میں آتا ہے کہ جب والدین یا قوم وقبیلہ یا علاقہ ومملکت یا مذہب وملت کے سربراہ یا بزرگ ومعتبر شخصیت اپنی طرف سے محبت وقربت کی کمالی نسبت کا اظہار کرتے ہیں تو بچوں اور پیاروں وعزیزوں کو بڑوں وبزرگوں کے ناموں سے پکارتے ہیں، چنانچہ باپ بیٹے کو ابا جان، ابو جی، میری جان اور اس طرح کے الفاظ جبکہ ماں بیٹی کو اماں جان، میری امی اور اس طرح کے الفاظ سے پکارتے ہیں۔ اسی طرح دادا، دادی نانا، نانی اور بزرگ افراد اپنے بچوں کو پیار ومحبت کے ساتھ خود اپنے مقام ومرتبہ کے الفاظ سے پکارتے ہیں۔ تو اس طرح کے استعمال میں محبت وپیار اور اس کے علاوہ دیگر عوامل کارفرما ہوتے ہیں کہ جن کی وجہ سے ان الفاظ کے استعمال کو درست قرار ہی نہیں دیا جاتا بلکہ قابل تعریف وتمجید اور احترام وتکریم کا عکاس سمجھا جاتا ہے۔ گویا محبت کمالی پہلو کی حامل ہو تو اس طرح کے استعمال کی متقاضی ہوتی ہے۔ اور اس سے جہاں مخاطِب اور مخاطَب کے درمیان عمیق تعلق کا اظہار ہوتا ہے وہاں دونوں کے درمیان انس ومحبت کا رشتہ مزید مضبوط ومستحکم ہو جاتا ہے کہ جس کے پاکیزہ آثار زندگی کے گوناگوں مراحل میں ظاہر ہوتے ہیں، اور ان آثار کی عملداری نوع انسانی کی وجودی معراج بنتی ہے۔

نسبی تعلق کے اظہار کے ساتھ ساتھ حسبی نسبت کی بنیاد پر بھی اس طرح کے الفاظ سے فضیلتوں کی تصویر کشی ہوتی ہے

، چنانچہ معاشرتی روابط میں بھی اس طرح کے الفاظ کا استعمال دیکھنے کو ملتا ہے جس سے القاب کا بیانی پہلو اجاگر ہوتا ہے اور معنوی ومفہومی حقائق آشکار ہوتے ہیں۔

یوں تو اس بحث کے موارد کا تفصیلی تذکرہ وسیع وقت چاہتا ہے لیکن اس وقت ہم سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وہ ارشاد گرامی پیش کر رہے ہیں جس میں حضورؐ نے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کو "**ام ابیھا**" کے الفاظ سے یاد فرمایا ہے، اور اس کے ممکنہ متعلقہ پہلوؤں سے اجمالی آگاہی مقصود ومطلوب ہے۔

قولی وعملی حوالوں کا تجزیاتی تذکرہ

ظاہر ہے کہ حضورؐ کا ارشاد گرامی قدر، (معاذ اللہ) نہ تو بے معنی ہوسکتا ہے اور نہ ہی جذباتی! نہ ہی لفاظی کہلا سکتا ہے اور نہ ہی ذاتی خواہش! بلکہ آنحضرتؐ کی مقدس ومطہر زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ، حقائق کی ترجمانی کرتے ہیں، اور حضور پاکؐ کی شخصیت کی نسبت سے مخصوص معانی ومفاہیم اور پاکیزہ واعلیٰ معارف ومعالم اور اس کے ساتھ ساتھ عملی حکمتوں کے عکاس ہوتے ہیں۔

قولی حوالہ سے تو یقیناً بات واضح ہے اور اس میں شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں پائی جاتی کیونکہ کہنے والی شخصیت ہی اس قدر عظیم ورفیع المقام ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے بعد پوری کائنات میں سب سے افضل ہیں کہ اگر وہ نہ ہوتے یعنی اگر خدا انہیں خلق نہ فرماتا تو کائنات کی کوئی چیز پیدا نہ کرتا، لیکن قول وبیان کے ساتھ ساتھ جو عملی حوالے موجود ہیں ان کا شمار تاریخ کے ان مسلمات میں ہوتا ہے جن کے کسی بھی پہلو میں شک کی گنجائش نہیں۔ تاریخ اس حقیقت وواقعیت کی کھلی گواہی دیتی ہے کہ حضرت خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فریضہ ءنماز ادا کرنے کے بعد گھر تشریف لاتے اور اپنی جلیل القدر وعظیم المرتبت بیٹی کے ہاتھوں کو چومتے اور فرماتے: "**ام ابیھا**" ،اے اپنے بات کی ماں! "**فداك ابوك**"، تیرا باپ تجھ پر فدا ہو،

حضورؐ کا یہ عمل بذات خود دلیل بلکہ اقوی الدلائل ہے، اس کے بعد مزید کسی ثبوت ودلیل کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی، البتہ یہ نکتہ ملحوظ رہے کہ جہاں حضورؐ کا عمل امت کے لئے سنت کی حیثیت رکھتا ہے وہاں اس عمل کو امت کے لئے سنت قرار نہیں دیا گیا بلکہ یہ صرف حضورؐ کی ذات سے مختص ومخصوص ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ کوئی باپ اس طرح کے الفاظ کا

استعمال نہیں کرتا کہ اپنی بیٹی کو ماں جیسی عظمت سے نوازے۔ یہ تو سیدہ ءکائناتؑ کا اختصاص ہے، انفرادیت ہے، امتیاز ہے اور عطائے پروردگار ہے۔

عملی طور پر حضورؐ نے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کی تکریم وتعظیم میں اسی طرح کے کردار کا مظاہرہ کیا جو ماں کیلئے کیا جاتا ہے، مثلاً ہاتھ چومنا، پیشانی کا بوسہ لینا، ان کے لئے کھڑا ہو جانا، اپنی جگہ پر بٹھانا اور اس طرح کے اعمال، تو یہ سب کچھ ایسا ہوتا ہے کہ جیسے اولاد، ماں کیلئے کرتی ہے۔

شریعت اسلامیہ میں بھی ماں کیلئے ادائے احترام لازمی قرار دیا گیا ہے البتہ ادب واحترام اور اظہار محبت کے طریقے ہر قوم ومعاشرہ میں مخصوص ہوتے ہیں، عرب دنیا میں مذکورہ بالا چار انداز ایسے ہیں جو عام طور پر اکرام واحترام کے مظاہر سمجھے جاتے ہیں۔ جبکہ دیگر اقوام میں ان کے علاوہ مختلف انداز اپنائے جاتے ہیں۔

سیرت النبیؐ کی معتبر ومستند کتب میں آنحضرتؐ کے معمولات کے باب میں مذکور ہے کہ آپؐ جب سفر پر جاتے تو سب سے آخر میں سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کے پاس تشریف لاتے اور ان سے رخصت ہوتے اور جب واپس تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کے پاس آتے اور انہیں سلام کرتے تھے۔ یہ عمل اپنے مقام پر ایک مخصوص نشانی ہے کہ حضورؐ سیدہ ءکائناتؑ سے کس حد تک محبت کرتے تھے اور صرف محبت ہی نہیں بلکہ احترامی محبت رکھتے تھے جو کہ ماں سے کی جاتی ہے، بلکہ روایات میں اس سے بھی زیادہ مذکور ہے کہ سفر تو سفر ہے، حضورؐ جب بھی گھر سے باہر نکلتے تو پہلے سیدہ ءکائناتؑ کے خانہ ءاقدس پر تشریف لاتے اور سلام ودعا کرتے تھے اور جب بھی واپس گھر کی طرف تشریف لاتے تو سب سے پہلے سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کے بیت الشرف میں تشریف لاتے تو محبت والفت پر مبنی ادائے احترام کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے ان کے سامنے اس طرح آ کر بیٹھتے اور گفتگو فرماتے جس طرح ماں سے کی جاتی ہے اور اسی قرب ونسبت کے تناظر میں جب ہم تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں اور اس دور کے حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح سید کائناتؐ نے سیدہ ءکائناتؑ کو **"ام ابیھا"** کا لقب دیا اور اس لقب کی عملی پاسداری کا ثبوت دیا، اسی طرح سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا نے بھی حضورؐ کی خیالداری اور شدید ترین صورتحال میں اسی طرح دلداری کا کردار پیش کیا جس طرح ماں کرتی ہے کہ حضورؐ کو حقیقی ماں کی یاد تازہ کرتی تھیں۔

ایک نا قابل انکار عملی حقیقت

یہ ایک نا قابل انکار عملی حقیقت ہے کہ:

۱۔ کوئی ماں، اولاد کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی،

۲۔ کوئی ماں اپنے آرام وسکون کو اولاد کے آرام پر قربان کرنے سے دریغ نہیں کرتی،

۳۔ کوئی ماں کھانے پینے میں اپنی اولاد سے پہل نہیں کرتی،

۴۔ کوئی ماں، اولاد کو جاگتا چھوڑ کر خود نیند نہیں کرتی،

۵۔ کوئی ماں اولاد سے پہلے خود کھانا نہیں کھاتی۔

یہ اور اس طرح کے دیگر اعمال جو انسانی معاشرے میں رائج ہیں تو یہ انسانیت کے کمالی درجات کے آئینہ دار ہیں، ان اعمال سے ''ماں'' کی اصل حیثیت کا اظہار ہوتا ہے۔ سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے حوالہ سے تاریخ ان تمام اعمال کا پتہ دیتی ہے کہ اگر چہ بیٹی تھیں مگر عملی طور پر ''ماں'' بن کر دکھایا۔ عرب کے بدوؤں نے جب حضرت پیغمبر اسلامؐ کو اپنی طرف سے نفرت کے تیروں کا نشانہ بنایا اور اذیت و آزار میں اخلاقی و انسانی حدیں پھلانگ گئے تو ان حالات میں سیدہ کائناتؑ نے حقیقی ماں سے زیادہ محبت و خدمتگزاری کا عملی مظاہرہ کیا اور حضورؐ کو آرام وسکون دینے میں کوئی کسر باقی نہ چھوڑی۔ سیدہ کائناتؑ اس وقت تک کھانا نہ کھاتی تھیں جب تک آنحضرتؐ کو کھانا نہ کھلا لیتی تھیں۔ گندی صفات کے رسیا عرب جب حضورؐ پر گندگی پھینکتے تھے تو یہ سیدہ کائناتؑ ہی تھیں جو گندگی کو صاف کرتی تھیں اور حضورؐ کو ماں کی طرح پیار اور عاطفت کا ماحول فراہم کرتی تھیں۔ اس مقام پر میں تو کہتا ہوں کہ اگر سیدہ کائناتؑ کو حضورؐ نے '' **ام ابیھا** '' (اپنے باپ کی ماں) کا لقب دیا تو یہ سیدہؑ کے کردار کا نتیجہ اور ان کا حق تھا جسے صادق اور امین نبیؐ نے ادا کیا۔

اللہ اکبر، ماں کا مقام کس قدر بلند ہے اور اللہ تعالیٰ نے ماں کو کتنی عظمت عطا فرمائی ہے، اس کا اندازہ تو اسی بات سے ہو سکتا ہے کہ حضور پاکؐ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ اگر خدا کے بعد کسی کو سجدہ کرنے کی اجازت ہوتی تو میں ماں کو سجدہ کرتا۔ اس عظیم ترین مقام و مرتبت اور منزلت کے تناظر میں ''**ام ابیھا**'' کے لقب کی حقیقت آشکار ہو جاتی ہے کہ سیدہ سلام اللہ

علیہا نے کس قدر عملی طور پر سید کائنات ؐ کی خیالداری کا حق ادا کیا ہوگا کہ حضور ؐ نے یہ لقب دیا اور اس عظیم اعزاز سے نوازا جو کہ اپنے مقام پر منفرد حیثیت کا حامل ہے۔

اپنی حقیقی ماں کا سایہ تو اس وقت اٹھ گیا تھا جب حضورؐ اپنے ظاہری وجودی زمانہء طفولت میں تھے کہ جب بچے کو ماں کی ممتا مطلوب ہوتی ہے (چھ سال)۔ اور پھر وہ وقت بھی آیا جب اسی مطلوبیت کی تکمیل سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کے وجود کے ذریعے ہوئی، اور بیٹی نے احترامی محبت کے تمام تر تقاضوں کو پورا کیا۔

یہاں یہ اہم ترین نکتہ قابل ذکر ہے کہ حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی رحلت کے فوراً بعد جس ہستی کو ماں کے فرائض ادا کرنے کی سعادت حاصل ہوئی وہ حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا تھیں کہ جنہیں حضورؐ نے ماں کہا کیونکہ اس معظمہ نے حضور ؐ کی تربیت ونگہداشت اور دیکھ بھال میں ماں سے کم کردار ادا نہیں کیا۔ چنانچہ حضور ؐ فرمایا کرتے تھے کہ وہ میری ماں تھیں (**ھی امی**) لیکن الفاظ کے حوالہ سے سیدہؑ کائنات ؑ کے لئے "**ھی امی**" کی بجائے "**ام ابیھا**" کہا کہ ان دونوں جملوں کی معنوی حیثیت میں بہت فرق ہے۔ بہر حال حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا سے اس طرح کا کردار متوقع بھی تھا کیونکہ وہ محسن اسلام حضرت ابوطالب علیہ السلام کی زوجہ اور مولائے کائنات امیر المومنین حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام کی مادر گرامی قدر تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں عظمت و رفعت میں کمالی درجہ عطا فرمایا تھا۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب تک آپ ؐ شعب ابی طالبؑ میں محصور رہے حضرت فاطمہ بنت اسدؑ ہی تھیں جو حضورؐ کے ساتھ ماں بن کر اپنی ذمہ داریاں ادا کرتی رہیں اور جس طرح خود حضرت ابوطالبؑ علیہ السلام نے حضور ؐ کی حفاظت میں اپنی تمام تر توانائیاں بروئے کار لا کر آپ ؐ کو کافروں ومشرکوں کے شر سے بچایا اسی طرح حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا بھی ان کے ساتھ برابر کی شریک رہیں، اور کسی مرحلہ میں حضورؐ کی خیالداری میں کمی نہ آنے دی۔

میری نظر میں ان دونوں ہستیوں کے کمال یقین اور پیرو دین ہونے کا سب سے بڑا اور واضح ثبوت یہی ہے کہ ایک طرف کفار ومشرکین کی لاتعلقی اور خطرہء جان اور دوسری طرف حضرت ابوطالبؑ اور حضرت فاطمہ بنت اسدؑ کا حضور ؐ کی حفاظت میں ہر طرح سے آمادہ باش رہنا تھا۔ خیر یہ الگ موضوع ہے کہ جس کا تفصیلی تذکرہ اس کے مربوطہ مقام پر ہوگا۔ یہاں یہ عرض کرنا مقصود ہے کہ حضورؐ نے حضرت فاطمہ بنت اسد سلام اللہ علیہا کو "ماں" کہا، لیکن جو الفاظ و انداز بیان اپنی بیٹی سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں اختیار ہوا وہ اپنے مقام و حیثیت کے حوالہ سے منفرد تھا یعنی "**ام ابیھا**" (اپنے باپ کی ماں)،

سیدہ ءکائنات سلام اللہ علیہا کی ذات گرامی قدر کو اللہ تعالیٰ نے جو مقام و منزلت عطا فرمائی اس کی مثال تاریخ انسانیت میں کہیں نہیں ملتی۔ان کا سید کائنات کی حقیقی صلبی دختر ہونا سب سے پہلا اور بڑا اعزاز ہے،

" **فاطمة ام ابيها** " کے الفاظ سے سیدہؑ کائنات سلام اللہ علیہا کی وجودی عظمت وتکوینی حقیقت کا پتا چلتا ہے۔لفظ " **ام** "، اصل معنی میں ملحوظ ہو تو حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر کے حقیقی پہلوؤں سے آگاہی حاصل ہو جاتی ہے۔سیدہ ء کائناتؑ کو اصل ہونے کا جو خدائی اعزاز حاصل ہے اس کی رو سے مخصوص مرکزیت کا تصور اپنی مصداقی تصدیق سے پیوستہ ہو جاتا ہے۔مرکزیت ومحوریت کی حقیقت کے تناظر میں " **ام ابيها** " سے تعلق رکھنے والے ہر پہلو سے سیدہؑ کائناتؑ کی عظمت ورفعت آشکار ہوتی ہے کیونکہ اصل سے مربوط ہر فرع اپنے وجودی تشخص اور صفاتی شناخت میں بالآخر اپنی اصل سے وابستہ ہوتی ہے لیکن اس باطنی وحقیقت الوجودی وابستگی میں فضیلتوں کے سلسلہ ءمراتب کا تعلق نہیں ہوتا بلکہ اصل الوجود کی حیثیت واہمیت ملحوظ ہوتی ہے، وجود مصطفیؐ ، اصل الوجود ہے کہ آنحضرتؐ کے فرمان میں مذکور وجود الاصل بھی اسی کی فرع ہے،اسی سے اصل کا فرع سے اور فرع کا اصل سے معنوی روحانی ثبوتی وبقائی ربط وتعلق بھی معلوم وآشکار ہو جاتا ہے کہ جس بناء پر میں ان دونوں ہستیوں کی بابت کہتا ہوں کہ سیدہؑ اصل ہیں اور حضورؐ اصل الاصل ہیں۔

عین ممکن ہے کہ یہ بات ذہن کے دریچے میں خطور کرے کہ وجودی حوالہ سے سیدہؑ کائنات سلام اللہ علیہا کو بیٹی ہونے کے ناطے اصل کی بجائے فرع کی حیثیت حاصل ہے لہٰذا انہیں اصل قرار دینا کس معنی میں درست بنتا ہے اور اسے کس طرح قرین صحت قرار دیا جا سکتا ہے، یعنی بیٹی، باپ کے لئے کس طرح اصل ہو سکتی ہے اور اس کی معنوی حیثیت سے مربوط حقائق کا ادراک کیونکر ممکن ہے ؟

تو اس کا جواب واضح وروشن ہے کہ یہاں اصل سے مراد نسبی اصل نہیں کیونکہ نسبی حوالہ سے حضورؐ کی ذات اقدس ہی اصل ہیں اور سیدہؑ کائنات سلام اللہ علیہا کو فرع ہونے کا اعزاز حاصل ہے اور فرع بھی ایسی کہ جس کی وجودی نسبی نظیر نہیں ملتی۔نسب ونسبت میں فرع ہونے کا حوالہ بھی سیدہؑ کائنات سلام اللہ علیہا کی مخصوص امتیازی صفت ہے اور اس موضوع سے مربوط مقام پر ثابت ہو چکا ہے کہ نسبی ونسبتی فرع ہونے میں بھی سیدہؑ کائناتؑ کے ساتھ کوئی شریک نہیں بلکہ وہ اس حوالہ میں بھی منفرد ہیں اور اکیلی واکلوتی ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں۔بہر حال یہ ایک تاریخی موضوع ہے جس کی بابت یہاں بحث کرنا طوالت کا باعث ہوگا۔

حقیقت الوجود کی معنوی وحدت

حدیث کساء میں مذکور ارشاد الٰہی کی روشنی میں سیدہ ءِ کائناتؑ کو مرکز تعارف اہل بیتؑ ہونے کی جو امتیازی صفت حاصل ہے اس میں بھی آپ کے ساتھ کوئی شریک نہیں۔ "**ھم فاطمۃ و ابوھا و بعلھا و بنوھا**" کے الفاظ اس مرکزیت کی زندہ و تابندہ علامت ہے۔ اس علامت سے مربوط صرف ایک شخصیت ہی کو دیکھیں تو معلوم ہو جائے گا کہ اس مرکزیت کی کمالی وسعت کس قدر ہے۔ حضرت خاتم الانبیاء سید المرسلین حبیب کبریا محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس اللہ تعالیٰ کے بعد کائنات میں سب سے افضل و برتر اور اکمل ہیں۔ ان کی معرفت و پہچان کا ذریعہ و وسیلہ اور سبب حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو قرار دے کر اللہ تعالیٰ نے ان کی حقیقت الوجود اور وجود الحقیقت سے آگاہی دلائی ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا جا چکا ہے کہ "**ام ابیھا**" کے الفاظ سے حقیقت الوجود کی معنوی وحدت کا بیان مقصود ہے مراتب فضیلت کا اظہار مقصود نہیں۔ سید کائناتؐ کو اللہ تعالیٰ نے جن عظمتوں سے نوازا اور جن کمالات کا مجموعہ و آئینہ دار قرار دیا ان کی وجودی مظہریت کا نکتہ ءِ مرکزی اس حوالہ سے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا ہیں کہ انہیں ہی اپنے عظیم باپ کی نسل و ذریت کی بقاء و تسلسل کا ذریعہ قرار دیا گیا جس کی بناء پر ان کی اولاد، اولاد رسولؐ کہلائی۔ یقیناً جس باپ کی بیٹی اس قدر عظیم ہو وہ باپ خود کتنا عظیم ہوگا کہ یہ اس کا پارہ ءِ گوشت و لخت جگر ہے، البتہ یہ بات واضح ہے کہ حضورؐ کو اپنی وجودی مظہریت کے لئے کسی کی احتیاج نہیں، بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کے مقرر کردہ نظام الاسباب کا حصہ ہے، جس طرح جبریل امینؑ وحی کا وسیلہ ہیں جو کہ یقیناً حضورؐ سے افضل نہیں کیونکہ ان کے درمیان فضیلت کا تقابل ہی نہیں، حضور افضل الکائنات ہیں، اصل الکائنات ہیں،

لفظ "ام" کو اصل کے معنی میں لیں۔۔ جو کہ اس کا حقیقی معنی ہے۔۔ تو سیدۂ کائناتؑ کو اصل کائنات بھی کہا جا سکتا ہے اور وہ یوں کہ جب سید الانبیاءؐ کی حقیقت الوجود میں وحدانی اصل ہونے کی معنوی نسبت سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کو حاصل ہو تو حضورؐ کی ذات گرامی قدر چونکہ اصل الکائنات ہیں کہ ان کے وجود کی بدولت پوری کائنات کو وجود کی نعمت حاصل ہوئی یعنی اگر حضورؐ نہ ہوتے تو عالم الکون میں کوئی چیز وجودی مظہریت حاصل نہ کر سکتی، اسی معنی و حقیقت کو حدیث قدسی میں ان الفاظ میں بیان کیا جاتا ہے:

"**لولاک لما خلقت الافلاک**" کہ اگر تو نہ ہوتا تو میں کائنات میں کوئی چیز پیدا نہ کرتا، یعنی تیرا وجود

،کائنات کو وجود عطا کیے جانے کا نورانی سبب۔ وجہ تخلیق۔ ہے۔ وسیلہ ظہور ہے، ذریعہ اظہار ہے،

گویا ہر شے کا وجود، سید الانبیاءؐ کے وجود کی برکت وفیض کا مرہون منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو خلق فرمایا بلکہ یوں کہوں کہ اللہ نے سب سے پہلے حضورؐ کے نور اقدس کو وجودی صورت عطا فرمائی جس کا اظہار خود آنحضرتؐ نے واضح وصریح طور پر ان الفاظ میں فرمایا:

" **اول ما خلق الله نوری** " کہ سب سے پہلے اللہ نے میرا نور پیدا کیا،

یعنی حضورؐ کے نور کو اولیت حاصل ہوئی اور اسی کے فیض اور تجلی سے اللہ تعالیٰ نے کائنات کو خلعتِ وجود سے نوازا کہ اگر حضورؐ کا وجود نہ ہوتا تو کائنات میں کچھ نہ ہوتا۔ انہی کی برکت سے اللہ نے سب کو وجود بخشا، انہی کے طفیل اللہ نے کائنات کو بقاء عطا فرمائی ہے۔

دوسری جانب حضورؐ نے ارشاد فرمایا:

" **فاطمة بضعة منی** "، (فاطمہؑ میرا ٹکڑا، حصہ ہے،)

اس میں حقیقت الوجود میں اصل و فرع کے حوالوں سے بالاتر ہوکر جس مقام ومنزلت کو بیان کیا گیا ہے اس کے تناظر میں "منیت" کو معرفت کا معیار قرار دیا جائے تو تمام پہلو بخوبی واضح ہو جائیں گے اور ظاہری نسب کی نسبتوں سے ماوراء ایک حقیقت سامنے آئے گی جس کی بناء پر حضورؐ نے سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کو '**بضعة منی**' کہنے کے ساتھ ساتھ "**ام ابیها**" کا لقب عطا کیا، تاکہ دونوں جملوں کی معنوی پیوستگی واضح وآشکار ہو سکے۔ یہاں بضعۃ ہونا بھی مخصوص حوالہ کا امین ہے جو مادی نسبت سے قطعی مختلف ہے، یہی صورت " **ام ابیهـــا** " کی معنوی حقیقت میں پائی جاتی ہے کہ اس میں امومت کا تعلق مادی معنی ونسبت کے حوالوں سے بالاتر اور ماوراء روحانی معیار کا حامل ہے۔

نورانی حقیقت الوجودی وحدانی حوالہ اس قدر مستحکم ہے کہ اس سے وابستہ تمام امور اس کے پرتو میں ہی قابل ادراک ہیں۔ جو شخص چشم بینا رکھتا ہو وہ ان نورانی حقیقتوں کا فہم حاصل کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ عظمتوں وکمالات سے مالا مال یہ ہستیاں کائنات کے وجود میں آنے کا وجودی سبب بنیں کہ اللہ نے ان کے فیضِ وجود سے ہر شے کو خلعت وجود عطا کی۔ حضورؐ نے واضح الفاظ میں اپنی تخلیقی حقیقت کا اظہار فرمایا:

" **اول ما خلق الله نوری** " (اللہ نے سب سے پہلے میرا نور پیدا کیا)

اس سے وجودی اولیت کا ثبوت ملتا ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں کثیر روایات واحادیث وارد ہوئی ہیں جن میں

آنحضرتؐ نے اپنی وجودی اولیت کو بیان فرمایا بلکہ بعض روایات میں چار ہزار، بعض میں چالیس ہزار، اور بعض میں ستر ہزار سال پہلے کے الفاظ ذکر ہوئے ہیں۔ (چالیس اور ستر کا عدد اختیار کرنے میں کیا حکمتیں پوشیدہ ہیں اس کا حقیقی علم تو اللہ ہی کو ہے یا ان ہستیوں کو ہے جنھیں اللہ نے خود آگاہ فرمایا ہے)، جیسا کہ قرآن مجید میں اس حوالہ سے ارشاد الٰہی ہوا:

"عالم الغیب فلا یظہر علٰی غیبہ احدا، الا من ارتضٰی من رسول..." ۔سورہ جن، آیت ۲۷۔ (عالم غیب ہے، کسی پر اپنا غیب ظاہر نہیں کرتا، سوائے اس کے کہ جس رسول کو چن لے)۔

بہر حال ان الفاظ سے وجودی اولیت ثابت ہوتی ہے اور یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات میں جو کچھ پیدا کیا اور جسے بھی پیدا کیا وہ آنحضرتؐ کے بعد وجود میں آیا جو کہ ان کے وجود کی برکت سے ہوا۔

حضورؐ کی خلقت نورانیہ کی بحث میں یہ موضوع الگ ہے کہ **"نوری"** کے الفاظ میں **"نور"** سے کیا مراد ہے؟ لیکن اس کی بابت اس قدر کہنا اور جاننا کافی ہے کہ اس سے آنحضرتؐ کی وجودی حقیقت نورانیہ کی طرف اشارہ مقصود ہے۔ حضورؐ کی وجودی نورانی حقیقت کو اللہ تعالیٰ نے جو اولیت عطا فرمائی اسی کی بدولت و بفیض، کائنات کو وجود عطا کیا، **اول ما خلق اللہ نوری**، اور **لولاک لما خلقت الافلاک**، کی معنوی حقیقت بھی اسی کی گواہی دیتی ہے کہ کائنات میں وجود رکھنے والی ہر چیز اپنے اصل وجود میں حضورؐ سے وابستہ ہے۔

یہ سب کچھ وجودی نورانی حقیقت کے حوالہ سے ہے اور منصبی حوالہ سے صورتحال اس سے الگ ہے کیونکہ اس میں بھی اولیت کا اختصاص ثابت ہے مثلاً آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی قدر ہے:

"کنت نبیا و آدم بین الماء والطین"۔

میں اس وقت نبی تھا جب آدم پانی اور مٹی کے درمیان تھے۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے تخلیق ابوالبشر سے پہلے آنحضرتؐ کو نبوت کا منصب عطا فرما دیا تھا۔ اب اسے بالقوہ و بالفعل کے حوالوں سے زمانی ظروف کے تناظر میں دیکھا جائے تو تمام حقائق خود بخود آشکار ہو جائیں گے لیکن یہ حقیقت ملحوظ رہے کہ آنحضرتؐ کی نبوت کا اقرار کرنے کے بعد ہی دیگر انبیاءؑ کو نبوت کا مقام عطا ہوا۔ بلکہ صرف آنحضرتؐ کی نبوت کا اقرار ہی نہیں، امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام کی ولایت کا اقرار بھی الٰہی منصب کے عطا کئے جانے میں شرط قرار پایا۔ اللہ کی وحدانیت کے اقرار کے ساتھ حضورؐ کی نبوت اور مولا علیؑ کی ولایت کا اقرار انبیاء کو منصبی فرائض سونپے جانے کا سبب بنا۔ اس موضوع سے قطع نظر جو مسئلہ ہمارے زیر نظر ہے وہ یہ کہ حضورؐ نے سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو اپنی "ماں" کہہ کر

اپنی نورانی وجودی اساس کی وحدت کا اظہار فرمایا، اگر اس سے تنازل کے ساتھ حضورؐ کے بیان کی حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ منصبی ذمہ داریوں کی ضمانت کے تناظر میں دونوں ہستیوں کے درمیان پائے جانے والے ربط و ارتباط کی نورانی جہات اس قدر عظیم و بلند ہیں کہ آپؐ نے اپنی صلبی بیٹی کو ماں کا درجہ عطا کیا، ظاہر ہے کہ وہ آپؐ کی اپنی صلبی ماں تو نہیں تھیں تو انہیں **ماں** کا درجہ دینے میں ان کی ذاتی عظمتی، کمالی، نورانی وجودی اور بقائے ذریت کی ضمانت کے حوالے لمحوظ قرار پائے، چنانچہ تاریخ اس نورانی حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ سیدۂ کائناتؑ نے اپنی پاکیزہ ترین حیاتِ طیبہ میں آنحضرتؐ سے محبت و وجودی پاسداری میں جو منفرد کردار ادا کیا وہ اس بات کا سبب بنا کہ حضرت رسول خداؐ اپنی صلبی بیٹی کو **ماں** کا لقب عطا کریں۔ اس سے قطع نظر کہ لغت القرآن سے مکہ مکرمہ کو "**ام القری**" ہونے کا جو اعزاز حاصل ہوا اس میں مرکزیت کی نسبت پوشیدہ ہے کیونکہ خانۂ خدا کا ظرف ہونے کے ساتھ ساتھ جغرافیائی حوالہ سے اس کا مقام جزیرہ نمائے عرب ہی نہیں بلکہ اس طرح سے ہے جیسے انسانی وجود میں دل کا مقام ہے۔ اسی مناسبت سے وہ دیگر خطہ ہائے ارضی کیلئے قطب الرحیٰ۔ چکی کے کیل۔ کی طرح ہے۔ اس نسبت کے تناظر میں حضورؐ کے ارشاد گرامی "**فاطمة ام ابيها**" سے سیدۂ کائناتؑ کی وجودی مرکزیت اور ذریتِ رسولؐ کی بابت مصدریت و سرچشمۂ تسلسل نسل ہونے سے آگاہی حاصل ہوتی ہے اور اس سے آنحضرتؐ کی حقیقت نورانیہ کی وجودی مظہریت اور مصداقی جلوہ گری کی نشاندہی ہوتی ہے۔ ویسے بھی عملی حقائق ان امور کی حقانیت کی شہادت دیتے ہیں کہ آنحضرتؐ، اپنی حقیقی صلبی بیٹی ہونے کے باوجود سیدۂ کائناتؑ کے ساتھ باپ بیٹی کی طرح نہیں بلکہ اولاد اور ماں جیسا طرزِ عمل اپناتے تھے مثلاً جب سیدہؑ تشریف لاتیں تو حضورؐ کھڑے ہو جاتے تھے اور جس جگہ خود بیٹھے ہوتے تھے وہاں سیدۂ کائناتؑ کو بٹھاتے، صرف یہی نہیں بلکہ پیشانی کے بوسے لیتے اور فرماتے: "**فداك ابوك**" "آپؑ پر آپؑ کا باپ قربان ہو جائے۔ عموماً اس طرح کا طرزِ عمل باپ بیٹی کی بجائے اولاد اور ماں کے درمیان ہوتا ہے۔ لہٰذا آپؐ اس انداز میں سیدہؑ کو **ماں** جیسا مقام و احترام دیتے تھے۔ سفر پر جانے سے پہلے سب سے رخصت ہو کر آخر میں سیدہؑ سے رخصت ہوتے تھے اور سفر سے واپسی پر سب سے پہلے اپنی بیٹی ہی کے گھر تشریف لاتے۔ دونوں موارد و اوقات میں حضورؐ اپنی حقیقی بیٹی سے حقیقی ماں جیسا سلوک پاتے اور بعینہ وہی برتاؤ دیکھتے جس طرح ماں اپنی اولاد کے ساتھ محبت و شفقت بھرا برتاؤ کرتی ہے۔

اعزازات کا معنوی تجزیہ

اس میں کوئی شک نہیں کہ القاب واعزازات اپنی معنوی اثرگزاری کے حوالہ سے نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں خواہ وہ حقیقی ہوں یا مجازی، علمی ہوں یا عملی، عقلائی ہوں یا عقلی، عرفی ہوں یا عرفانی، روحانی ہوں یا جسمانی، اور دنیاوی ہوں یا اخروی، ہر لقب واعزاز اپنی معنوی تاثیر کے تناظر میں خاص اہمیت کا حامل ہوتا ہے۔ یہاں ہر لقب واعزاز پر بحث و اظہارِ خیال کی بجائے صرف اسی موضوع کے بارے میں مربوطہ مطالب کے اجمالی تذکرہ پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ جو اس وقت ہمارے پیش نظر ہے یعنی حضرت خاتم الانبیاء سید کائنات حضرت محمدؐ کا اپنی عظیم بیٹی سیدہٴ کائنات حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہا کے بارے میں ارشادگرامی قدر: "فاطمة ام ابیها"، فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے۔ یہ لقب واعزاز جس معنوی و روحانی حقیقت کا حامل ہے اس پر بحث وگفتگو متعدد جہات سے قابل تصور ہے مگر ہم اس سلسلہ میں چند پہلوؤں ہی کے تناظر میں مربوطہ مطالب ذکر کریں گے اور موضوع کی مناسبت سے اس کا تجزیاتی تقابل یا تقابلی تجزیہ کرتے ہوئے اہم ترین نکات بیان کرنے کی سعادت حاصل کریں گے تاکہ آنحضرتؐ کے ارشادگرامی قدر کی روشنی میں بعض حقائق سے آگاہی حاصل ہوسکے اور حضورؐ کی نگاہ حقیقت آگاہ میں سیدہؑ کے مقام ومنزلت کی مربوطہ جہات واضح ہوں۔

اللہ تعالی نے حضورؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا:

"ما كان محمد ابا احد من رجالكم ولكن رسول الله و خاتم النبيين"،

(سورہ احزاب، آیہ ۴۰)

(محمدؐ تم مردوں میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں)۔

اس واضح وصریح بیان کی روشنی میں جس نسبی نسبت کی نفی سے آگاہی حاصل ہوتی ہے وہ کسی وضاحت کی محتاج نہیں۔ اگرچہ اس میں لفظ "**من رجالكم**" بھی بعض حوالوں سے غورطلب ہے اور شاید بعض اہم مطالب کی طرف اشارہ بھی ہو، لیکن اس مخصوص بحث سے قطع نظر صرف اس میں **ابوت** (باپ ہونے) کے رشتہ کی نفی کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس حقیقت کا انکار ممکن نہیں کہ یہاں نسبی نسبت موردتوجہ ہے، جس کی نفی ہوئی ہے، جبکہ ایک حدیث میں آنحضرتؐ کا یہ بیان بھی موجود ہے جس میں ابوت کے ایک مخصوص معنی کا اشاراتی بیان ہے:

يا على انا و انت ابوا هذا الامة،

اے علیؑ، میں اور آپؑ اس امت کے دو باپ ہیں۔

یہاں نسبی نسبت ملحوظ نہیں بلکہ نسبی نسبت سے قطع نظر ایک معنوی حقیقت مورد توجہ ہے کہ جو آنحضرتؐ اور مولائے کائناتؑ کے منصبی تقاضوں کے تناظر میں یقینی حقیقت کی حامل ہے۔ امت کی ابوت کا حوالہ صرف ادب و احترام اور ظاہری انتساب سے مربوط نہیں بلکہ حقیقی و حقوقی حیثیتوں میں عملی تقاضوں کی تکمیل سے ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو جو عظیم مقام و منزلت عطا فرمائی ہے اس کا بنیادی تقاضہ، ابوت کی نسبی نسبت سے کہیں زیادہ ٹھوس و مستحکم اور وسیع تر ہے۔ اللہ نے آپؐ کی مطلق اطاعت اپنی مخلوق پر واجب قرار دی ہے اور صرف یہی نہیں کہ آپ کی اطاعت کا حکم دے کر لوگوں کو اس کی بابت اختیار دے دیا ہو بلکہ آپؐ کے فیصلوں پر کسی کو چوں و چرا کرنے کا حق بھی نہیں دیا اور سب پر لازم قرار دیا کہ وہ جو فیصلہ کریں اس پر عمل کرتے ہوئے اپنی ایمانی حیثیت کا تحفظ کریں۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

" ما کان لمومن ولا مومنة اذا قضی اللّٰہ و رسوله ان یکون لھم الخیرة من امرھم "۔ (سورہ احزاب، آیت ۳۶)

(کسی مومن و مومنہ کو اللہ اور اس کے رسولؐ کے فیصلہ کے بعد اپنے امور میں کسی طرح کا کوئی اختیار حاصل نہیں)۔

یہاں یہ بات قابل توجہ ہے کہ رسول اللہؐ کا فیصلہ چونکہ اللہ ہی کا فیصلہ ہوتا ہے اور آپؐ اپنی مرضی سے نہ تو کوئی بات کرتے ہیں اور نہ ہی کوئی کام کرتے ہیں بلکہ آپؐ کا قول و عمل مشیت ایزدی کا ترجمان ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اطاعت کا حکم اپنی اطاعت کے حکم کے ساتھ ہی ذکر فرمایا:

" قل اطیعوا اللّٰہ و الرسول فان تولوا فان الله لا یحب الکافرین "۔

۔سورہ آل عمران، آیت ۳۲۔

(کہہ دیجیے کہ اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی، لیکن اگر تم روگردانی کرو تو اللہ کافروں کو پسند نہیں کرتا)

صرف یہی نہیں بلکہ اولوالامر یعنی اللہ کے منتخب و مقرر کیے ہوئے معصوم ہادیوں کی اطاعت کا حکم بھی اپنی اور اپنے رسولؐ کی اطاعت کے حکم کے ساتھ ساتھ دیا تا کہ یہ حقیقت واضح ہو جائے کہ خدا کی اطاعت، رسولؐ کی اطاعت اور اولوالامر کی اطاعت کے حوالہ سے کسی طرح کا لیت و لعل نہیں ہو سکتا بلکہ جس طرح اللہ کی اطاعت مطلق ہے اسی طرح رسول اللہؐ کی اطاعت بھی مطلق ہے اور اللہ کے منتخب و مخصوص ہادیوں کی اطاعت بھی مطلق ہے اور اس میں بندوں کو ان کی فرماں برداری کے علاوہ کوئی حق حاصل نہیں ہے۔

''**اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم** ''۔سورہ نساء آیت ۵۹۔
(اطاعت کرو اللہ کی اور رسول کی اور اپنے اولواالامر کی،)

اولواالامر کی بابت اہم نکتہ

اس مقام پر اس نکتہ کا اشارہ ضروری ہے کہ جس طرح رسول کا انتخاب اللہ کرتا ہے اور بندوں میں سے کسی کو اس کا اختیار حاصل نہیں اسی طرح اولواالامر کا تعین بھی اللہ کے ہاتھ میں ہے اس میں لوگوں کی آراء ومشاورت وغیرہ کا ہرگز کوئی دخل نہیں۔ شاید اسی وجہ سے مطلق اطاعت کا حکم صادر ہوا ہے کیونکہ جس کی اطاعت کا حکم خداوند عالم دے اس کا معصوم ہونا ضروری ہے۔ یہ اطاعت والدین کی اطاعت کی طرح نہیں بلکہ خود اللہ کی اطاعت کے ساتھ ملی ہوئی ہے۔ والدین کے حوالہ سے احسان کا حکم ہے اور اس میں واضح وصریح الفاظ میں ارشاد ہوا: **وبالوالدین احسانا** ۔(اور والدین کے ساتھ نیکی کرو)

ان الفاظ وتعبیرات کی روشنی میں آنحضرتؐ کی ابوت (باپ ہونے) کا معنی ومفہوم واضح جاتا ہے کہ اس میں مادی وجودی حوالہ ہرگز ملحوظ نہیں اور نہ ہی کوئی نسبی نسبت مدنظر ہے بلکہ ان سے بالاتر معیار کا اشاراتی حوالہ ہے،

کس قدر مہربان ہے وہ ذات کہ جس نے اپنے پیارے رسول کو رحمت بنا کر بھیجا اور انہی کے فیض و برکت سے مخلوق کو فوری سزا دینے سے بچالیا یعنی اس امت کو امت **مرحومہ** قرار دیا جبکہ سابقہ امتوں پر ان کے کیے کی سزا اس وقت آجاتی تھی۔ اس بناء پر اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ تم میں سے کسی کے باپ نہیں یعنی ابوت کا جو عام نسبی حوالہ ہے وہ ان کے اور تمہارے درمیان نہیں پایا جاتا بلکہ اس حوالہ سے کہیں بالاتر حوالہ ان کے رسولؐ اور خاتم النبیین ہونے کا ہے کہ جس کا تقاضہ یہ ہے کہ ان کی مطلق اطاعت کی جائے اور ان کے کسی حکم وفیصلہ پر چوں وچرا نہ کی جائے۔ لیکن جہاں تک حضورؐ کے اس ارشاد گرامی کا تعلق ہے کہ میںؐ اور علیؑ اس امت کے دو باپ ہیں تو اس میں اطاعت کے ساتھ ساتھ احسان کا معنی مطلوب ومقصود اور ملحوظ ہے کہ اس کی حقیقی معنویت کے تناظر میں اس کے تقاضوں کی تکمیل واجب ہے۔ گویا دونوں حوالوں سے حضورؐ کی اطاعت کا اطلاق ثابت ہوتا ہے۔ (نبی، رسول، امت کے باپ)۔

اب آنحضرتؐ کا ارشاد گرامی قدر اپنا حقیقی مفہومی پہلو واضح کرتا ہے کہ حضرت رسول اللہؐ نے سیدہ فاطمہؑ کو اپنی

ماں کہا، تو بظاہر اس سے اس کا حقیقی و معنوی مفہوم اس حوالہ سے دعوتِ عمل دیتا ہے کہ نسبی احترام سے قطع نظر حقوقی و حقیقی حرمت کی عملی پاسداری مطلوب ہے۔ اس کی روشنی میں جب ہم تجزیاتی تقابل کرتے ہیں تو معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ نے کن امور کے پیش نظر اس طرح کے الفاظ استعمال کیے اور ان الفاظ میں کون سی حقیقت کا اشارہ مطلوب تھا اور اس سے اپنی امت کو کیا پیغام دینا مقصود تھا۔

قرآنی آیات کا استشہادی حوالہ

قرانی بیانات میں سورہء احزاب کی آیت ۶ ہمارے پیش نظر ہے جس میں خداوند عالم نے آنحضرتؐ کے مقام اولویت کے بیان کے ساتھ ساتھ آپ کی ازواج کے بارے میں جو مخصوص الفاظ استعمال فرمائے وہ ہمارے موضوع کی متعدد جہات کو واضح کر دیتے ہیں:

"النبی اولیٰ بالمؤمنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم"۔

نبی، مومنین پر خود ان سے زیادہ حق رکھتے ہیں، اور ان کی ازواج مومنین کی مائیں ہیں۔

اس آیت میں پہلے آنحضرتؐ کی اولویت بیان ہوئی، اس کے بعد ازواج النبیؐ کے حوالہ سے ان کی مومنین سے نسبت اور اس کی معنوی حیثیت سے آگاہی دلائی گئی۔ آنحضرتؐ کا اولیٰ بالتصرف ہونا ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر ہے۔ آپؐ ہر مومن ومومنہ کے بارے میں جو حق رکھتے ہیں وہ خود مومن ومومنہ اپنے بارے میں نہیں رکھتے۔ اسی لئے آنحضرتؐ کے فیصلے کو "حرفِ آخر" ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ آپؐ کی منصبی حیثیت اس طرح کی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کے ہر عمل کو اپنا عمل اور آپؐ کے ہر قول کو اپنا قول قرار دیا، بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ جو لوگ آپؐ کے دست مبارک پر بیعت کرتے تھے ان کے بارے میں خداوند عالم نے ارشاد فرمایا کہ وہ لوگ جو آپؐ کی بیعت کرتے ہیں وہ دراصل اللہ کی بیعت کرتے ہیں:

(ان الذین یبایعونك انما یبایعون الله)۔۔سورہء فتح، آیت ۱۰۔۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو کسی بھی ظاہری مادی وجودی نسبی نسبت سے بالاتر مقام عطا فرمایا ہے۔

ابوت کی نسبت مخصوص حقوق کے تناظر میں اپنی مخصوص حیثیت رکھتی ہے۔آنحضرتؐ کی اولیت کے ساتھ ساتھ آپؐ کی ازواج کے لئے ''امھات'' ہونے کا اعزازی بیان بھی حضورؐ سے انتسابی تعلق کی بناء پر ہے کہ انہیں ''امھات'' یعنی مائیں قرار دیا گیا جبکہ اس نسبت میں بھی نسبی حوالہ ہرگز ملحوظ نہیں بلکہ صرف انتسابی جہت ملحوظ ہے۔جن خواتین کو حضورؐ سے انتسابی نسبت کی بناء پر ''امھات'' ہونے کا اعزاز ملا اس میں نہ تو ان کا ماضی ملحوظ ہوا، نہ حال اور نہ مستقبل اور نہ ہی خاندان حوالہ و نسبت ملحوظ قرار پائی بلکہ صرف حضورؐ سے انتسابی حوالہ مدنظر قرار پایا ورنہ تینوں زمانوں میں ان کی عملی، اعتقادی، معاشرتی و نسبی تاریخ مختلف ہے، ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ سے انتساب سے پہلے اور بعد کے زمانوں میں یقیناً فرق ہے، آپؐ کی صحبت ومصاحبت عظیم اعزاز ہے جس کی عملی پاسداری عظمتوں کی ضمانت دیتی ہے۔اس اعزاز کی عملی پاسداری کی بھرپور تائید وتاکید قرآن مجید میں مختلف انداز میں وارد ہوئی ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کو مخاطب کر کے یوں ارشاد فرمایا:

'' یا نساء النبی لستن کاحد من النساء ان اتقین فلا تخضعن بالقول فیطمع الذی فی قلبہ مرض وقلن قولا معروفا، وقرن فی بیوتکن ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولیٰ واقمن الصلوٰۃ وآتین الزکوٰۃ واطعن اللہ ورسولہ، انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا، واذکرن ما یتلیٰ فی بیوتکن من آیات اللہ والحکمۃ، ان اللہ کان لطیفا خبیرا''۔۔۔ سورہ احزاب، آیت ۳۳۔۔

(اے نبی کی بیویو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو، تم اپنی آوازوں کو زیادہ نہ جھکاؤ کہ مریض دل شخص طمع کا شکار ہو جائے گا، بلکہ اچھے انداز میں بات کرو، اور تم اپنے گھروں ہی میں رہو، اور تم پہلے زمانہ جاہلیت کا زیب وزینت نہ کرو، تم نماز ادا کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو، اللہ کا ارادہ ہے کہ تم سے رجس کو دور رکھے اے اہل بیت، اور تمہیں اس طرح پاک رکھے جس طرح پاک رکھنے کا حق ہے، اور تم اللہ کی ان آیات وحکمت کی باتوں کو یاد کرو جو تمہارے گھروں میں پڑھی جاتی تھیں، بے شک اللہ نہایت مہربان وآگاہ ہے)

آنحضرتؐ سے نسبت پر مبنی اعزاز کا اشاراتی تذکرہ کرتے ہوئے حضورؐ کے ارشاد گرامی **''فاطمۃ ام ابیھا''** کے معنوی ومفہوی نکات سے قدرے آگاہی کا حصول مطلوب ہے۔اللہ تعالیٰ نے حضورؐ سے زوجیت کی نسبت کی حامل خواتین کو مومنین کی ''مائیں'' کہا، اس میں حقوقی حوالہ کے ساتھ ساتھ بعض دیگر اہم نکات بھی ملحوظ ہیں کہ جن میں ان خواتین سے

ازواجی تعلقات کی حرمت بھی شامل ہے۔(یہ بھی حضورؐ کی امتیازی خصوصیات میں شامل ہے کہ ان کی رحلت کے بعد کسی کے لئے ان کی ازواج میں سے کسی سے شادی کرنے کی اجازت نہیں) اگر یہ حکم نہ ہوتا تو انسانی حقوق کی پامالی کا سب سے بڑا مرتکب و مجرم اور اسلامی تاریخ کا بدنام ترین جابر و ظالم حکمران یزید، ام المومنین عائشہ سے شادی کرنے کے اپنے ناپاک ارادے میں کامیاب ہو جاتا، لیکن اللہ تعالی نے اس طرح کے مجرموں کا راستہ روکنے کیلئے حضورؐ سے انتسابی تعلق کی حامل خواتین کی بابت مخصوص احکام صادر فرما کر انہیں "ماؤں" کی حیثیت میں متعارف کروایا تاکہ کوئی ہوس پرست شخص کسی بھی نیت وارادہ کے ساتھ ان کی طرف اپنی نگاہ بد نہ اٹھا سکے، اور اس حوالہ سے ان کی حیثیت ماں کی ملحوظ و مدنظر رہے۔

تاریخ کا ایک شرمناک واقعہ

تاریخ کی ایک نہایت تلخ حقیقت یہ بھی ہے کہ یزید بن معاویہ نے ام المومنین حضرت عایشہ سے شادی کرنے کی خواہش کی اور اسے اس مذموم ارادہ سے روکنے کے لئے یہ آیت پڑھی گئی جس میں لوگوں کو حضورؐ کی ازواج سے شادی کرنے سے منع کیا گیا تو وہ اپنی ناپاک خواہش کو پورا نہ کر سکا، آیہ مبارکہ یہ ہے:

"یایھا الذین آمنوا لا تدخلوا بیوت النبی الا ان یوذن لکم الی طعام غیر ناظرین انیه ولکن اذادعیتم فادخلوا فاذا طعمتم فانتشروا ولا مستانسین لحدیث ان ذلکم کان یوذی النبی فیستحی منکم والله لا یستحی من الحق واذا سالتموھن متاعا فاسئلوھن من وراء حجاب ذلکم اطھر لقلوبکم وقلوبھن وما کان لکم ان توذوا رسول الله ولا ان تنکحوا ازواجه من بعده ابدا ان ذلکم کان عند الله عظیما"۔

(اے ایمان والو، نبی کے گھروں میں داخل نہ ہو، سوائے اس کے کہ تمہیں کھانے پر بلایا جائے تو اس کے برتن پر نظر نہ کرو،، لیکن اگر تمہیں بلایا جائے تو ضرور جاؤ اور جب کھانا کھالو تو منتشر ہو جاؤ اور وہاں بیٹھ کر باتوں میں نہ لگ جاؤ کیونکہ تمہارا ایسا کرنا نبی کو تکلیف دیتا ہے مگر وہ تم سے شرم کرتا ہے جبکہ اللہ حق بات کرنے سے شرم نہیں کرتا، اور اگر تم ان سے کوئی چیز مانگو تو پردہ کے پیچھے سے مانگو کہ تمہارے دلوں اور ان کے دلوں کے لئے پاکیزگی کا باعث ہے، تمہیں روا نہیں کہ تم نبی کو اذیت پہنچاؤ

اور نہ یہ جائز ہے کہ اس کے بعد کبھی اس کی ازواج کے ساتھ شادی کرو، ایسا کرنا اللہ کے نزدیک بہت بڑا گناہ ہے)۔ سورہ احزاب، آیت ۵۳۔

مورخین نے لکھا ہے کہ یزید کو جب اس آیت کا حوالہ دیا گیا تو وہ رک گیا (کتاب مدارج النبوۃ جلد ۱ص ۲۶۶، تالیف شاہ عبدالحق محدث دہلوی)۔

تاریخ کامل ج ۳ص ۲۰۰ اور تاریخ طبری ج ۶ص ۱۷۰ اور دیگر کتب کے حوالوں سے بعض مورخین نے لکھا ہے کہ حضرت عائشہ ہجرت سے ۹ سال پہلے پیدا ہوئیں اور یزید کی ولادت بانحوست ۲۷ھ کو ہوئی مگر یہ معلوم نہیں ہو سکا کہ اس نے زوجہء رسول سے شادی کی باطل تمنا کس سال میں کی لیکن حالات وقرائن سے پتہ چلتا ہے کہ جب معاویہ اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینے کی غرض سے مدینہ آیا اور حضرت عائشہ کے پاس بھی گیا اور کافی دیر ان سے باتیں کرتا رہا اور یزید بھی ساتھ تھا تو ممکن ہے اسی وقت اس نے اس خواہش کا اظہار کیا ہو، معاویہ کا مدینہ منورہ میں آنا ۵۶ھ کا واقعہ ہے، اس وقت یزید کی عمر ۲۹ سال تھی جبکہ حضرت عائشہ کی عمر ۶۵ سال تھی، خیر یہ ایک طویل تاریخی موضوع ہے، لیکن جو اہم مطلب یہاں قابل توجہ ہے وہ یہ کہ ازواج النبیؐ کو ماؤں کا انتسابی اعزاز دیا گیا تا کہ حضورؐ کی رحلت کے بعد کوئی ان سے شادی نہ کر سکے، کہ اگر یہ حکم نازل نہ ہوتا تو ان پر بھی دوسروں کی طرح عام احکام لاگو ہوتے، مگر اللہ نے اپنے نبیؐ کی نسبتی حرمت کے حوالہ سے یہ حکم صادر فرمایا اور ازواج النبیؐ کو ماؤں کا درجہ دیا جبکہ وہ مومنین کی حقیقی مائیں نہ تھیں بلکہ انتسابی مائیں تھیں۔

انتسابی حوالہ کی اہم جہتیں

''ماں'' کا مقام ومرتبہ بہت بلند ہے، اس لئے اللہ تعالی نے ازواج النبیؐ کو مومنین کی مائیں کہہ کر ان کی انتسابی حیثیت سے آگاہی دلائی، حضورؐ کی ازواج مومنین کی مائیں قرار پائیں (جبکہ وہ ان کی حقیقی صلبی مائیں نہیں)، مگر اس عظیم و جلیل القدر مقام ومرتبہ کی بابت حضورؐ کی دختر نیک اختر سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کو خود حضورؐ کی زبان وحی ترجمان کے ذریعے حضورؐ کی ماں کا اعزاز عطا کیا گیا۔ اس میں جہاں امت کے مردوں کے لئے ازواج النبیؐ کے حوالہ سے پیغام دیا گیا تھا وہاں سیدۂ کائناتؑ کے حوالہ سے تمام خواتین کو پیغام ملا کہ ان کی سیدہ وافضل ترین خاتون حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا ہیں کہ جو حضورؐ کی ''ماں'' ہونے کا اعزاز رکھتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ خود ازواج النبیؐ کے دلوں میں مومنین کی

مائیں ہونے کا اعزاز پانے کے بعد یہ خیال باقی رہے کہ جہاں مومنوں کی مائیں ہونا اعزاز ہے وہاں خود رسول اللہؐ کی ''ماں'' ہونا اس سے کہیں بڑا اعزاز ہے کہ اس کا تقابل کسی بھی حوالہ سے فضیلت و برتری میں ممکن نہیں، وہ ہستی کہ جسے خود اللہ کا سب سے بڑا رسولؐ کہ جو اللہ کے بعد کائنات میں سب سے بڑی ہستی ہے، سیدۃ نساء العالمین اور اپنے باپ کی ماں کہے، اس کی عظمت کا تقابل کسی بھی دوسرے فرد سے نہیں ہوسکتا، جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ ''کفو'' ہونے کی بابت حضورؐ کا ارشاد گرامی قدر بھی عظمت وفضیلت کی ایک مقدس جہت کا حامل ہے جس میں حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو کوئی بھی فاطمہؑ کا کفو نہ ہوتا **(لولا علی لما کان لفاطمة کفو)**۔

بہر حال ''ماں'' ہونے کا اعزاز ذاتی عظمتوں، فضیلتوں، رفعتوں اور کمالات کی جامعیت کا عکاس ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نبیؐ کی ازواج کو مومنوں کی مائیں اور علیؑ کی زوجہ کو نبیؐ کی ماں ہونے کا شرف بخشا، حضورؐ نے جس طرح سیدہؑ کائناتؑ کے لئے انتسابی واعزازی ''ماں'' کے احترامی حقوق کی عملی پاسداری کا ثبوت دیا اس سے واضح ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ بی بیؑ کے حوالہ سے کس قدر حقیقی وحقوقی جہات کا اظہار چاہتے تھے۔ ویسے بھی ذریت ونسل کے وجودی تسلسل کو قائم رکھنے اور اس مقدس سلسلہ کی بقاء کو یقینی بنانے کے لئے اللہ تعالیٰ نے سیدہؑ کائناتؑ کا انتخاب فرما کر ان کے ''ماں'' ہونے کے اعزاز کو عملی حقیقت عطا کی، ازواج النبیؐ میں سے کسی کو یہ شرف واعزاز حاصل نہ ہوا کہ حضورؐ کی ذریت کا تسلسل ان کے ذریعے قائم ہو سوائے حضرت ام المومنین خدیجۃ الکبریٰ سلام اللہ علیہا کے بطن مبارک سے جنم لینے والی حضرت ام المعصومین سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے، کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت تک اپنے نبیؐ کی نسل کی بقاء بی بیؑ کے ذریعے یقینی بنائی۔ اور ماں کے حوالہ سے یہ ایک قطعی فطری حقیقت ہے کہ وہ اپنی راحت وآرام کو اپنی اولاد پر قربان کر دیتی ہے بلکہ اس سے بالاتر یہ کہ اپنی جان بھی قربان کرنی پڑے تو اپنی اس سے بھی دریغ نہیں کرتی، اس کے لئے زندگی کی سب سے بڑی خواہش یہ ہوتی ہے کہ اس کی اولاد کو کوئی تکلیف نہ ہو خواہ وہ خود کتنی سخت تکلیف میں مبتلا کیوں نہ رہے، وہ اپنا سب کچھ قربان کر دیتی ہے مگر اپنی اولاد پر آنچ نہیں آنے دیتی، حضورؐ نے اپنے تمثیلی بیان میں انہی امور کی طرف توجہ دلائی ہے کہ میری بیٹی نے اپنا آرام میرے آرام پر اور اپنی راحت وسکون میری راحت وسکون پر قربان کر کے میری خیالداری اس طرح کی جس طرح ماں کرتی ہے، اس کے ساتھ ساتھ اپنے آپ کو باپ کی نسبت سے یوں فرمایا کہ میں اور علی اس امت کے دو باپ ہیں، تو اس میں بھی وہی معیار ملحوظ ہے، کہ انہوں نے اپنا سب کچھ امت کی سعادت ونجات کے لئے قربان کر دیا۔ اور اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے حوالہ سے صاف الفاظ میں فرمایا ہے کہ وہ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں، تو ابوت یعنی باپ ہونا انتسابی

حوالہ کا امین ہے جبکہ سیدہؑ کی نسبت سے حضورؐ حقیقی صلبی باپ ہیں۔

بقائے نسل کا راز

حضورؐ کی بقائے نسل کا راز سیدۂ کائناتؑ کے مقدس ومطہر وجود میں پوشیدہ تھا۔ کثیر تعداد میں ازواج النبیؐ میں سے کسی کو یہ اعزاز حاصل نہ ہوا مگر حقیقی صلبی اکلوتی بیٹی کو اللہ تعالیٰ نے اس کمالی صفت کا حامل بنایا کہ وہ بیٹی تھیں مگر باپ کے سلسلہء ذریت کا سرچشمہ بنیں کہ عموعاً بیٹے یا بیٹوں کے ذریعے باپ کی نسل کی بقاء وتسلسل کا نظام قائم ہوتا ہے کہ اس حوالہ سے سیدۂ کائناتؑ کی اولاد کو علوی سلسلہ سے موسوم کرنا چاہیے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے ان نورانی حقیقت کی حامل ہستیوں کو دنیا کی عام نسبتوں سے مافوق مقام عطا فرمایا۔ چنانچہ اس کا اظہار خود آنحضرتؐ نے اپنی زبان حقیقت ترجمان سے فرمایا کہ انبیاء کی نسلیں ان کے بیٹوں کے ذریعے چلیں اور ان کی بقائے ذریت ان کے بیٹوں کے ذریعے یقینی ہوئی مگر اللہ تعالیٰ نے میری ذریت و نسل کا تسلسل و بقاء اور دوام میری بیٹی کے ذریعے یقینی بنایا۔ یہی وجہ ہے کہ آنحضرتؐ سیدہؑ کی اولاد یعنی حضرت امام حسنؑ اور حضرت امام حسینؑ کو اپنے بیٹے کہتے تھے، اس سلسلہ میں مباہلہ کا واقعہ گواہ ہے جس میں امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو'' **ابنائنا** '' کے طور پر حضورؐ اپنے ہمراہ لے گئے۔

یہاں موضوع کی مناسبت سے اس نکتہ کا تذکرہ بھی ضروری ہے کہ مباہلہ میں لفظ ''**نسائنا**'' استعمال ہوا کہ عام طور پر اس کی استعمالی جہت کے حوالہ سے اس کا معنی یا مفہوم ازواج کے لئے ملحوظ ہوتا ہے نہ کہ بیٹی یا بیٹوں کے لئے، جبکہ آیت مباہلہ میں یوں ارشاد ہوا:

" فمن حاجك فيه من بعد ما جائك من العلم فقل تعالوا ندع ابنائنا وابنائكم ونسائنا ونسائكم وانفسنا وانفسكم ثم نبتهل فنجعل لعنة الله على الكاذبين " (سورہ آل عمران، آیت ۶۱)

(جو شخص آپ کے پاس علم آنے کے بعد بھی آپ سے بحث ومجادلہ کرے تو کہہ دیجئے کہ تم آؤ، ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں اور تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ، ہم اپنی عورتوں کو بلائیں، تم اپنی عورتوں کو بلاؤ، ہم اپنے نفسوں کو بلائیں اور تم اپنے نفسوں کو بلاؤ، پھر ہم مباہلہ کریں، تو جھوٹوں پر اللہ کی لعنت قرار دیں)

یہ آیت نصاریٰ سے بحث و گفتگو کے بعد اس وقت نازل ہوئی جب آمنے سامنے آ کر ایک دوسرے کے خلاف بددعا کرنے کا معاملہ طے ہوا اور نجران کے نصاریٰ کی بلند پایہ شخصیات میدان میں آ گئیں۔ ادھر حضرت رسول خداؐ نے اپنے ساتھ "**انفسنا**" کی جگہ مولائے کائنات امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی طالبؑ کو، "**ابنائنا**" کی جگہ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کو اور "**نسائنا**" کی جگہ سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کو لیا۔ جب نصاریٰ نے ان ہستیوں کو دیکھا تو ان کے سردار نے کہا:

"یا معشر النصاریٰ انی لاریٰ وجوھا لو قسمت علی الله ان یزیل الجبال من اماکنھا لازالھا فلا تباھلوا فتھلکوا ولا یبقیٰ علیٰ وجه الارض نصرانی الیٰ یوم القیامة"

(اے قوم نصاریٰ، میں ایسے روشن چہرے دیکھ رہا ہوں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کو قسم دیں کہ پہاڑوں کو ان کی جگہ سے ہٹا دے تو وہ ضرور ہٹا دے گا، ان سے مباہلہ نہ کرو ورنہ تباہ ہو جاؤ گے اور قیامت تک روئے زمین پر کوئی نصرانی باقی نہ ہوگا)۔ تفسیر کبیر، جلد ۸، ص ۸۵۔

چنانچہ وہ مباہلہ کرنے سے منہ موڑ گئے۔ اس سلسلے میں تفصیلات کتب تفسیر و حدیث میں موجود ہیں۔ لیکن جو اہم ترین نکتہ ہمارے زیر نظر موضوع سے مربوط ہے وہ یہ کہ آنحضرتؐ نے جہاں "**انفسنا**" کی جگہ اپنے چچا زاد بھائی اور داماد مولا علیؑ کو ساتھ لیا جبکہ دیگر متعدد اصحاب کرام بھی موجود تھے مگر ان میں سے کسی کا نام کسی کتاب میں مذکور نہیں کہ اگر وہ بھی اس شرف کے حامل ہوتے تو کم از کم کسی ایک کو تو ہمراہ لے ہی جاتے۔ اور "**ابنائنا**" کی جگہ اپنے نواسوں کو ساتھ لے گئے جبکہ لفظ "**ابنائنا**" بیٹوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بیٹی کے بیٹوں کو اپنے بیٹے ہونے کا عملی ثبوت فراہم کیا، اور "**نسائنا**" کی جگہ صرف سیدۂ کائناتؑ یعنی اپنی بیٹی کو ہمراہ لے گئے جبکہ اس وقت ازواج بھی موجود تھیں۔ عربی زبان میں لفظ "**نساء**" (عورتیں) کا صنف نازک کی ہر فرد پر اطلاق ہوتا ہے لیکن جب اضافت کے ساتھ مذکور ہوں تو عموماً اس سے بیویاں مراد لی جاتی ہیں، جبکہ یہاں ایسا نہیں ہوا بلکہ عمومی معیار سے بالاتر ایک معنوی حقیقت ملحوظ قرار پائی۔ اور حضورؐ اسی معنوی حیثیت کا اظہار ہی چاہتے تھے۔

لفظ "**امراۃ**" عورت اور لفظ "**زوجه**" بیوی کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

لفظ "**نسوۃ**" (ن کے نیچے زیر کے ساتھ)، "**نسوۃ**" (ن پر پیش کے ساتھ)، "**نساء**" (ن کے نیچے

زیر کے ساتھ)، " **نسوان** "، " **نسون** "، اور " **نسنین** " تمام الفاظ کا ایک ہی معنی ہے یعنی عورتیں، ان الفاظ میں سے کسی ایک کا لفظی فرد کوئی نہیں بلکہ یہ سب " مرئۃ " کی جمع کے صیغے ہیں، یہ لفظ بیٹی، بیوی، ماں، بہن اور دیگر خواتین کی دیگر اصناف کیلئے استعمال ہوتا ہے، اور دیگر ازواج کی موجودگی میں آنحضرتؐ کا صرف اپنی بیٹی کو ہمراہ لیجانا سیدہ کائناتؑ کی وجودی خصوصیت کا بین ثبوت ہے۔

واقعۂ مباہلہ آنحضرتؐ کی حیات طیبہ کے آخری سالوں میں ہوا، اس وقت ازواج النبیؐ میں سے بھی کئی خواتین موجود تھیں، ان کی تفصیلات کتب تاریخ میں مذکور ہیں مگر حضورؐ کا ان میں سے کسی ایک کو ساتھ نہ لیجانا اس حقیقت کی نشاندہی کرتا ہے کہ اس موقعہ پر مخصوص ہستیوں کا انتخاب ان کی مخصوص عظمتوں کے ساتھ خداوند عالم کی طرف سے ہوا تا کہ ان کی نورانی حقیقت واحدہ کی منصبی تجلی سے واضح ہو جائے کہ وہ اپنی وجودی حقیقتوں کے ساتھ توحید ورسالت کی صداقت کی گواہ بنائی گئی ہیں۔ خواتین میں سے صرف سیدہ کائناتؑ تھیں کہ حضورؐ کی بیٹی، مولا علیؑ کی زوجہ اور حسنین شریفینؑ کی والدہ، گویا تمام بنیادی رشتے ایک ہی وجود مقدس میں یکجا تھے۔ عظیم باپ کی عظیم بیٹی، عظیم شوہر کی عظیم زوجہ، عظیم بیٹوں کی عظیم ماں، ۔ ہمارا اسلام ہو رسول زادیؑ کی وجودی، نورانی، منصبی، نسبی، انتسابی، حقیقی وحقوقی عظمت پر۔

وجودی تطبیق کی عملی تجلیات

یوں تو مباہلہ کے مخصوص واقعہ میں وجودی نورانی حقیقت کا عملی اظہار ہوا لیکن مباہلہ کے واقعہ سے قطع نظر لفظ **"ام ابیھا"** کے حوالہ سے دیکھا جائے تو یقیناً اس کے تمام ممکنہ معانی کی وجودی تطبیق سیدہ کائناتؑ پر ہوتی ہے، عربی زبان میں لفظ **"ام"** اصل الوجود اور مقدم الشی، دونوں معانی میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ ان کے تناظر میں حدیث کساء میں ملائکہ کے سوال پر کہ چادر کے نیچے کون ہیں؟ (**یارب ومن تحت الکساء**) خدا نے فرمایا: " **ھم فاطمۃ و ابوھا و بعلھا و بنوھا** " وہ فاطمہؑ ہیں، ان کے والد گرامی قدرؐ ہیں، ان کے شوہر نامدارؑ ہیں اور ان کے فرزندان ذی وقارؑ ہیں۔ ان بناء پر سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا، اپنی وجودی حقیقت کے ساتھ نبوت وامامت کے درمیان نقطۂ وصل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ حقیقت مقدسہ نورانیہ محمدیہؐ کے ظہور کی علامت ہیں۔ انہی سے سلسلۂ امامت کو بقاء حاصل ہوئی۔ انہی کی بدولت آئمہ اطہارؑ کے پاکیزہ وجودات سے وجود نبویؐ کی مقصدیت کو تحفظ ملا، شاید اسی نقطۂ وصل وربط کا عملی اشارہ مباہلہ کے دن ہوا

جب سیدۂ کائناتؑ، نبوت وامامت کے درمیان عصمت کی علمبردار بن کر کھڑی تھیں، اوران کے مقدس مشن کی بقاء و پشت پناہی کی ضمانت قرار پائی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے نہ تو ازواج میں سے کسی کے بطن سے ذریت ونسلِ نبیؐ کا سلسلہ قائم کیا اور نہ ہی کسی پروردہ بیٹی سے اس مقدس سلسلہ کو مربوط کیا بلکہ یہ اعزاز صرف ایک ہی حقیقی صلبی بیٹی کو ملا کہ جسے حضورؐ نے متعدد حوالوں کے پیش نظر ''**ام ابیھا**'' کالقب دیا۔ اس حوالہؑ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ ازواج النبیؐ کو ''**امھات المومنین**'' کہا گیا تو سیدۂ کائناتؑ کو ''**ام المعصومین**'' ہونے کا اعزاز حاصل ہوا۔ یہ اعزاز نہ تو حضورؐ کی کسی زوجہ کو ملا اور نہ ہی کسی دوسری خاتون کو، خواہ وہ آنحضرتؐ کی آغوش مقدس کی پروردہ بیٹیاں ہی کیوں نہ ہوں، اس مقام پر یہ اشارہ ضروری ہے کہ آنحضرتؐ کی بیٹیوں کے حوالہ سے جو بحث کی جاتی ہے کہ ایک تھی یا چار تھیں، تو اس میں حقیقت الامر کی وضاحت ہم نے اپنی کتاب ''**برکات استغاثہ سیدۃ فاطمۃ الزھراءؑ**'' میں کی ہے اور ٹھوس دلائل کے ساتھ ثابت کیا ہے کہ حضورؐ کی ایک ہی صلبی بیٹی حضرت سیدہ فاطمۃ الزہراءؑ تھیں اور دیگر تین بیٹیاں ربائب یعنی آپؐ کے سایہء شفقت میں پرورش یافتہ تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان میں سے بھی کسی کو نسل و ذریتِ رسولؐ کے تسلسل و بقاء کا سبب ہونے کا شرف عطا نہیں فرمایا۔ اس بحث کی تفصیلات ہماری مذکورہ بالا کتاب میں موجود ہیں، یہاں اس تاریخی موضوع پر مزید بحث واظہار خیال کی ضرورت نہیں، جس کو جو نسبت رسول اللہؐ سے ہو جائے وہ اس کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔

منفرد اعزاز کا منفرد اظہار

سیدۂ کائناتؑ کو اہل بیت علیھم السلام کے تعارف کا وسیلہ وسبب قرار دیا جانا ایک ایسا منفرد اعزاز ہے کہ جس میں کوئی دوسرا شریک نہیں۔ اسی طرح ''ماں'' ہونے کا ذاتی فضیلتی وکمالی اعزاز بھی سیدہؑ ہی کو حاصل ہے، جس طرح رسول اللہؐ نے سیدۂؑ کو ''ماں'' کے لقب سے نوازا، سیدہؑ نے بھی عملی طور پر ''ماں'' کی عملی تصویر بن کر دکھایا اور اسی شفقت ومحبت کا عملی ثبوت دیا جو ''ماں'' اپنی ممتا کے ذریعے اپنی اولاد کیلئے کرتی ہے اور اپنی تمام تر وجودی توانائیاں بروئے کار لا کر اپنی محبت کے پھول ان پر نچھاور کرتی ہے۔

سیدہ فاطمہ زہراءؑ نے اپنے صلبی بچوں کی حقیقی صلبی ''ماں'' ہونے کے باوجود اپنے باپ کے حوالہ سے ذاتی فضیلت وکمال اور نورانی وجودی حقیقت کی حامل ''ماں'' کی حیثیت میں اپنی خداداد عظمتوں کے عملی مظاہرے پیش کئے۔ اگر ہم اسلام

کی تاریخ کے ابتدائی ایام کا مطالعہ کریں اور سیدہؑ کی حیات طیبہ کے مختلف اطوار وادوار کا جائزہ لیں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ معصومہء کونینؑ نے نبوت ورسالت کے منصبی سلسلہ کی تقویت واستحکام میں اپنے عظیم باپ کے ساتھ جو کردار پیش کیا وہ بعینہ ایک نہایت شفیق ''ماں'' کا کردار تھا۔ حضورؐ کا وجود مسعود، نسل انسانی کے مادی وجودی تسلسل کو یقینی بنانے کیلئے نہ تھا بلکہ نوع انسانی کی کمالی حیثیت کو معراجی صورت دینے اور سعادت وفلاح کی ارفع واعلیٰ منزل تک ہادیانہ وناصحانہ وشفیقانہ قیادت کے ساتھ لیجانے کی غرض کا امین تھا۔ اس حوالہ سے سیدۂ کائناتؑ نے جس طرح خود اپنے عظیم باپ کو اپنے عظیم وپاکیزہ کردار کے ذریعے مادرانہ محبت ووالہانہ شفقت دی اسی طرح دین اسلام کو اپنی معصومانہ سیرت کے ذریعے اس طرح پروان چڑھایا جس طرح ماں، اپنی اولاد کی نشوونما میں اپنی تمام تر قوتیں بروئے کار لاتی ہے۔ آنحضرتؐ چونکہ ظاہری نسبی رشتوں ونسبتوں سے کہیں بالاتر حقیقی حقوتی نسبتوں کے امین تھے لہذا سیدۂ کائناتؑ بھی آنحضرتؐ کی فضیلتی، سیرتی، کمالی نسبتوں وحوالوں سے'' ماں'' ہونے کے ناطے ان نسبتوں کو تحفظ دینے اور ان کی عملی پاسداری کی ذمہ داری کو احسن طور پر ادا کرنے والی شخصیت تھیں، اپنا آرام چھوڑ کر اللہ کے نبیؐ کے آرام کو یقینی بنانا سیدہؑ ہی کا کام تھا جس کے متعدد شواہد تاریخ میں ملتے ہیں کہ بی بی نے کن کن مقامات پر حضورؐ کی خیالداری میں کیا کردار ادا کیا۔

''باپ'' اور''ماں'' کے حوالہ سے ایک اصولی تجزیہ

اللہ تعالیٰ نے جو ظاہری وجودی نظام مقرر فرمایا ہے اس میں ''ماں'' کو اصل قرار دیا گیا ہے اور اسی سے نسل کی بقاء و تسلسل وابستہ ہوتا ہے، عربی زبان میں لفظ ''ام'' کا معنی بھی ماں ہے اور لفظ ''والدہ'' سے مراد بھی ماں ہوتی ہے، لیکن ان دونوں لفظوں میں مفہومی حوالہ سے جو باریک فرق پایا جاتا ہے وہ اصل اور وجودی تسلسل یعنی ولادت کے درمیان پایا جانے والا فرق ہے۔

''والدہ'' سے مراد، ماں ہی ہوتی ہے مگر وہ ماں جس نے اپنے بطن سے جنا ہو،

''والد'' سے مراد وہ مرد ہے جس کی صلب سے پیدا ہوں اور ''والدہ'' سے مراد وہ عورت ہے جس کے بطن سے پیدا ہوں۔ اس لحاظ سے اللہ تعالیٰ نے والدین کے لئے خاص مقام ومرتبہ قرار دیا ہے اور مخصوص حقوق بھی مقرر فرمائے ہیں کہ جن کی تفصیل مربوطہ کتب میں موجود ہے۔

لفظ ''اب'' باپ کیلئے اور لفظ ''ام'' ماں کے لئے استعمال ہوتا ہے لیکن ان الفاظ میں اور والد و والدہ کے الفاظ میں مخصوص جہات ملحوظ ہوتی ہیں۔ والد ہر ''اب'' کو نہیں کہہ سکتے اور والدہ ہر ''ام'' کو نہیں کہہ سکتے بلکہ والد صرف اسے کہتے ہیں جس کی صلب سے ولادت کا سلسلہ مربوط ہو اور والدہ صرف اسے کہتے ہیں جس کے بطن سے ولادت تحقق پذیر ہوئی ہو۔ جبکہ لفظ ''اب'' اور لفظ ''ام'' میں معنوی وسعت پائی جاتی ہے، یہی وجہ ہے کہ حدیث میں لفظ ''اب'' کی معنوی وسعت کے حوالہ سے اس طرح مذکور ہے:

'' الآ باء ثلاثة، اب ولدك، اب علمك، اب صهرك۔

آباء تین ہیں:

ایک ''اب'' وہ ہے جس نے تجھے پیدا کیا، ۔ والد۔

ایک ''اب'' وہ ہے جس نے تجھے تعلیم دی، ۔ استاد۔

ایک ''اب'' وہ ہے جس نے تجھے داماد بنایا، ۔ سسر۔ بیوی کا حقیقی یا حقوقی باپ۔

البتہ قرآنی اصطلاح میں لفظ ''اب'' چچا کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے اور آباء، دادا و پردادا وغیرہ کیلئے بھی استعمال ہوتا ہے جو کہ اہل زبان کے عام استعمال میں رائج ہے۔ سورہ مبارکہ الانعام، آیت ۷۴ میں یوں ارشاد ہوا:

''واذ قال ابراهيم لابيه آزر اتتخذ اصناما آلهة ''،

(اور جب ابراہیم نے اپنے '' اب'' آزر سے کہا کہ کیا تو بتوں کو معبود قرار دیتا ہے؟)۔

اس میں لفظ ''اب'' چچا کے لئے استعمال ہوا ہے کیونکہ آزر، حضرت ابراہیم کا چچا تھا، جبکہ ان کے حقیقی باپ کا نام تارخ تھا، تو جس طرح صعودی سلسلہ ءنسب میں لفظ ''اب'' یا'' آباء'' حقیقی صلبی بلا واسطہ اور بالواسطہ تمام آباء کیلئے استعمال ہوتا ہے اسی طرح لفظ 'ولد' یا 'اولاد' بھی نزولی سلسلہ ءنسب میں بلا واسطہ اور بالواسطہ دونوں حوالوں سے رائج و مستعمل ہے۔ چنانچہ میراث میں ان الفاظ کی معنوی و مفہومی وسعت ملحوظ ہوتی ہے اور اسی سے حقوقی سلسلہ قائم ہوتا ہے۔ لفظ ''ام'' اور لفظ ''امهات'' بھی کم و بیش حقیقی و حقوقی دونوں حوالوں سے مخصوص جہات کے حامل ہیں۔ لفظ ''ام'' سے حقیقی و بلا واسطہ ماں مراد ہوتی ہے لیکن حقوقی حوالہ سے بالواسطہ ماں کو بھی ''ام'' کہتے ہیں جو کہ اضافت کو حذف کرنے سے ایک ہی اطلاقی صورت کا حامل ہوتا ہے یعنی ام الام اور ام ام الام کو بھی ''ام'' ہی کہا جاتا ہے اسی طرح ام الاب اور ام ام الاب کو بھی ''ام'' کہا جاتا ہے جبکہ ان کے لئے یعنی دادی و نانی کے لئے عربی زبان لفظ 'جدہ'' استعمال ہوتا ہے۔ بلکہ ام الزوج (شوہر کی ماں) اور ام الزوجہ

(بیوی کی ماں) کو بھی عرف عام میں ماں کہتے ہیں۔ یہ قاعدہ، کلیہ، نسبی و سببی دونوں رشتوں میں جاری وساری ہوتا ہے، کہ ہم نے نسبی کو حقیقی اور سببی کو حقوقی سے تعبیر کیا ہے۔ حقیقی و حقوقی دونوں حوالوں سے 'اب' اور 'ام' کا اطلاق واستعمال بالواسطہ وبلا واسطہ وجودی تعلق کے تناظر میں ہوتا ہے۔ چنانچہ رضاعت کے حوالہ سے بھی لفظ '' ام '' میں جو حقوقی جہات پائی جاتی ہیں ان کی معنوی وسعت کی بناء پر اس کا استعمال حقیقی جہات سے کم نہیں ہوتا۔ ظاہر ہے کہ رضاعی ماں، حقیقی ماں نہیں ہوتی بلکہ حقوقی ماں ہوتی ہے جو کہ حقیقی ماں کے قائم مقام ہوتی ہے کیونکہ وہ اس کام کے حوالہ سے اس اعزاز کی حقدار بنتی ہے جو حقیقی ماں کا ہے، اگر اس بناء پر اسے قائم مقام حقیقی ماں کہا جائے تو بیجا نہیں، حقیقی و رضاعی ماں کے حقوق و احکام جن موارد میں مختلف ہوتے ہیں وہ فقہی اعتبارات کی لحاظ داری پر مبنی ہیں تاہم عمومی اشتراک میں حقوقی حوالے بھی شامل ہیں۔ زیر نظر موضوع سے مربوط مسائل سے قرآنی استشہاد کی بناء پر آگاہی حاصل کرنے کے لئے درج ذیل آیت مبارکہ ہی کافی ہے جس میں آنحضرتؐ کے فرمان کی بابت تمام ممکنہ سوالات کے واضح جوابات مل سکتے ہیں، اس آیت مبارکہ میں مختلف نسبی وانتسابی حوالے مذکور ہیں جن کے لئے خاص احکام مقرر ہیں:

" حرمت علیکم امھاتکم وبناتکم واخواتکم وعماتکم وخالاتکم وبنات الاخ وبنات الاخت وامھاتکم التی ارضعنکم واخواتکم من الرضاعة وامھات نسائکم وربائبکم التی فی حجورکم من نسائکم التی دخلتم بھن ،فان لم تکونوا دخلتم بھن فلا جناح علیکم ،وحلائل ابنائکم الذین من اصلابکم ،وان تجمعوا بین الاختین الا ما قد سلف ،ان اللہ کان غفورا رحیما "،

(تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں، اور تمہاری بیٹیاں، اور تمہاری بہنیں، اور تمہاری پھپھیاں، اور تمہاری خالائیں، اور تمہاری بھتیجیاں، اور تمہاری بھانجیاں، اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا، اور تمہاری رضاعی بہنیں، اور تمہاری بیویوں کی مائیں، اور تمہاری گودوں میں پلنے والی وہ بچیاں جو تمہاری ان بیویوں سے ہوں جن سے تم نے مباشرت کی ہو، لیکن اگر تم نے ان سے مباشرت نہ کی ہو تو تم پر کوئی گناہ نہیں، اور تمہارے صلبی بیٹوں کی بیویاں، اور دو بہنوں کا یکجا عقد میں رکھنا، یہ سب حرام ہے، البتہ جو پہلے ہو چکا سو ہو چکا، بے شک اللہ معاف کرنے والا، نہایت مہربان ہے،)

اس آیت مبارکہ میں حقیقی و حقوقی، نسبی و سببی، انتسابی و اعزازی تمام رشتوں کے موارد و مصادیق کا بالواسطہ وبلا واسطہ تذکرہ وحوالہ مل سکتا ہے، جس سے آنحضرتؐ کے ارشاد گرامی قدر کی حقیقت و مربوطہ جہات واضح ہو جاتی ہیں کہ جس

کے بعد اس سلسلہ میں کسی طرح کا شبہ باقی نہیں رہتا بلکہ حقیقت الامر کی بھرپور وضاحت ہو جاتی ہے۔

اس موضوع کی تفصیلات فقہی کتب اور تفسیروں میں مذکور ہیں، لیکن جو اہم نکتہ ہمیں حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کے اس ارشاد گرامی قدر میں ملحوظ ہے جو آپؐ نے سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں فرمایا یعنی "**فاطمة ام ابیھا**" (فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے) وہ عام رائج عرفی استعمالات سے قطعی مختلف اور منفرد معیار کے ساتھ منفرد حقیقت کی عکاسی کرتا ہے۔

تاریخ اس کی گواہی دیتی ہے کہ حضورؐ سے پہلے اور نہ ہی آپؐ کے بعد کسی نے اس طرح کا لفظ حقیقی صلبی بیٹی کے لئے استعمال نہیں کیا، اور اگر کہیں اس کے استعمالی موارد کی مثالیں بھی ملتی ہیں تو ان سے وہ جہات مقصود قرار نہیں دی جاسکتیں جو "**وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحیٰ**" اور "**ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ و خاتم النبیین**" کے مصداق حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشاد گرامی قدر میں ملحوظ ہیں۔

عام عرفی استعمال میں صرف نسبی نسبت کی محبت اس کا سبب بنتی ہے یا اس طرح کا کوئی مادی و طبعی حوالہ پیش نظر ہوتا ہے جبکہ آنحضرتؐ کی شخصیت اس طرح کے حوالوں کو معیار قرار دینے سے ماوراء ہے۔ اس طرح کے نہایت معمولی حوالے کہاں اور سید الانبیاءؐ کی ذات گرامی قدر کہاں؟ معاشرتی مزاج سے ہم رنگی کے عادی افراد کے استعمال کا معیار کجا اور مزاج وحی سے آشنا ہستی کے الفاظ و بیان کی حقیقی بنیادوں کا حوالہ کجا؟ اللہ کے جلیل القدر نبیؐ کی بات کہاں اور عام لوگوں کی عام باتیں کہاں؟ چہ نسبت خاک را با عالم پاک۔

اہم ترین نکتہ کا وضاحتی بیان

یہاں یہ اہم نکتہ لائق بیان ہے کہ عرفی استعمال بطور شاہد تو پیش ہوسکتا ہے بطور دلیل پیش نہیں کیا جاسکتا۔ اس کے باوجود یہ ممکن بھی نہیں کہ رسول اللہؐ کے بیان کی دلیل یا تصدیق عرب کے اہل ادب کے استعمالی موارد سے کروائی جائے کیونکہ رسول اللہؐ کی ذاتی و منصبی حیثیت اس طرح کی ضرورت سے بالاتر ہے۔ ان کا کلام و بیان بالخصوص کسی موضوع یا شخص کے متعلق ہو تو وہ وحی ترجمان ہوتا ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ وہ اپنے کلام میں ان الفاظ کا سہارا لیں جو وحی اور اس کی حقیقت سے آشنا

ہی نہیں بلکہ صورتحال برعکس ہے یعنی دوسروں کو وحی کے الفاظ سے استدلال کی ضرورت ہے۔ چنانچہ سورہء کوثر اس حقیقت کی زندہ و واضح مثال ہے کہ جب اسے خانہء کعبہ میں عرب شعراء کے مشہور و معروف شہرہ آفاق سات قصائد (السبعۃ المعلقۃ) کے ساتھ لکھ کر لٹکایا گیا اور ان نامور ادیبوں وشاعروں سے اس کا چوتھا مصرعہ لانے کو کہا گیا یعنی انہیں چیلنج کیا گیا کہ وہ اس کی تکمیل رباعی کی صورت میں کردیں تو ان کا یہ دعویٰ سنا جا سکتا ہے کہ محمدؐ نے یہ کلام خود آپ ہی بنایا ہے، مگر وہ اس کا چوتھا مصرعہ لانے کی بجائے یہ لکھ کر اپنی ناتوانی کا اعتراف کر گئے **"ما ھذا کلام البشر"**، (یہ بشر کا کلام نہیں) جبکہ شاعری کے تقاضوں کے مطابق سورہء کوثر تین مصرعوں پر مشتمل ایک ایسا کلام ہے جسے کوئی شاعر، شاعری کے ان عام مروجہ اصولوں سے متصادم قرار نہیں دے سکتا جو ان کے اپنے ہاں مقبول ومعمول ہیں، اس کے باوجود یہ حقیقت ناقابل انکار ہی نہیں بلکہ ہمارے اعتقادات کی بنیاد ہے کہ قرآن مجید کتاب ہدایت ہے، آئین سعادت ہے، شعری کلام نہیں، اس کی حقانیت پر خدائی بیان موجود ہے:

" ذلك الكتاب لا ريب فيه هدى للمتقين "۔

(یہ وہ کتاب ہے جس میں کوئی شک نہیں کہ متقین کے لئے سرچشمہء ہدایت ہے)۔ سورہء بقرہ، آیت ۲۔

ایک آیت میں یوں ارشاد ہوا:

" وما هو بقول شاعر "،

(اور وہ کسی شاعر کا کلام نہیں)۔ سورہ الحاقہ، آیت ۴۱۔

اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کے بارے میں مشرکین کی تہمتوں کے جواب میں واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

''وما علمناه الشعر وما ينبغي له ان هو الا ذكر وقرآن مبين "،

(اور ہم نے اسے شعر کی تعلیم نہیں دی اور نہ ہی اسے ایسا کرنا زیب دیتا ہے، وہ تو ذکر اور قرآن مبین کے سوا کچھ نہیں)۔ سورہ یٰس، آیت ۶۹۔

لیکن اس کے باوجود حضورؐ نے کوئی ایسا لفظ استعمال نہیں فرمایا جو اہل عرب کے لئے غیر مانوس ہو بلکہ حضورؐ کے ارشادات عربی ادب کا معراجی نمونہ تھے، یہی وجہ ہے کہ کوئی عرب شاعر وادیب حضورؐ کے کسی بھی ارشاد وفرمان پر انگشت نمائی نہ کر سکا۔

ایک لطیف معنوی اشارہ

یہاں ایک لطیف معنوی اشارہ بھی ضروری ہے کہ سورہ کوثر کہ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صداقت بیان کی ٹھوس دلیل و برہان کے طور پر عرب شعراء کو اس کا جواب یا مثل و نظیر لانے سے عاجز کر گیا اس میں بھی مصداقی حقیقت کا تعلق حضرت سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا سے ہے کہ اس میں اللہ تعالیٰ نے مشرکوں کے اس طعنہ کا جواب دیا جو وہ حضورؐ کے بے اولاد ہونے کے بارے میں کیا کرتے تھے کہ اس کی اولاد و نسل ہی نہیں جو اس کے مشن یا اس کا نام روشن و باقی رکھ سکے ،اللہ نے اپنے حبیبؐ پر اس طرح کے طعنہ کا جواب آپؐ کو سیدہ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کی صورت میں بیٹی عطا کر کے دیا کہ حضورؐ کی نسل ان سے چلے گی جبکہ عام قاعدہ ورسم یہ ہے کہ سلسلۂ نسل و ذریت بیٹوں سے چلتا ہے نہ کہ بیٹی سے ،مگر یہاں عام عرفی معیاروں سے ہٹ کر ایک منفرد معیار و مثال قائم ہوئی کہ سلسلۂ نسل و نسب بیٹی سے چلا ، یہی وجہ ہے کہ سیدہؑ کی اولاد ، رسول اللہؐ کی اولاد کہلاتی ہے مولا علیؑ کی اولاد و ذریت نہیں کہلاتی ۔ اگر چہ جسمانی حوالہ سے وہ مولا علیؑ کی اولاد ہے مگر جسمانی حوالہ سے زیادہ مضبوط حوالہ وہ معنوی جہت ہے جو ان ہستیوں کی وجودی حقیقت کی اصل و اساس ہے۔ حضورؐ کا اولاد علیؑ کو اپنے بیٹے کہنا بھی حضورؐ کی منصبی شخصیت و حیثیت کی بناء پر ہے۔

مخصوص حوالہ، مخصوص حیثیت، مخصوص معیار، مخصوص اظہار

بہر حال حضورؐ کا ارشاد گرامی قدر کہ ''فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے'' ایک منفرد و مخصوص حقیقت کا حامل ہے، اس میں حضورؐ نے ایک ایسی حقیقت کو متعارف کروایا ہے یا یوں کہوں کہ ایک ایسے پاکیزہ معیار کی بنیاد ڈالی ہے جو خود انہی سے مخصوص و مختص ہے یعنی بیٹی سے نسل کا تسلسل و بقاء، اب اگر آنحضورؐ اپنی اس عظیم بیٹی کو ماں کا لقب دیں تو یقیناً یہ خود ان کا حسن انتخاب بھی ہے اور سیدہؑ کا حق بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو سیدہؑ کے علاوہ ایسی کوئی صلبی حقیقی بیٹی عطا نہ کر کے کہ جو حضورؐ کی ذریت کی بقاء اور دوام اور وجودی تسلسل کی ضمانت بنے ان کی ذات کے حوالہ سے ایک مخصوص و منفرد معیار اس لئے بھی قائم فرمایا کہ بیٹیوں کو زندہ در گور کر دینے والے جاہل عربوں کو اس بات سے آگاہی دلائی جائے کہ بیٹی ،اللہ کی رحمت ہے، اس

سے رسول اللہ ؐ جیسی ہستی کی نسل کا سلسلہ قائم ہوا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ حضور ؐ کو بیٹا عطا کرتا کہ جس سے آپ ؐ کی نسل کا تسلسل قائم ہوتا تو شاید یہ بات عام عرفی معیار کے عین مطابق ہوتی اور اس میں حضور ؐ کو کوئی امتیاز حاصل نہ ہوتا لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ؐ کو ہر حوالہ سے امتیازات عطا فرمائے اور عربوں کے معاشرتی معیاروں سے کہیں بالاتر روحانی اور معنوی اور الٰہی بنیادوں پر آپ ؐ کی شخصیت کی صورتگری فرمائی، ان میں سے آپ ؐ کا ''**امی**'' ہونا بھی ہے کہ اگر عام لوگ کسی کے پاس زانوئے تلمذ تہہ نہ کریں تو انہیں ان پڑھ سمجھا جاتا ہے۔ اس معیار پر حضور ؐ کو ''**امی**'' سمجھا گیا یعنی ان پڑھ، جیسا کہ عصر حاضر میں بھی خودساختہ معیاروں کو اپنانے والے ''ان پڑھ''، معلم کتاب وحکمت شخصیت ؐ کو ''ان پڑھ'' ہی کہتے ہیں کہ وہ لکھنا پڑھنا نہ جانتے تھے۔ ہاں، ان کے اپنے معیار کے مطابق تو یہ بات درست بنتی ہے کہ وہ کسی استاد کے پاس علم حاصل کرنے نہیں گئے لہذا وہ ''ان پڑھ'' ہیں مگر خدائی معیار کے حوالہ سے ان کی بات سراسر غلط و جاہلانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے نمائندوں کو علم عطا کر کے بھیجتا ہے تاکہ وہ روئے زمین پر کسی کے محتاج نہ ہوں بلکہ کامل حیثیت کے ساتھ اپنے منصبی فرائض ادا کریں، چنانچہ جو ''ان پڑھ'' لوگ، حضور ؐ کو ''ان پڑھ'' کہتے ہیں وہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کو حضور ؐ کا استاد قرار دیتے ہیں کہ انہوں نے آکر حضور ؐ کو پڑھایا اور وہ اس پر یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جبرائیلؑ نے حضورؐ سے کہا: **اقرء**۔ پڑھ۔ تو حضورؐ نے جواب دیا: **ما انا بقارء**۔ میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر حضرت جبرائیلؑ نے حضور ؐ کا سینہ چاک کیا اور اس میں گندگی (معاذ اللہ) نکال کر نور بھر دیا اور پھر کہا: **اقراء**۔ پڑھ۔ تو حضورؐ پڑھنے لگے۔ لہذا اس طرح حضرت جبرائیلؑ، حضورؐ کے استاد قرار پائے۔ **لا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔ استغفر اللہ۔ یہ کس قدر گستاخانہ عقیدہ ہے۔ حضور ؐ کی ذات پر کس قدر جاہلانہ حملہ ہے۔ وہ ہستی کہ جسے اللہ تعالیٰ نے معلم بنا کر بھیجا ہو وہ سینہ چاک کروا کر نور حاصل کرنے کے بعد پڑھنا شروع کرے۔ اس طرح کا عقیدہ گھڑنے والوں نے اپنی جہالت و جاہلیت پر پردہ ڈالنے کے لئے حضور ؐ کو جاہل بنا دیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے عقل والوں پر اس طرح کے خرافی نظریات کے باطل و نادرست ہونے کو آشکار کر دیا اور قرآن مجید ہی میں ایسی آیات نازل فرما دیں جو ان ان پڑھ لوگوں کو ان کی غلط سوچوں کا جواب دے سکیں۔ ان آیات میں سے صرف ایک آیت کا حوالہ ہی یہاں کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے حضور ؐ کو حکم دیا کہ آپ ؐ قرآن پڑھنے میں جلدی نہ کیا کریں جب تک کہ وحی پوری نہ ہو جائے، اس سے حضورؐ کی علمی مرتبت اور اللہ کے نزدیک مقام و منزلت بخوبی آشکار ہو جاتی ہے، اور اس مطلب سے آگاہی بھی حاصل ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو عالم بنا کر بھیجا جاہل نہیں :

"ولا تعجل بالقرآن من قبل ان يقضى اليك وحيه" ۔(سورہ طہٰ، آیت ۱۱۴)

کیونکہ حضورؐ، وحی مکمل ہونے سے پہلے ہی قرآن مجید کی تلاوت کرتے تھے، تو کیا اس سے حضورؐ کا پڑھا ہوا ہونا ثابت نہیں ہوتا؟ کیا اس کے باوجود حضورؐ کے لئے امی کے لفظ سے ان کا ان پڑھ مراد لینا درست ہے؟

حضورؐ پر ان پڑھ ہونے کی تہمت لگانے والے عقل کے اندھوں سے کوئی پوچھے کہ آیا لکھنا پڑھنا نہ جاننا نقص نہیں؟ اگر نقص ہے تو حضورؐ اس حوالہ سے (معاذ اللہ) ناقص قرار پائیں گے جو کہ آپؐ کی کامل ذات کے حوالہ سے قطعاً درست نہیں۔ آپؐ کو ہر نقص سے پاک پیدا کیا گیا ہے۔ اور پھر وحی کی ابتداء ظاہری صورت میں اس وقت ہوئی جب آپؐ کی عمر مبارک چالیس برس تھی، تو کیا اس سے قبل حضورؐ نے معاملات وغیرہ میں (معاذ اللہ) جاہل وان پڑھ کی طرح عمل کیا؟ یہ کیسی جاہلانہ باتیں ہیں، وحی کی حقیقت سے ناآشنائی ہی اس طرح کے خیالات کو جنم دیتی ہے، البتہ نزول وحی کے وقت مخصوص کیفیات کے حوالہ سے بعض روایات موجود ہیں کہ ان میں مذکورہ بعض مطالب توجیہ وتاویل طلب ہیں کہ ان کی تفصیل اس طرح کی جانی ضروری ہے کہ حضورؐ کی ذات پر کسی طرح کے نقص کا شبہ نہ ہونے پائے، حضور ختمی مرتبت کی ذات ہر نقص وخامی سے پاک ومنزہ ہیں، ان کا وجود سراپا کمال وعظمت ہے، مجسم فضیلت ہے۔ اسی سلسلہء بحث میں متعدد ایسے امور حضورؐ کی خصوصیات اور امتیازات کے طور پر سامنے آتے ہیں کہ ان کی بابت اظہار خیال کرنا زیر نظر موضوع کو مزید طویل کردے گا لہذا وہ کسی دوسرے مقام پر زیر بحث آئیں گے۔

یہاں ایک بار پھر اپنے موضوع سے مربوط ہو کر عرض کرنا چاہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو بیٹا عطا نہ کر کے جہاں عرفی معیاروں کی احتیاج سے مبراء ہونے کا اشارہ دیا ہے وہاں سیدہء کائناتؑ کی عظمت کا اظہار بھی کر دیا ہے کہ وہ بی بی کہ جو جسمانی حوالہ سے بیٹی ہے مگر خدائی معیار کے مطابق اسے اپنے باپ کی "**ماں**" ہونے کا شرف واعزاز حاصل ہے یعنی وہ ہستی کہ جس سے حضورؐ کی نسل چلی۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو ایک ایسی بیٹی عطا فرما کر اپنے دین وآئین کے تحفظ کو یقینی بنایا جس کی آغوش میں پلنے والی معصوم ہستیوں نے ہر دور میں اللہ کا دین اسی صورت میں لوگوں تک پہنچایا جس طرح حضورؐ نے پہنچایا تھا، گویا دین لانے کا کام اور پیغام الٰہی پہنچانے کا کام حضورؐ نے انجام دیا اور اس دین وپیغام الٰہی اور احکام خداوندی کو بچانے کا کام، سیدۂ کائناتؑ کی اولاد نے کیا کہ جو الحق اولاد رسولؐ ہیں۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ سے کہلوایا کہ "**فاطمة ام ابيها**" (فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے)۔

حضرت خدیجہؑ، اسلام کی خاتون اول کو اللہ نے یہ عزت عطا فرمائی کہ آپؑ کے بطن مبارک کو سیدۂ کائناتؑ کا

وجودی ظرف قرار دیا گیا۔ یہ اعزاز ان کے علاوہ کسی بھی زوجہ کو حاصل نہ ہوا۔ حضورؐ کی کسی بھی زوجہ سے اولاد کا نہ ہونا یا ہونا اور باقی نہ رہنا بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت سے خالی نہیں بالخصوص ان ازواج سے جو حضورؐ کے وصال کے بعد حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیھا کے جلیل القدر شوہر امیر المومنین امام علی ابن ابی طالب علیہ السلام کے مقابلے میں میدان میں آگئیں کہ ان کا انتسابی مقام اس سے کہیں بالاتر تھا جبکہ حضورؐ نے مولا علیؑ کے بارے میں واضح طور پر ارشاد فرمایا تھا کہ حق علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ حق کے ساتھ ہے:

(الحق مع علی(ع) و علی(ع) مع الحق)

حضورؐ نے اس پر اکتفاء نہیں کی بلکہ اس کے ساتھ یہ دعا مانگی:

اے اللہ! حق کو ادھر پھیر، جدھر علی بن ابی طالبؑ جائے:

(الھم ادر الحق حیثما دار علی بن ابی طالب)

اس کے باوجود کسی کا امام علیؑ کے مقابلے میں آنا کس طرح قابل تاویل ہوگا اللہ اعلم، بہر حال نسبی و انتسابی اور حقیقی و حقوقی حوالوں کی پاسداری کے عملی نتائج ہی انسانیت کی بقاء کی ضمانت بنتے ہیں۔

حق تو یہ ہے کہ انسان کو ہر حال میں حق کی پیروی کرنی چاہیے، باطن اور ظاہر دونوں میں حق کی پیروی کا جلوہ گر ہونا ضروری ہے، حضرت رسول خداؐ نے ہمیشہ حق کی پیروی کا تاکیدی حکم دیا اور باطل سے دوری اختیار کرنے کو لازم قرار دیا، ان تمام موضوعات سے قطع نظر ہر بندہء مومن پر لازم ہے کہ وہ حق شناسی، حق پرستی، حق گوئی، حق خوئی، حق جوئی، حق نمائی، حق ادائی، حق خواہی، حق گواہی، حق مزاجی، حق ساجی، حق رفتاری، حق گفتاری، حق شعاری، حق معیاری، حق داری اور حق کاری ہی کو اپنی زندگی کی عادت و علامت قرار دے، کیونکہ باطل بدی و برائی کے سوا کچھ نہیں، اسی سے ہر برائی جنم لیتی ہے، حق کی پیروی جس طرح ظاہر میں ہو اسی طرح باطن میں بھی ہونی چاہیے، کیونکہ بدباطنی، بداعتقادی کو جنم دیتی ہے اور اسی سے بداندیشی، بدفکری، بدعملی، بدنظری، بدفکری، بدبینی، بدخیالی، بدکلامی اور بدنامی کی راہیں ہموار ہوتی ہیں، خلاصہ یہ کہ حق سے منہ موڑنا بدی و برائی کے سوا کچھ نہیں، مومن کو ہر حال میں حق کا راستہ اختیار کرنا چاہئے اور حق کا ساتھ دینا چاہیے۔

حضورؐ نے مولا علیؑ کے بارے میں صرف یہ نہیں فرمایا کہ "حق علیؑ کے ساتھ اور علیؑ حق کے ساتھ ہے" بلکہ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا:

" القرآن مع علی و علی مع القرآن "۔

(قرآن علیؑ کے ساتھ ہے اور علیؑ قرآن کے ساتھ ہے)۔

" انا مدینة العلم و علی بابها"،

(میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے)۔

" انا دار الحکمة و علی بابها "،

(میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے)۔

" علی منی و انا منه "،

(علیؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں)۔

یہ اور اس طرح کی دیگر متعدد احادیث فریقین کی معتبر کتب میں مذکور ہیں۔

بہر حال یہ اور اس طرح کے دیگر متعدد ارشادات و بیانات ایسے ہیں جو حضورؐ نے حضرت علیؑ کے بارے میں فرمائے اور آنحضرتؐ نے انہیں عزت و احترام اور بلند مقام و منزلت کے ساتھ متعارف کروایا اور پھر آخری حج کے موقع پر خدا کے فرمان کے عین مطابق انہیں اپنا خلیفہ و جانشین اور مولائے کائنات قرار دے کر اپنے تمام ساتھیوں و اصحاب کرام سے ان کے لئے بیعت لی کہ جن میں وہ افراد بھی موجود تھے جو بعد میں اس بیعت سے منحرف ہوگئے اور پھر مولا علیؑ کی مخالفت کی بلکہ میدان جنگ میں اتر آئے، جس سے امت اسلامی کے اتحاد و یکجہتی کو سخت نقصان پہنچا، کاش، ایسا نہ ہوتا اور سب کلمہ گو حضورؐ کے فرمان کی پیروی کرتے ہوئے اور حضورؐ کے سامنے مولا علیؑ کی بیعت کرنے کے پاکیزہ عہد پر قائم رہتے ہوئے ایک ہی لڑی میں پروئے رہتے۔

ایک ام المومنین سے مولا علیؑ کے فضائل کی روایات معتبر کتب میں مذکور ہیں کہ جن میں سے ایک یہ ہے کہ انہوں نے کہا: میں نے حضورؐ سے سنا ہے انہوں نے فرمایا:

" لا یتم شرف الا بولایة علی بن ابی طالب"،

(کوئی شرف و کمال، علی بن ابی طالبؑ کی ولایت کے اقرار کے بغیر مکمل نہیں ہوتا)۔

اللہ تعالیٰ نے نسل و ذریتِ رسولؐ کا تسلسل صرف حضورؐ کی اکلوتی بیٹی سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے مقدس وجود سے مربوط کیا کہ جنہیں حضورؐ نے اپنی زبان وحی ترجمان سے " **ام ابیها** " (اپنے باپ کی ماں) کہا۔ یقیناً

اس شرف واعزاز کی لیاقت واہلیت کسی دوسری خاتون میں نہ تھی۔لیکن یہ بات یاد رہے کہ کسی خاتون کو اس طرح کا اعزاز عطا نہ کیا جانا ان کی بابت تنقیص نہیں بلکہ سیدہ فاطمہؑ کا اختصاص ملحوظ ہے، یہ بات القاب واعزازات کے حوالہ سے واضح ہے، ورنہ اگر معاشرے میں کسی کو کوئی اعزاز حاصل ہو تو اسے دوسروں کی تنقیص وتوہین نہیں کہا جاتا بلکہ اس فرد کی امتیازی صفت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔علمی زبان میں اس طرح کے امور کی بابت کہا جاتا ہے کہ کسی چیز کا اثبات کسی دوسری چیز کی نفی نہیں کرتا،اس کی مثال یہ ہے کہ اگر آپ کسی کو عالم کہیں تو اس سے کسی دوسرے شخص کے علم کی نفی نہیں ہوتی یا کسی دوسرے شخص کی جہالت کا اظہار مقصود نہیں ہوتا بلکہ صرف اسی شخص وشخصیت کے امتیاز کا بیان مطلوب ہوتا ہے۔(**اثبات الشیء لا ینفی ما عداہ**)۔کسی چیز کا اثبات، کسی دوسری چیز کی نفی نہیں کرتا۔،سیدہؑ کے امتیازی اوصاف اور مولا علیؑ کی مخصوص صفات سے کسی دوسرے کے مخصوص اوصاف کی نفی نہیں ہوتی۔جس میں جو صفت پائی جاتی ہو وہ ظاہر ہو ہی جاتی ہے۔

خدائی رزاوں میں سے ایک راز

نبوت ورسالت کی منصبی پاسداری کی ضمانت اور ولایت وامامت کی عظمتوں کی امانت کا اعزاز سیدہؑ کو حاصل ہوا۔بی بیؑ کی مقدس آغوش،عصمت کا گہوارہ تھی کہ اس میں معصوم ہستیوں نے پرورش پائی۔سیدہء کائناتؑ کا وجود''**سر من اسرار اللہ**'' (خدائی رازوں میں سے ایک راز) کا مصداق تھا۔بیٹی ہوتے ہوئے ماں کا درجہ پانے والی سیدۂ کائناتؑ ہی تھیں جن کے احترام میں سید الانبیاءؐ جیسا عظیم القدر باپ کھڑا ہوجاتا تھا۔آنحضرتؐ کا سیدہؑ کیلئے کھڑا ہونا جسمانی باپ کی حیثیت سے ہرگز نہ تھا ورنہ امت کیلئے ہر باپ پر اس کی عملی تقلید سنت قرار پاتی، یہ صرف اور صرف سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی ذاتی نورانی وجودی کمالی عظمت تھی جس کی وجہ سے آنحضرتؐ،آپؑ کو بیٹی جاننے کے باوجود آپؑ کی آمد پر کھڑے ہوجایا کرتے تھے جو کہ''ماں'' کے اولاد پر احترامی حقوق میں سے ایک ہے خواہ وہ حقیقی ہو یا حقوقی،اور یہاں حقیقی وحقوقی حوالوں سے بالاتر حقیقت الوجودی حوالہ ملحوظ تھا کہ جو نسبی وسببی رشتوں سے ماوراء ایک ایسی باطنی رفعت کا امین ہے جس کا ادراک انہی معصوم ہستیوں کو ہے،ان کے علاوہ کوئی شخص اس حوالہ کی باریکیوں کو نہیں سمجھ سکتا۔ہر لفظ سے اس کے ظاہری معانی مراد نہیں لئے جاسکتے جیسا کہ قرآنی الفاظ وعبارات میں اس حقیقت کی واضح وکثیر مثالیں موجود ہیں مثلاً: لفظ صلاۃ،صوم،حج،زکواۃ وغیرہ،ان کے لفظی ظاہری لغوی ومستعمل معانی کی بجائے ان کے مخصوص شرعی اصطلاحی معانی ملحوظ و

مراد ہوتے ہیں، کہ اگر ان کے وہ مخصوص شرعی معانی مراد نہ ہوں تو عبادات واحکام الٰہی کی عملی صورت ہی نہیں بن سکتی، کیونکہ لغت میں ان کے معانی یہ ہیں: لفظ صلاۃ ،یعنی دعا، لفظ صوم ،یعنی رکنا، لفظ حج یعنی قصد وارادہ کرنا، لفظ زکوۃ یعنی بڑھنا اور اضافہ، جبکہ ان تمام الفاظ کے مخصوص معانی کی بناء پر مخصوص اعمال مقصود ہیں، اس کی قرآنی مثالوں کے تناظر میں فرمان نبویؐ کی حقیقت سے آگاہی کا باب کھل جاتا ہے اور یہ بات معلوم ہوجاتی ہے کہ وہی معنی مراد لینا چاہیے جو متکلم کا مقصود ہو، اور اس کی شان ومرتبہ کے مطابق اور اس کا ترجمان ہو۔

ارشادنبویؐ کی لفظی ترتیب

حضورؐ کے ارشادگرامی قدر ''**فاطمۃ ام ابیھا** '' کی لفظی ترتیب پر غور کرنے سے ایک نکتہ یہ بھی معلوم ہوجاتا ہے کہ آنحضرتؐ نے سیدہؑ کے لئے لفظ''ام'' استعمال فرمایا تو اس کے ساتھ مناسبت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لفظ''والد'' کی بجائے''اب''(**ابیھا**) ذکر کیا، ان دونوں لفظوں کے درمیان پائے جانے والے جوہری فرق کے تناظر میں آنحضرتؐ کے استعمالی مورد کی حقیقت واضح ہوجاتی ہے۔ لفظ''اب'' معنوی وسعت کا حامل ہے جبکہ لفظ''والد'' صرف ولادت کا مصدری حوالہ رکھتا ہے۔ البتہ معنوی وروحانی اقدار کے حوالہ سے عرفی استعمال میں لفظ''والد'' بھی آتا ہے، لیکن اس کے ساتھ مخصوص اضافت ضروری ہے خواہ لفظوں میں مذکور ہو یا زمانی ومکانی قرآئن سے اس کا پتہ چلے مثلا: روحانی والد، علمی والد، قومی والد وغیرہ، ہر صورت میں ابوت و والدیت میں پایا جانے والا فرق مدنظر رہنا چاہیے، حضورؐ اپنی دختر نیک اختر سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے''اب'' بھی تھے اور''والد'' بھی تھے، ولادت کی نسبی نسبت سے والد اور منصبی شرف وفضیلت کے حوالہ سے حقیقی و حقوقی دونوں بنیادوں پر''اب'' تھے۔

لفظ''ام'' قرآنی استعمالی جہات کے تناظر میں جہاں وجودی ارتباط کا ترجمان ہے وہاں اصل الشیئ اور کسی چیز کی محوریت ومرکزیت ومصدریت ومعنویت ومقصدیت ومعرفیت اور متجلیت کا اشاراتی عکاس بھی ہے۔ مکہ مکرمہ کو''ام القریٰ'' کہا گیا، سورہ انعام، آیت 93 میں ارشاد ہوا:

" وھذا الکتاب انزلناہ مبارك مصدق الذی بین یدیه ولتنذر ام القریٰ و من حولھا، والذین یومنون بالآخرۃ یومنون به وھم علیٰ صلاتھم یحافظون "

(اور یہ کتاب کہ جسے ہم نے نازل کیا، مبارک ہے اور اپنے سے پہلی کتب کی تصدیق کرتی ہے۔ اور تا کہ آپ انذار کریں ام القریٰ اور اس کے ارد گرد والوں کو، اور جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں وہ اسے مانتے ہیں اور وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں)۔

اس آیت میں لفظ ''ام'' استعمال ہوا ہے اور اس کی اضافت ''قریٰ'' کی طرف ہوئی ہے جو کہ ''قریۃ'' کی جمع کا صیغہ ہے اور اس کا لفظی معنی بستی ہے۔ قریٰ یعنی بستیاں، یہاں اس سے مراد پورا کرۂ ارضی ہے، مکہ مکرمہ جغرافیائی حوالہ سے مرکزیت رکھتا ہے، اس بناء پر اسے لفظ ''ام'' کے ساتھ منسوب کیا گیا ہے۔

اسی طرح سورہ آل عمران میں لفظ ''ام'' کو کتاب کی طرف اضافت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے:

''ھو الذی انزل علیك الکتاب منہ آیات محکمات ھن ام الکتاب و اخر متشابھات ۔''

(وہ ہے کہ جس نے آپؐ پر کتاب نازل کی ہے، اس کی بعض آیات محکمات ہیں وہی ام الکتاب ہیں اور دیگر متشابہات ہیں)

اس آیت (7) میں لفظ ''ام'' کی اضافت کتاب کی طرف ہوئی ہے اور اس سے مراد قرآن مجید کی آیات محکمات ہیں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ لفظ ''ام'' اصل و بنیاد کے معنی میں آتا ہے۔ یعنی وہ آیات محکمات ہی اصل قرآن ہیں اور وہی کتاب اللہ کی بنیادی آیتیں ہیں۔ انہی پر پوری کتاب کا دارومدار ہے کہ ان کے علاوہ دیگر آیات متشابہات ہیں کہ جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں یوں ارشاد فرمایا:

''فاما الذین فی قلوبھم زیغ فیتبعون ما تشابہ منہ ابتغاء الفتنۃ و ابتغاء تاویلہ، وما یعلم تاویلہ الا اللہ والراسخون فی العلم یقولون آمنا بہ کل من عند ربنا ، وما یذکر الا اولوا الالباب''

(جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے وہ متشابہات ہی کی پیروی کرتے ہیں کہ ان کا مقصد فتنہ بپا کرنا اور از خود تاویلیں کرنا ہے جبکہ اس کی اصل حقیقت اللہ ہی جانتا ہے اور وہ لوگ جانتے ہیں جو راسخون فی العلم ہیں، جو کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، سب کچھ ہمارے پروردگار کی طرف سے ہے، صاحبان عقل کے سوا کوئی نصیحت حاصل نہیں کر سکتا)۔

معلوم ہوا کہ کج دل افراد متشابہات سے چمٹے رہتے ہیں، انہیں محکمات سے کوئی غرض نہیں ہوتی، وہ صرف فتنہ انگیزی

چاہتے ہیں۔قرآن کی اصل،قرآن کی بنیاد،قرآن کی حقیقت اورقرآن کی روح آیات محکمات ہیں کہ جو''ام'' کےلفظ کے ساتھ مذکور ہیں یعنی''ام الکتاب''۔

سورہ مبارکہ فاتحہ کو '' ام الکتاب '' سے موسوم کرنے کی وجہ کے حوالہ سے جو خوبصورت وضاحت مفسرین کرتے ہیں اس کے تناظر میں حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر کا حقیقی معنی ومفہوم واضح وآشکار ہو جاتا ہے۔مثلاً تفسیر کبیر جلد اول ص ۱۷۵ میں فخر الدین رازی نے اس طرح لکھا ہے:

ام الكتاب (ام القرآن): لانها اصل القرآن، والام : الاصل، وانما صارت اصل القرآن، لان الله تعالٰى اودعها مجموع ما فى السور: من معان مهمة، ومقاصد اساسية بايجاز، وبالتلميح او بالتصريح،ولان فيها اثبات الربوبية والعبودية، وفيها توجيه العبد فى كيفية مخاطبته لله تعالٰى، وتعليمه آداب التعامل مع الله تعالٰى، والتشبه باخلاقه ، وفى كيفية تعامل الناس فى ما بينهم باساليب اخلاقية نموذجية ،وهذا الهدف الرئيسى للقرآن الكريم ، حتى قيل ان سورة الحمد قرآن كامل ولكنه بشكل مضغوط، وفى هذه السورة البليغة اسرار عالية وخفايا جليلة، وفوائد عظيمة ، ومقاصد جامعة، ودلالات واسعة، لذلك سميت بام الكتاب ،

سورہ فاتحہ کا نام،ام الکتاب ہے یعنی ام القرآن ،لفظ''ام'' کا معنی ،اصل ہے،اور سورہ مبارکہ فاتحہ اس لئے قرآن کی اصل قرار پائی کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں وہ سب کچھ ودیعت فرمایا جو تمام سورتوں میں ہے یعنی نہایت اہم معانی و مطالب،اور بنیادی مقاصد کو جامع الفاظ میں اور اشارہ یا صراحت دونوں صورتوں میں ذکر کیا،اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس میں ربوبیت وعبودیت دونوں کا اثبات ہوا ہے،اور اس میں بندوں کو اللہ تعالیٰ سے راز و نیاز کرنے کی کیفیت سے آگاہی دلائی گئی ہے،اور اللہ کے ساتھ اپنے معاملات کو درست رکھنے کی تعلیم دی گئی ہے،اور یہ بھی سمجھایا گیا ہے کہ کس طرح اخلاق الٰہی اپناتے ہوئے لوگوں کے ساتھ اعلیٰ اخلاق پرمبنی برتاؤ روا رکھا جائے، یہی درحقیقت قرآن مجید کا بنیادی ہدف ومقصد ہے،انہی امور کی بناء پر ہی یہ کہا گیا ہے کہ سورہ حمد،کامل قرآن ہے لیکن اپنی مخصوص صورت میں!اور بلاغت کی حامل اس سورت میں

بلند پایہ اسرار اور عالی ترین مفاہیم، عظیم فوائد، جامع مقاصد، اور وسیع دلائل و مضبوط نشانیاں پائی جاتی ہیں، اسی لئے اسے ''ام الکتاب'' کے نام سے موسوم کیا گیا ہے، (بحوالہ کتاب ''اہداف القرآن فی ام الکتاب''، صفحہ ۱۷)۔

لفظ ''ام'' کی بابت سورہ فاتحہ کی وجہ تسمیہ کا ذکر کرتے ہوئے ایک مفسر نے جو لکھا ہے وہ فرمان نبویؐ کے فہم معنی میں یقیناً مددگار ثابت ہو سکتا ہے، اصل عبارت اس طرح سے ہے:

و تسمیٰ ام القرآن لانها مفتتحه ومبدئه، فكانها اصله و منشئه، ولذلك تسمیٰ اساسا، او لانها تشتمل علیٰ ما فيه من الثناء على الله والتعبد بامره ونهيه وبيان وعده وعيده او علیٰ جملة من الحكم النظرية والعملية التي هي سلوك الطريق المستقيم ،

اور اسے ام القرآن سے موسوم کیا جاتا ہے کیونکہ وہ اس کا افتتاحیہ ہے اور اسی سے اس کی ابتداء ہوئی ہے، کہ گویا وہی اس کی اصل و سرچشمہ ہے اور اسی مناسبت سے اسے اساس کہا جاتا ہے، یا اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی ثناء پر مشتمل ہے اور اللہ کے اوامر و نواہی کی لازمی پیروی و فرمانبرداری کا حکم دیتی ہے، اور اس میں خدا کے وعدہ و وعید کا بیان ہے، یا اس وجہ سے اسے اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے کہ اس میں فکری و عملی حکمتیں پائی جاتی ہیں جو کہ سیدھی راہ پر چلنے کا ڈھنگ سکھاتی ہیں۔

بہر حال، لفظ ''ام'' کے استعمالی موارد اس قدر زیادہ ہیں کہ ہر موضوع میں اس کی مثالیں فرمان نبویؐ کی حقیقت کو واضح کرتی ہیں، قرآنی حوالہ سے لفظ ''ام'' کا اصل معنی و حقیقی مفہوم واضح ہو جاتا ہے، یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ فضائل و کمالات کی مصدریت و محوریت و مرکزیت حضورؐ کی ذات کو حاصل ہے اور حضورؐ کے فرمان کی روشنی میں سیدۂ کائناتؑ ان امور کی وجودی تجلیات کا نورانی وسیلہ ہیں

وحدانی حقیقت کا لطیف اشارہ

ایک اہم نکتہ کہ جو اس مقام پر قابل قدر و لائق التفات ہے وہ یہ کہ سورہ مبارکہ آل عمران میں آیات محکمات کو ''ام الکتاب'' سے موسوم کرنے میں مفرد کا صیغہ استعمال ہوا ہے جبکہ آیات کی مناسبت سے جمع کا صیغہ ''امھات'' ذکر کیا جاتا، اس سے ان آیات مبارکہ کی اصل وحدانی حقیقت کی طرف لطیف اشارہ ہے، حقیقت نورانیہ محمدیہؐ کی وحدت الوجودی

،آنحضرتؐ کے بیانات اور احادیث قدسیہ سے معلوم وواضح ہوجاتی ہے۔ان ذوات مقدسہ کی وحدت الوجودی نورانی حقیقت کا تعلق عظمت الٰہی کے مقدس نور سے ہے،سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا وجود مسعود،سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہ کے وجود مقدس کی حقیقت الوجودی نورانی تجلیات کا مرکز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی اولاد کو مظہر سیرت واوصاف نبیؐ قرار دیا ہے،اسی حوالہ سے سیدہؑ کو ''ام ابیھا'' کے پاکیزہ وعظیم لقب سے نوازا گیا،ان کی معصوم ذریت نے رسول خداؐ کی وجودی عظمتوں اور منصبی کمالات کو عملی صورت میں اس طرح پیش کیا کہ رہتی دنیا تک آنے والی نسلیں حضورؐ کے خدائی مشن سے ہدایت کی روشنی حاصل کرتی رہیں گی۔تو یہ سب کچھ سیدہ ءکائناتؑ کی وجودی نورانیت کا طفیل ہے کہ جس کی روشنی میں حضورؐ نے اپنی اس عظیم بیٹی کو''اپنے باپ کی ماں'' کہا۔

وجودی حوالہ کا اشاراتی تذکرہ

وجودی حوالہ سے بھی نسبی تعلق کے تناظر میں لفظ''ام'' کہ جس کا معنی''ماں'' ہے وہ بھی کسی چیز کے وجود پذیر ہونے کی بنیاد ہونے کی وجہ سے ہے،ماں کے بغیر جسمانی وجود پذیری نہیں ہوسکتی یعنی عام اصول کے مطابق ماں کے ذریعے اولاد کی وجود پذیری ممکن ہوتی ہے سوائے اس مورد کے،کہ جہاں اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار چاہے اور اپنی خالقیت کا عملی مظاہرہ کرے،وہاں یقیناً ان اسباب و وسائل کی احتیاج نہیں ہوتی ورنہ خداوند عالم نے ہرشے کی وجود پذیری نظام الاسباب سے وابستہ کردی ہے۔حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس سلسلہ میں ایک منفرد مثال ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بغیر باپ کے پیدا کیا کہ اس کی تفصیلات مختلف قرآنی آیات میں مذکور ہیں۔ بلکہ اس سے پہلے اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو پیدا کرکے اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا کہ وہ اسباب کا محتاج نہیں ہے۔لیکن وہ چاہتا ہے کہ دنیا کے امور نظام الاسباب سے وابستہ ہوں،اس لئے اس نے ہر چیز کے لئے سبب کا ہونا ضروری قرار دیا ہے۔

بہرحال قرآنی استعمالات کے حوالہ سے لفظ''ام'' جہاں نسبی نسبت کا حامل ہے وہاں اس سے بالاتر خدائی معیار رکھتا ہے اور اسی سے لغت کے معنی کا قرین صحت ہونا یقینی ہوتا ہے۔لفظ''ام'' کے قرآنی استعمالات کے تذکرہ میں سورۃ قصص کی آیت ۵۹ ملاحظہ کریں تو اس کی معنوی حقیقت مزید واضح وآشکار ہوجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں اس سے کیا مراد لیا ہے:

" وما کان ربك مهلك القریٰ حتیٰ یبعث فی امها رسولا یتلوا علیهم آیاتنا،وما کنا مهلکی القریٰ الا واهلها ظالمون "

(اور تیرا رب بستیوں کو تباہ کرنے والا نہیں جب تک کہ ان کے مرکز میں ایک رسول نہ بھیجے جو ان کے سامنے ہماری آیات کی تلاوت کرے،اور ہم بستیوں کو تباہ کرنے والے نہیں مگر یہ کہ ان کے باسی ظالم ہوں)۔

اس آیت میں ''قریٰ'' دو مرتبہ ذکر ہوا ہے مگر ایک مرتبہ اس کے حوالہ سے لفظ''ام'' اور دوسری مرتبہ لفظ''اھل'' ذکر ہوا ہے۔ دونوں کے درمیان فرق کے تناظر میں لفظ''ام'' کی معنوی حیثیت واضح ہو جاتی ہے،''ام'' یعنی اصل ومرکز،''اھل'' یعنی رہنے والے،اس معنوی فرق کی روشنی میں سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد اپنی معنوی حیثیت کے ساتھ آشکار ہو جاتا ہے کہ حضورؐ نے اس میں لفظ ''ام'' فرما کر اپنی بیٹی سے مادریت کی کس روحانی حقیقت کا ارادہ فرمایا ہے؟لہذا ہر جگہ لفظ ''ام'' سے نسبی نسبت مراد لینا قرآنی اصطلاح کے منافی ہے۔

حضرت رسول خداؐ نے اپنی بیٹی۔حقیقی صلبی اکلوتی بیٹی۔کو اس لقب سے یاد کر کے ایک معیار سے آگاہی دلائی ہے جو کہ صرف انہی معظمہ ومکرمہ اور مخدومہ ومعصومہ کے ساتھ مختص ومخصوص ہے۔لفظ''ام'' کے استعمالی موارد کی قرآنی مباحث میں فقہی حوالہ سے وسیع احکام موجود ہیں کہ جن کی تفصیلات مربوطہ کتب میں ملاحظہ کی جا سکتی ہیں۔

لفظ''اب'' اور ''ام'' کے قرآنی شواہد

اللہ تعالیٰ نے اپنی مقدس کتاب میں لفظ''اب'' باپ کے لئے،لفظ''ام'' ماں کے لئے استعمال کیا اور لفظ''ابوین'' ماں باپ دونوں کے لئے استعمال کیا مثلا:

-- **''یابن آدم لا یفتننکم الشیطان کما اخرج ابویکم من الجنة "،**

(اے بنی آدم،تمہیں شیطان گمراہ نہ کرنے پائے جیسا کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوایا)۔

۔سورہ اعراف،آیت ۲۷۔۔

اس میں حضرت ابو البشر آدمؑ اور حضرت حوّا دونوں کو''ابوین'' کہا گیا،اس سے مشابہ دیگر آیات میں بھی یہ لفظ ماں باپ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے،اسی طرح لفظ''والدین'' بھی ماں باپ دونوں کے لئے استعمال ہوا ہے مثلا:

"وقضٰی ربك الا تعبدوا الا اياه وبالوالدين احسانا"

(سورۃ الاسراء، آیت ۲۳)

۔۔اور تیرے پروردگار کا فیصلہ ہے کہ تم کسی کی عبادت نہ کرو سوائے اس کے، اور والدین کے ساتھ نیک سلوک کرو"

"اب" کی جگہ "والد" اور "ام" کی جگہ "والدہ" کا استعمال بھی قرآنی آیات میں کثرت سے موجود ہے، مثلا:

۔۔ "لا تضار والدة بولدها"

(ماں کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف و نقصان نہیں پہنچایا جا سکتا ہے)

۔۔سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳۔۔،

ایک آیت میں والد کو "مولود لہ" کہا گیا ہے:

۔۔ "ولا مولود له بولده" (اور نہ ہی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے،)

اسی طرح قرآنی استعمال کے متعدد شواہد موجود ہیں جن میں ایک شخصیت کے لئے مختلف الفاظ، اور مفرد اور تثنیہ و جمع کے صیغوں میں بھی مختلف الفاظ کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں مثلا:

ابن ،ابن ام ،اخ ،اخوان، اخوة ،ولد ،ابناء ،اولاد ،ولدان ،بنون ،بنت ،بنات، امهات ،والدة ،والدات ،اب ،ابوان ،والدان ،والد ،مولود له، آباء۔

ان میں سے ہر ایک کی قرآنی مثالیں ملاحظہ ہوں؛

۔۔ابن ،(بیٹا)

سورہء بقرہ، آیت ۸۷:

"وآتينا عيسٰى ابن مريم البينات"۔

(اور ہم نے عیسیٰ، مریم کے بیٹے کو واضح نشانیاں دیں)

۔۔ابن ام، (ماں جایا) یہ لفظ بھائی کے لئے استعمال ہوتا ہے، بالخصوص مادری بھائی کے لئے۔۔

سورہ اعراف، آیت ۱۵۰:

"قال ابن ام ان القوم استضعفوني"

(اس نے کہا اے میرے ماں جائے، مجھے میری قوم نے کمزور کر دیا ہے)

۔۔اخ، (بھائی)۔

سورہ نساء، آیت ۱۲:

" وله اخ او اخت فلکل واحد منهما السدس"

(اور اگر مرنے والے کے ورثہ میں اس کا بھائی یا بہن ہو تو ان میں سے ہر ایک کو چھٹا حصہ ملے گا)

۔۔اخــــوان ، (بھائی) الف اور خ پر زبر کے ساتھ تثنیہ اور الف کے نیچے زیر اور خ پر جزم ہو تو جمع کے لئے استعمال ہوتا ہے،

سورہ اسراء، آیت ۲۷:

" ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين "

(فضول خرچی کرنے والے لوگ شیطان کے بھائی ہیں)

۔۔اخوة ، (بھائی) جمع کا صیغہ،

سورہ حجرات، آیت ۱۰:

" انما المومنون اخوة فاصلحوا بين اخويكم"

(یقیناً مومنین بھائی بھائی ہیں، تم اپنے بھائیوں کے درمیان اصلاح کرو)

۔۔ولد ، (بیٹا، بچہ)،

سورہ آل عمران آیت ۴۷:

" قالت رب انّی يكون لی ولد ولم يمسسنی بشر "،

(اس نے کہا، پروردگارا، میرا کہاں بیٹا (بچہ) ہوگا، مجھے تو کسی بشر نے چھوا ہی نہیں)۔

۔۔ ابناء، (بیٹے، بچے)

سورہ مائدہ آیت ۱۸:

" قالت اليهود والنصارىٰ نحن ابناء الله واحباوه "،

(یہودیوں اور نصرانیوں نے کہا کہ ہم اللہ کے بیٹے ہیں اور اس کے دوست ہیں)۔

ایک آیت مبارکہ (سورہ توبہ، ۲۴) میں متعدد الفاظ مذکور ہیں جن سے قرآنی مطلوبہ شواہد مل سکتے ہیں، یعنی آباء، ابناء، اخوان، ازواج، وغیرہ، ملاحظہ ہو:

"قل ان کان آبائکم وابنائکم واخوانکم وازواجکم وعشیرتکم واموال اقترفتموها وتجارة تخشون کسادها ومساکن ترضونها احب الیکم من الله ورسوله وجهاد فی سبیله فتربصوا"۔

(کہہ دیجیے کہ اگر تمہارے آباء (باپ دادا)، اور تمہارے بیٹے (بچے، اولاد)، اور تمہارے بھائی (حقیقی وحقوقی)، اور تمہاری بیویاں، اور تمہارے قبیلے وخاندان، اور وہ اموال جو تم نے اکٹھے کر رکھے ہیں، اور وہ تجارت کہ جس میں اس کی کساد بازاری سے تم ڈرتے ہو، اور تمہارے گھر کہ جو تمہیں پسند ہیں، یہ سب اللہ اور اس کے رسول اور اللہ کی راہ میں جہاد کرنے سے زیادہ اچھے لگتے ہیں تو انتظار کرو)

--**اولاد**، (بیٹے، بچے)۔ یہ لفظ بیٹوں اور بیٹیوں دونوں کے لئے استعمال ہوتا ہے، اس میں بالواسطہ اور بلا واسطہ سب اولاد شامل ہے۔

سورہ نساء، آیت ۱۱ :

" یوصیکم الله فی اولادکم للذکر مثل حظ الانثیین"،

(اللہ تمہیں تمہاری اولاد کے بارے میں حکم دیتا ہے کہ مرد کے لئے دو عورتوں کے برابر حصہ ہے)۔

سورہ انعام، آیت ۱۵۱ :

" ولا تقتلوا اولادکم من املاق ،نحن نرزقکم وایاهم"،

(اپنی اولاد کو ناداری کی وجہ سے قتل نہ کرو، ہم تمہیں بھی روزی دیتے ہیں اور انہیں بھی روزی دیتے ہیں)۔

--**ولدان**، (بیٹے)۔ یہ لفظ عمومی طور پر چھوٹے بچوں کے لئے استعمال ہوتا ہے،

سورہ نساء، آیت ۷۵ :

" وما لکم لا تقاتلون فی سبیل الله والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان"۔

(اور تمہیں کیا ہوگیا ہے کہ تم قتال نہیں کرتے اللہ کی راہ میں، اور مستضعف مردوں، عورتوں اور بچوں کے لئے!)

۔۔**بنون**،(بیٹے) یہ لفظ بیٹوں کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے اور تمام اولاد کے لئے بھی استعمال ہوتا ہے، اگر چہ بیٹوں کے لئے خصوصیت کے ساتھ اور تمام اولاد کے لئے عمومی طور پر اس کے استعمال کی مثالیں کلام عرب میں موجود ہیں، لیکن اگر اس کا تقابل مونث کے ساتھ ہو تو یقینی طور پر اس سے مراد بیٹے ہوتے ہیں،

سورہ شعراء، آیت ۸۸:

" یوم لا تنفع مال ولا بنون "،

(اس دن نہ مال فائدہ دے گا اور نہ ہی اولاد کام آئے گی)۔

سورہ طور، آیت ۳۹:

" ام له البنات ولكم البنون"

(کیا اس کے لئے بیٹے اور تمہارے لئے بیٹیاں ہیں)۔

پہلی آیت میں بنون سے مراد بظاہر بیٹے ہیں کیونکہ جاہلی عرب ایک دوسرے پر امتیاز و افتخار کے طور پر بیٹوں کی کثرت کا حوالہ دیتے تھے اور بیٹیوں کو وجہ خفت و خست سمجھتے تھے کہ جسے اسلام نے مورد مذمت قرار دے کر بیٹیوں کو اللہ کی رحمت کا نام دیا اور بیٹوں کو نعمت سے موسوم کیا۔ لیکن اس لفظ (بنون) کی معنوی وسعت کی بناء پر اس سے تمام اولاد مراد لینا بھی درست ہے، جبکہ دوسری آیت میں بنات اور بنون کا تقابلی تذکرہ ہوا ہے لہذا اس میں یقیناً بیٹے مراد ہیں۔ لفظ بنون بھی لفظ اولاد کی طرح دونوں جہتیں رکھتا ہے۔

۔۔**بنت، ابنت**(بیٹی)

سورہ مریم، آیت ۱۲:

" ومريم ابنت عمران التى احصنت فرجها "

(اور مریم دختر عمران، کہ جس نے اپنی شرمگاہ (ناموس) کی حفاظت کی)

۔۔**بنات**،(بیٹیاں)

سورہ نساء، آیت ۲۳:

" حرمت عليكم امهاتكم وبناتكم ..."،

(تم پر حرام کی گئی ہیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں ...)۔

۔۔ امهات ، (مائیں)

سورہ نحل، آیت ۷۸:

" والله اخرجكم من بطون امهاتكم لا تعلمون شيئا "۔

(اور اللہ نے تمہیں تمہاری ماؤں کے شکموں سے باہر نکالا جبکہ تم کچھ بھی نہ جانتے تھے)

۔۔والدة (ماں)

سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳:

" لا تضار والدة بولدها "،

(والدہ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف ونقصان نہیں پہنچایا جاسکتا)۔

۔۔والدات، (مائیں)

سورہ بقرہ، آیت ۲۳۳:

"والوالدات يرضعن اولادهن حولين كاملين "،

(اور مائیں اپنی اولاد کو پورے دو سال دودھ پلائیں)۔

اس میں والدات سے مراد حقیقی مائیں ہیں، اور اولاد سے مراد بیٹے و بیٹیاں دونوں ہیں۔

۔۔اب، (باپ)،

سورہ احزاب، آیت ۴۰

" ما كان محمد ابا احد من رجالكم... "

(محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں، لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں...)۔

۔۔ابوان ، (ماں، باپ)،

سورہ اعراف، آیت ۲۷:

" يا بني آدم لا يفتننكم الشيطان كما اخرج ابويكم من الجنة "

(اے اولاد آدم، کہیں شیطان تمہیں دھوکہ نہ دے دے جس طرح کہ اس نے تمہارے ماں باپ کو بہشت سے نکلوایا تھا)۔

-۔**والدان** (ماں، باپ)،

سورہ نساء آیت ۷:

" للرجال نصیب مما ترك الوالدان والاقربون وللنساء نصیب مما ترك الوالدان والاقربون " ،

(مردوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو کچھ ماں باپ اور قریبی چھوڑ جائیں اور عورتوں کے لئے اس مال میں سے حصہ ہے جو ماں باپ چھوڑ جائیں)

-۔ **والد** ، (باپ)،

سورہ بلد آیت ۳:

" لا اقسم بهذا البلد، وانت حل بهذا البلد، و والد وما ولد " ،

(نہیں، مجھے قسم ہے اس شہر کی، کہ تو اس شہر میں رہتا ہے، اور قسم ہے والد کی اور جو اس نے پیدا کیا)۔

-۔**مولود له**، (باپ)،

سورہ بقرہ آیت ۲۳۳:

" وعلی المولود له رزقهن وكسوتهن "،

(اور مولود لہ (باپ) کے ذمہ ہے ان کی خوراک ولباس،)

آباء، اب کی جمع کا صیغہ، یہ لفظ باپ دادا، اور خاندانی بزرگوں سب کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔

سورہ صافات آیت ۱۲۶:

" الله ربكم ورب آبائكم الاولين " ،

(اللہ تمہارا رب ہے اور تمہارے آباء (باپ، دادا) کا بھی رب ہے جو پہلے تھے)۔

ان تمام الفاظ کے قرآنی استعمالی موارد مختلف آیات مبارکہ میں گوں نا گوں مربوطہ موضوعات واحکام کے ضمن میں موجود ہیں، ان کے تناظر میں حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر کی معنوی حیثیت واہمیت واضح ہوجاتی ہے کہ حقیقی صلبی بیٹی کو لفظ "ام" سے موسوم کرکے اس کی اضافت لفظ "اب" کے ساتھ کردی تا کہ سیدہ سلام اللہ علیہا کی وجودی عظمت وامتیازی حیثیت کے

مربوطہ پہلو واضح ہوسکیں۔

اگرچہ اس موضوع کے حوالہ سے مختلف عناوین کے تحت متعدد امور زیر بحث لائے جاسکتے ہیں اور قرآنی استعمالی موارد کے استشہادی حوالوں کے ذریعے فرمان نبویؐ کی معنوی عظمت سے آگاہی حاصل کی جاسکتی ہے، اور اس کے علاوہ علمی موضوعات وسائنسی تحقیقات کے تناظر میں بھی وجودی جینات کے مربوط سلسلوں کو مدنظر رکھتے ہوئے فرمان نبویؐ کی اصل حقیقت واضح ہوسکتی ہے، لیکن یہاں بنیادی مطالب کے تذکرہ کے ساتھ ساتھ بحث کی تلخیص میں اہم نکات کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں حضورؐ کی چند احادیث اور حضورؐ کے بارے میں سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے بعض بیانات ذکر کرنے کا شرف حاصل کرتا ہوں، یعنی یہ دیکھیں کہ باپ نے بیٹی کے بارے میں اور بیٹی نے باپ کے بارے میں کیا کہا، لیکن اس سے پہلے زیرنظر موضوع یعنی فرمان نبویؐ: **''فاطمة ام ابیھا''** کے حوالہ سے نہایت اہم اور بنیادی نکات فہرست کی صورت میں پیش کرتا ہوں:

- حضورؐ نے اپنی حقیقی صلبی بیٹی کو ''ماں'' کا لقب دیا۔
- حضورؐ نے اپنے فرمان میں پہلے بیٹی کا نام لیا، اور اس کے ساتھ اپنے نام کی بجائے ''ابیھا'' فرمایا۔
- حضورؐ کا فرمان چونکہ وحی ترجمان ہوتا ہے لہٰذا اس میں مرضیٔ پروردگار کی ترجمانی کا حوالہ موجود ہے۔
- اس فرمان میں معنوی کمالی نورانی وجودی حقیقت کی طرف اشارہ ہوا ہے۔
- حقوقی نسبت کا یہ مخصوص حوالہ اپنی حیثیت میں منفرد ہے۔
- حضورؐ نے اس لقب کی عملی پاسداری کی اور سیدہؑ نے اس اعزاز کی حرمت کے عملی تحفظ کا ثبوت دیا۔
- اللہ تعالیٰ نے نسل وذریت نبیؐ کے تسلسل و وجودی بقاء کے لئے حضورؐ کی حقیقی صلبی اکلوتی بیٹی سیدۂ کائنات فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کا انتخاب کیا اور ان کی اولاد کو اولادِ وعترتِ رسولؐ قرار دیا۔
- حقیقی صلبی بیٹی کے لئے ''ماں'' ہونے کا اعزاز کمالات وعظمتوں اور فضیلتوں ورفعتوں کی معراج کی علامت ہے۔
- بیٹی ہونے کے باوجود ''ماں'' ہونے کا رتبہ پانا، باپ کی طرف سے بیٹی کے لئے نہایت عظیم تحفہ ہے بلکہ اختصاصی اعزاز ہے جس کی مثال تاریخ بشریت میں نہیں ملتی۔

- یہ نسبی وسببی یعنی حقیقی وحقوقی نسبتوں سے بالاتر معیار کا حامل ہے۔
- متکلم اور مخاطب کی حیثیتوں کو ملحوظ رکھیں تو اس فرمان یا اعزاز کی عظمت واہمیت اور اس کا عظیم روحانی معیار کا حامل ہونا واضح ہو جاتا ہے۔ متکلم وہ ہستی ہیں جن کی ہر بات وحی الٰہی کی ترجمان ہوتی ہے، اور وہ وہی کچھ کہتے ہیں جو اللہ کہتا ہے یا اس کی مرضی ومشیت اس کی متقاضی ہوتی ہے، ان کی زبان مبارک سے کسی توصیف کے بیجا ہونے کا تصور ہی غلط بلکہ تا حد کفر باللہ ہے، اور مخاطب وہ ہستی ہیں جن کے بارے میں قرآن مجید کی متعدد آیات مبارکہ نازل ہوئیں اور ان میں ان کی عصمت وطہارت اور فضیلت مذکور ہے۔

فرمان نبویؐ کا سندی جائزہ:

حضرت رسول خداؐ نے سیدۂ کائناتؑ کے بارے میں جو ارشاد فرمایا کہ فاطمہؑ اپنے باپؐ کی ماں ہے، (**فاطمة ام ابيها**) اس کی سندی بحث کا سلسلہ اس قدر یقینی ہے کہ اس کی بابت شک کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔ تاہم ارباب نظر کیلئے چند مفید مصادر کا تذکرہ ضروری سمجھتا ہوں تاکہ معلوم ہو جائے کہ اس فرمان کی سندی حقیقت کیا ہے اور اسے ان سب اہل تحقیق نے ذکر کیا ہے جو حق کے متلاشی رہتے ہیں، جن کے دلوں میں اہل بیتؑ کی محبت کا چراغ جلتا ہے اور وہ ہمیشہ اہل بیتؑ کی محبت میں سرشار رہتے ہیں، ان کے علاوہ جن حضرات نے سیدہؑ کی اس کنیت کا تذکرہ کیا ہے ان کا استناد بالعموم انہی کتب سے ہے جن میں محدث، مورخ، مفسر اور محقق سب شامل ہیں۔

کاش، اہل دنیا اس حقیقت کا ادراک کرتے کہ جس ہستی کے بارے میں رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا کہ اس کی رضا میری رضا، اس کی ناراضگی میری ناراضگی ہے اور اللہ اس سے ناراض ہوتا ہے جس سے فاطمہؑ ناراض ہوں اور اللہ اس سے خوش ہوتا ہے جس سے فاطمہؑ خوش ہوں، (**ان رسول الله (ص) قال لفاطمة :يا فاطمة، ان الله يغضب لغضبك ويرضى لرضاك**)۔ تو پھر لوگوں کیلئے واضح راستہ موجود تھا کہ کس سے راضی ہوں اور کس سے ناراض ہوں، کس کی محبت کا دم بھریں اور کس سے دشمنی کریں۔ کس کی دہلیز پر جبین نیاز خم کریں اور کس سے دشمنی رکھنے والوں سے دوری اختیار کریں۔

یہاں میں اپنے والد گرامی قدر جلیل القدر عالم دین مبلغ اہل بیتؑ مفتی الشیعہ قاضی الشریعہ علامہ مزمل حسین میثمی

الغدیری رحمۃ اللہ تعالیٰ ورضوانہ علیہ کا یہ جملہ پیش کرتا ہوں کہ جو وہ اکثر اپنی مجالس میں بیان فرمایا کرتے تھے کہ جس دل میں سیدہ فاطمہ زہراءؑ کے دشمنوں کی محبت موجود ہو وہ ناپاک ہے، اس دل میں سیدہ زہراءؑ کی محبت آ ہی نہیں سکتی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اس نے کسی کے بدن میں دو دل نہیں رکھے، (**ماجعل الله لرجل من قلبين في جوفه**)۔ سورہ احزاب، آیت ۴۔ تو کیونکر ممکن ہے کہ کوئی شخص سیدہؑ سے محبت کا اظہار کرے اور ان کے دشمنوں سے بھی محبت کرے، یہ نہیں ہو سکتا۔ سیدہؑ کی محبت دل کی پاکیزگی چاہتی ہے اور کسی پاکیزہ دل میں سیدہؑ کے دشمن کی محبت آ ہی نہیں سکتی۔ اس کے مقابل دوسری جانب دیکھیں کہ کسی ناپاک دل میں سیدہؑ کی محبت نہیں آسکتی، گویا یہ دو جانبہ مسئلہ ہے کہ نہ تو کسی پاک دل میں سیدہؑ کے دشمن کی محبت آتی ہے اور نہ ہی کسی ناپاک دل میں سیدہؑ کی محبت آسکتی ہے، ظاہری طور پر اظہارات بے فائدہ ہیں، دلوں کے راز اللہ ہی جانتا ہے۔

ذیل میں چند کتابوں کے حوالے پیش کر رہا ہوں تاکہ واضح ہو جائے کہ اس فرمان نبویؐ کے بارے میں محققین نے اپنی کتب میں کس طرح اسے یقینی قرار دیا ہے اور اس کی صحت کو ہر طرح کے شک وشبہ سے بالاتر قرار دیا ہے کہ جن میں مطابقی و تضمنی دونوں دلالتوں کے ساتھ ساتھ التزامی دلالت کے تناظر میں کلی و جزئی اور صریح وضمنی ہر طرح کے اظہارات موجود ہیں۔

- تاریخ دمشق۔ جلد 3۔ صفحہ 158
- الاستیعاب۔ جلد 4۔ صفحہ 1899
- المقتفی فی سرد الکنی۔ جلد 2۔ صفحہ 167
- سیر اعلام النبلاء۔ جلد 2۔ صفحہ 119
- طبقات المحدثین۔ جلد 1۔ صفحہ 30
- تہذیب التہذیب۔ جلد 12۔ صفحہ 468
- الکاشف۔ جلد 2۔ صفحہ 514
- التعدیل والتجریح۔ جلد 3۔ صفحہ 1295
- الاصابۃ۔ جلد 8۔ صفحہ 52
- البدایۃ والنہایۃ۔ جلد 6۔ صفحہ 332

- المعجم الکبیر۔جلد 22۔صفحہ 397
- تہذیب الاسماء۔جلد 2۔صفحہ 617
- اسد الغابۃ۔جلد 7۔صفحہ 220

ان تاریخی وحدیثی اور رجالی مصادر میں سیدہؑ کے بارے میں فرمان نبویؐ'' **ام ابیھا** ''کے حوالہ سے صریح وواضح الفاظ میں بی بیؑ کی کنیت کی بابت اس طرح مرقوم ہے:

(۱) کتاب الاستیعاب میں یہ الفاظ درج ہیں:

" و ذکر عن جعفر بن محمد قال: کینة فاطمة بنت رسول اللّٰه (ص) ام ابیھا"۔

حضرت امام جعفر صادقؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے ارشاد فرمایا:

'' فاطمۃ بنت رسول اللہؐ کی کنیت ''ام ابیھا'' ہے''۔

(۲) کتاب المنتقی فی سرد الکنی میں اس طرح مذکور ہے:

'' ومن کنیة النساء، ام ابیھا فاطمة الزھراء''۔

(خواتین کی کنیت کی بحث، فاطمہ زہراؑ کی کنیت ''ام ابیھا'' ہے)۔

(۳) کتاب سیر اعلام النبلاء میں اس طرح لکھا ہے:

" ام ابیھا بنت سید الخلق رسول اللّٰه (ص) ابی القاسم محمد بن عبداللّٰه بن عبدالمطلب بن ھاشم بن عبدالمناف، القرشیة الھاشمیة و ام الحسنین"۔

(''ام ابیھا'' کنیت ہے بنت سید الخلق رسول خداؐ کی یعنی ابوالقاسم محمد بن عبداللہ بن ھاشم بن عبدالمناف کی، وہ بی بی قبیلہء قریش سے ھاشمی خاندان کی چشم و چراغ تھیں اور ان کی ایک کنیت ''ام الحسنین'' ہے)۔

اس میں حضورؐ کے آباء واجداد کے اسماء گرامی ذکر کئے گئے ہیں اور آخر میں القرشیۃ الھاشمیۃ کے انتسابی حوالے مذکور ہیں تاکہ اس مطلب میں کوئی شبہ نہ رہے کہ "ام ابیھا" کی کنیت صرف سیدہ کائنات سلام اللہ علیھا کیلئے مخصوص ہے کہ جو سید الخلق کی بیٹی ہیں۔

(۴) کتاب طبقات المحدثین میں اس طرح مرقوم ہے:

" فاطمة ابنة النبی (ص) ام ابیھا "،

(فاطمہ نبیؐ کی دختر، ام ابیھا۔ اپنے باپ کی ماں۔)

(۵) کتاب تھذیب التھذیب میں یوں لکھا ہے:

" فاطمة بنتِ رسول اللّٰه (ص) تکنی ام ابیھا و تعرف بالزھراء"،

(فاطمہؑ دختر رسول خداؐ، ان کی کنیت ام ابیھا ہے اور انہیں "زھراء" کے نام سے پہچانا جاتا ہے)۔

(۶) کتاب الکاشف میں یہ الفاظ درج ہیں:

" فاطمة ابنة النبی (ص) ام ابیھا"،

(فاطمہؑ نبیؐ کی بیٹی، ام ابیھا۔ اپنے باپ کی ماں)۔

(۷) کتاب التعدیل والتجریح میں یہ لکھا ہے:

" فاطمة بنت النبی (ص) تکنی ام ابیھا"،

(فاطمہؑ دختر نبیؐ، ان کی کنیت "**ام ابیھا**" ہے)۔

اسی کتاب میں دیگر راویوں کے اسناد سے امام جعفر صادقؑ سے منقول ہے کہ انہوں نے اپنے والد گرامی قدر حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے حوالہ سے کہا ہے کہ:

"کانت کنیة فاطمة بنت رسول اللّٰه (ص) ام ابیھا"،

(فاطمہ، دختر رسول خداؐ کی کنیت" ام ابیھا" تھی)۔

(۸) کتاب الاصابۃ میں ان الفاظ کے ذریعے تذکرہ ہوا ہے:

" فاطمة الزهراء بنت امام المتقين رسول الله محمد بن عبدالله بن عبدالمطلب بن هاشم ، الهاشمية، صلى الله علىٰ ابيها و آله و سلم و رضى عنها، كانت تكنى ام ابيها "،

اس میں سیدہؑ کے تذکرہ میں حضورؐ کو امام المتقین کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اور صلوات میں بھی مخصوص الفاظ ذکر کئے گئے ہیں یعنی "صلی اللہ علیٰ ابیھا و آلہ وسلم"، خدا رحمت نازل فرمائے ان کے باپ پر اور ان کی آل اولاد پر، اس کے بعد "رضی عنھا" کے الفاظ ذکر کے کنیت میں لکھا ہے کہ ان کی کنیت ام ابیھا تھی۔

(۹) کتاب البدایہ والنہایہ میں اس طرح لکھا ہے:

" فاطمة رضى الله عنها و تكنى بام ابيها "،

(فاطمہ رضی اللہ عنہا اور ان کی کنیت ام ابیھا تھی)۔

(۱۰) کتاب المعجم الکبیر میں یہ الفاظ لکھے ہیں:

" كنية فاطمة ام ابيها "،

(فاطمہؑ کی کنیت ام ابیھا ہے)۔

" وكانت فاطمة بنت رسول الله (ص) تكنى ام ابيها"

(اور فاطمہؑ بنت رسول خداؐ کی کنیت ام ابیھا تھی)۔

ان کتب کے علاوہ شیعہ محدثین ومفسرین ومورخین ومحققین ومتکلمین نے بھی اپنی نگارشات میں اس فرمان نبویؐ کو ذکر کیا ہے جس کے بعد اس کی اسنادی حیثیت اور معنوی وسعت کے بارے میں مزید کسی بیان کی ضرورت باقی نہیں رہتی۔

اور اگر بالفرض کسی کتاب کے بعض رجالی حوالوں میں تحفظات کا اظہار کیا جائے تو اس سے دیگر کتب کے موثق حوالوں و اسناد کی صحت مخدوش نہیں ہوتی، بلکہ اس کا کثرت سے ذکر کیا جانا اس کا جبران کرتا ہے، جیسا کہ سطور بالا میں مذکور ہے کہ اہل لغت نے بھی اسے مثال اور دلیل کے طور پر ذکر کیا ہے، گویا ان کی نگاہ میں یہ بات مسلمات وقطعیات میں سے ہے، اس میں کسی مخصوص اعتقادی ترجیح کا ہرگز دخل نہیں، اللہ کے عظیم رسولؐ نے اپنی عظیم بیٹی کو اپنے باپ کی ماں کہہ کر ایک ہی جملے میں عظمتوں کی ایک کائنات سمیٹ دی ہے اور انتسابی اعزاز کی روحانی و معنوی جہتوں کو واضح فرمادیا ہے، اس اعزاز میں جو اعلیٰ ترین معیار پایا جاتا ہے اس کا ادراک اہل دین و ارباب عقل و بصیرت ہی کر سکتے ہیں، کہ جنہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و باطن کی پاکیزگی سے نوازا ہے، اور معرفت کی دولت عطا کی ہے۔

معنوی عظمت کا اجمالی بیان

اس فرمان کی لفظی ترتیب اور معنوی وسعت دونوں کے تناظر میں تفصیلی تذکرہ اس مختصر بیان میں نہیں ہوسکتا البتہ اس کے بعض اہم ترین پہلوؤں کا اجمالی و اشاراتی تذکرہ کرتے ہوئے اس کی معنوی عظمت سے آگاہی مطلوب ہے۔

سابقہ بیانات میں ہم اس مطلب کی طرف اشارہ کر چکے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ کا کلام نہ تو ذاتی ترجیہات پر مبنی ہوتا ہے اور نہ ہی جذباتی واحساساتی ترشحات کا نتیجہ ہوتا ہے بلکہ آپؐ کے ہر قول کو "**وما ینطق عن الهویٰ ان هو الا وحی یوحی**" کی قرآنی سند حاصل ہے اور آپؐ کے ہر عمل کو "**ومارمیت اذرمیت ولکن الله رمی**" کی خدائی تائید حاصل ہے۔ اگر آپؐ نے اپنی بیٹی کو "ام ابیھا" (اپنے باپ کی ماں) کہا تو اس میں آپؐ کی اپنی بیٹی سے ذاتی محبت دخیل نہ تھی اور اگر آپؐ اپنی بیٹی کے لئے کھڑے ہوجایا کرتے تھے تو اس میں آپؐ کی جذباتی کیفیت شامل نہ تھی۔ آپؐ نے دنیاوی معیاروں سے بالاتر خدائی معیاروں اور اپنی منصبی شخصیت وحیثیت کی بناء پر جو کچھ کہا یا جو کچھ کیا وہ سب خدائی تصدیق کا امین تھا۔ اگر آپؐ نے چادر کے نیچے جمع افراد کے بارے میں فرمایا: "**اللهم ان هئولاء اهل بیتی**"، اے اللہ! یہ ہیں میرے اہل بیت۔ تو اس میں اہل بیت کے تعین میں قطعیت پیدا ہوگئی کہ ان کے علاوہ کسی کو "اہل بیت" میں شامل نہیں کیا جاسکتا۔ بالخصوص جب ام المومنین حضرت ام سلمہؓ نے پوچھا کہ میں بھی ان میں شامل ہوں تو فرمایا: "**انك علی خیر**"، تو بہتری پر ہے، یعنی اہل بیت میں شامل نہیں ہے۔ زوجیت کا رشتہ اور ہے اور اہل

بیتؑ ہونا اور ہے۔ اہل بیت ہونے میں نسب وسبب دخیل نہیں بلکہ مرضئ رب بنیاد ہے۔ اسی طرح اگر آپؐ نے " **من کنت مولاہ فهذا علی مولاہ** " فرمایا تو اس میں آپؐ کی ذاتی خواہش شامل نہ تھی بلکہ اللہ تعالیٰ کے فرمان کی اطاعت کا حوالہ تھا کہ اگر غدیر کے دن اعلان ولایت نہ فرماتے تو رسالت کے ہر کام کو خطرہ لاحق ہو جاتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے واضح لفظوں میں فرمایا تھا: " **یا ایها الرسول بلغ ما انزل الیك من ربك و ان لم تفعل فما بلغت رسالته، والله یعصمك من الناس** "، (سورہ مائدہ، آیت ۶۷)

(اے پیغامبر! جو حکم آپ پر آپ کے پروردگار کی طرف سے نازل ہوا ہے اسے پہنچا دیجیے، اور اگر آپؐ نے یہ کام نہ کیا تو گویا اللہ کا کوئی پیغام ہی نہ پہنچایا اور اللہ آپؐ کو لوگوں کے شر سے بچانے والا ہے)۔

اسی طرح اگر رسول خداؐ نے یہ فرمایا:

" **علی منی وانا منه** "، (علی مجھ سے ہے اور میں علی سے ہوں)،

" **حسین منی وانا من حسین** " (حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں)،

" **الحسن والحسین سیدا شباب اهل الجنة** " (حسن وحسین جوانان جنت کے سردار ہیں)،

" **فاطمة حوراء انسیة** " (فاطمہ انسانی حور ہے)،

تو یہ اور ان جیسے دیگر ارشادات نبویہ میں کوئی جذباتی حوالہ ملحوظ نہیں بلکہ اظہار حقائق مطلوب ہے جو کہ حضورؐ کے مقام ومنزلت کے عین مطابق بھی ہے اور اس کا تقاضہ بھی!

ان تمام شواہد ودلائل کی روشنی میں فرمان نبویؐ " **فاطمة ام ابیها** " میں جو عظیم معانی ومطالب اور معارف و حقائق پوشیدہ ہیں ان سے بخوبی آگاہی حاصل ہوتی ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ جملہ سیدۂ کائناتؑ کی وجودی رفعتوں کے اظہار کے لئے ارشاد فرمایا۔ اس میں جہاں سیدہؑ کی تعظیم وتعزیز مقصود ہے وہاں حضورؐ کی تکریم وتنویر ذات بھی ملحوظ ہے۔ بیٹی کا اس مقام ومنزلت کا حامل ہونا باپ کے بلند مقام کا عکاس ہے کہ وجودی انتساب فضیلتوں کا محور ہوتا ہے۔ اس انتساب کی عملی پاسداری کا ثبوت جس طرح سیدۂ کائناتؑ نے دیا وہ انہی کا خاصہ تھا، ان کے علاوہ کسی کو اس شرف واعزاز سے نہیں نوازا گیا۔ صلبی ماں کیلئے ولادت ورضاعت وحضانت کے امور کی نسبت سے مخصوص حقوق واحکام مقرر کئے گئے ہیں اور اس میں بھی

رضاعت کا حوالہ صلبی ماں کے علاوہ بھی قابل تصور و تحقق پذیر ہوتا ہے کہ جس کے تناظر میں ''رضائی ماں'' کا عنوان قائم ہوتا ہے، چنانچہ ارشاد الٰہی ہے:

" وامھاتکم اللاتی ارضعنکم "

(اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تمہیں دودھ پلایا ہو)۔ سورہ نساء، آیت ۲۳۔

لیکن تربیت و نگہداشت کے حوالہ سے جو امور ملحوظ ہوتے ہیں وہ ولادت کے مرحلہ سے کہیں زیادہ اہمیت و آثار کے حامل ہوتے ہیں۔ ولادت کو وجودی ظرف جبکہ تربیت کو ثبوتی ظرف ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ دونوں میں سے ہر ایک کی اپنی مخصوص حیثیت و احکام ہیں جن میں حقیقی و حقوقی سب شامل ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ''ماں'' کو جو مقام و مرتبہ عطا فرمایا ہے وہ کسی بھی دوسرے فرد کو عطا نہیں کیا بلکہ اسے ''باپ'' سے بھی زیادہ عظمت بخشی ہے، کیونکہ ولادت کے ساتھ ساتھ حضانت و تربیت کا مرکز آغوش مادر ہے۔ ماں کی ممتا اور فطری محبت کا تقابل کسی چیز سے ممکن نہیں، ماں کی گود مدرسہ فطرت ہے۔ ماں کی ایک سانس کی قیمت کوئی نہیں چکا سکتا، ماں اللہ کی رحمت کا دوسرا نام ہے، سچ ہے کہ ماں کے قدموں میں جنت ہے، اور اگر ماں، سیدہٗ کائناتؑ ہو تو اولاد کی عظمت و رفعت اور مقام و منزلت کس قدر ہوگی۔ عام طور پر کہا جاتا ہے کہ ماں کے قدموں کے نیچے بہشت ہے تو اس سے کیا مراد ہے، اس کی بابت واضح ہے کہ اس سے مراد اس کی وجودی عظمت سے عملی استفادہ کرنے سے جنت کی ضمانت ملتی ہے، اور اس کے حقوق کی کامل ادائیگی اللہ تعالیٰ کی رضا کے حصول کی کوششوں کو کامیاب کرتی ہے، تو جب ایسا ہے تو جو ماں سیدۃ نساء اہل الجنۃ ہو اس کے عظیم رتبہ کا کیا اندازہ ہو سکتا ہے؟

آخر فاطمہؑ ہی کیوں؟

حضرت پیغمبر اسلامؐ کے فرمان کی روشنی میں یہ سوال یقیناً ذہنوں میں پیدا ہو سکتا ہے کہ آخر وہ کون سی بات تھی جس کہ بنیاد پر آنحضرتؐ نے اپنی حقیقی بیٹی سیدہٗ کائنات فاطمہ زہراؑ کو ''اپنے باپ کی ماں'' کے الفاظ سے یاد فرمایا اور یہ عظیم لقب ان سے مخصوص کیا جبکہ آپ ؐ کی خدمتگزاری میں دیگر محترم خواتین کے نام بھی آتے ہیں؟

اس کے جواب میں اس حوالہ سے اب تک جو مطالب ذکر کئے جا چکے ہیں ان کے خلاصہ کے طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ولادت و رضاعت اور تربیت کے مخصوص حوالوں سے قطع نظر محبت وعطوفت اور نگہداشت و حرمت کی عملی پاسداری کے علاوہ حضورؐ کے منصبی اہداف کی تقویت میں سیدۂ کائناتؑ نے جو منفرد کردار ادا کیا ہے وہ اس بات کا سبب بنا، یا متقاضی تھا کہ حضور ختمی مرتبت، اور وحی کے بغیر کلام نہ کرنے والی شخصیتؐ، اپنی جلیل القدر و عظیم المرتبت بیٹی کو ''ماں'' کا خطاب دیں۔ اس پر مزید یہ کہ حضورؐ کی ذریت ونسل کی بقاء کی وجودی ضمانت کا حوالہ تھا جو کسی دوسری خاتون کے حصہ میں نہیں آیا۔

روایات کے مطابق جب آنحضرتؐ سفر یا جنگ سے واپس تشریف لاتے تو سیدہء کائناتؑ آپؐ کو ماں جیسا پیار دیتی تھیں اور آپؐ کے سکون قلب کیلئے وہ کچھ کرتی تھیں جو ایک صلبی ماں اپنی اولاد کیلئے کرتی ہے تو حضورؐ ان سے فرماتے:

''فاطمة ام ابيها''

(فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے)۔

اور جب نگہداشت کے امور میں سیدہؑ اپنا مثالی کردار پیش کرتیں تو ارشاد فرماتے:

''فداك ابوك''، ''فداك ابي وامي''

(تیرا بابا، تجھ پر فدا ہوں)، (میرے ماں باپ، تجھ پر قربان ہوں)

تو سیدہؑ نے ہر مرحلہ میں حقیقی ماں جیسا کردار پیش کر کے یہ منفرد اعزاز حاصل کیا۔ اپنے آرام وسکون کی پرواہ کئے بغیر سید کائناتؐ کے آرام وسکون کو یقینی بنایا، اپنی غذا وخوراک کو خاطر میں نہ لاتے ہوئے حضورؐ کی غذا وخوراک کا اہتمام کیا، اپنی ذات سے مربوط ہر چیز کی پرواہ کئے بغیر اپنے پدر بزرگوارؐ کی ذات سے مربوط امور کو مقدم رکھا، بیٹی ہونے کے باوجود ماں بن کر دکھایا، اور اپنی اولاد کی نگہداشت کے فرائض ادا کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے باپ کی خاطر داری میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی بلکہ اپنے عظیم باپ کے امور کو اپنی اولاد کے امور پر مقدم رکھا، جہاں اپنے صلبی بچوں کی شفیق ماں ہونے کے تمام تقاضے پورے کئے وہاں اپنے شفیق باپ کی مہربان ماں بن کر ایک منفرد نمونہء عمل پیش کیا کہ جسے دیکھ کر انسانی عظمتوں کو معراج عطا کرنے والی ہستی نے انہیں ''ماں'' کہا اور صرف زبان سے کہنے پر اکتفاء نہ کی ورنہ اسے عام رسم ورواج پر مبنی عمل کہا جاتا کہ جس میں عمومی جذبات کارفرما ہوتے ہیں بلکہ عملی طور پر اس کا ثبوت بھی دیا۔

سختیوں میں ڈھارس

تاریخ اسلام کے تلخ و ناگوار ادوار میں سے ایک یہ ہے کہ جب مشرکین مکہ نے آنحضرتؐ کو شعب ابی طالب میں محصور کر دیا اور آپ سے معاشرتی بائیکاٹ کر کے آپؐ پر عرصہء حیات تنگ کر دیا تو اس وقت جہاں حضرت ابوطالب علیہ السلام اور حضرت فاطمہ بنت اسدؑ نے حضورؐ کی ظاہر بظاہر و کھلم کھلا حمایت کی اور اپنے ہاں پناہ دی وہاں سیدۂ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا نے بھی اپنے عظیم باپ کے ساتھ مصائب و مشکلات کا بھرپور مقابلہ کیا، آپؑ بھی شعب میں محاصرہ میں تھیں، اس محاصرہ میں سیدہ خدیجہؑ اور دیگر افراد بنی ہاشم بھی حضورؐ کے ساتھ تھے، ادھر جوں ہی محاصرہ ٹوٹا تو سیدہ فاطمہؑ کو اپنی شفیق ماں کا فراق دیکھنا پڑا، لیکن ان حالات کے باوجود سیدۂ کائناتؑ نے بھرپور جذبہء ایثار کے ساتھ تلخیء دوراں کا مقابلہ کیا، اور اپنے عظیم باپ کے ساتھ ان کے مقدس مشن میں ہمدم رہیں، ان حالات کے تناظر میں حضورؐ کے فرمان کی معنوی حقیقت سامنے آجاتی ہے کہ جس طرح حقیقی ماں اپنی اولاد کے ساتھ اپنی محبت کا عملی اظہار کرتی ہے اس سے کہیں زیادہ سیدۂ کائناتؑ نے اپنے باپ کی خدمت میں ایسا منفرد کردار پیش کیا کہ حضورؐ نے فرمایا: فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے۔ صرف یہی نہیں کہ بی بیؑ نے مصائب و مشکلات میں صبر سے کام لیا ہو بلکہ اپنے عظیم باپ سے انس و دلجوئی میں حقیقی ماں جیسا سلوک کیا، اور قریش کے طاغی و باغی عناصر کی طرف سے ڈھائے جانے والے مظالم میں سید الانبیاءؐ کے قلب مبارک کی ڈھارس بن کر رہیں، (تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہو: سیرہ ابن ہشام، ج ۲ ص ۵۸۔ سیرہ ابن اسحاق، ص ۲۹۳۔ تاریخ طبری ج ۲ ص ۸۰، و دیگر کتب سیرت و تاریخ) اس طرح کے حالات میں سیدہؑ کا منفرد کردار ہی تھا جس نے حضورؐ کو حقیقی ماں کا پیار یاد دلایا، اسی طرح جب ابوجہل نے گستاخی کرتے ہوئے حضورؐ کے قتل کا مذموم منصوبہ بنایا اور اپنے ناپاک ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنے ساتھیوں کو لے کر مسجد میں داخل ہوا کہ جب حضورؐ سجدہ میں جائیں تو انہیں موت کے گھاٹ اتار دیں مگر اللہ نے حضورؐ کی حفاظت فرمائی اور سیدہ کائناتؑ خبر پاتے ہی مسجد میں آگئیں اور قتل کا اقدام کرنے والوں کو حضورؐ سے دور کر کے ان کے مذموم ارادہ پر اس طرح انہیں ڈانٹا کہ وہ شرمندگی کے ساتھ اپنے ناپاک ارادہ میں ناکامی سے دوچار ہو گئے، اور پھر اس طرح کی مذموم سازش کرنے کی جرات نہ کر سکے۔

(ملاحظہ ہو: کتاب دلائل النبوۃ، ج ۲ ص ۴۴، ۵۵۔ سیرہ ابن اسحاق، ص ۱۹۲، اور دیگر معتبر کتب تاریخ)

یہ اور اس کے علاوہ دیگر متعدد مقامات پر سیدہؑ نے صرف بیٹی کی حیثیت میں نہیں بلکہ اپنے باپؐ کے عظیم مشن کی محافظ کے طور پر ایسا کردار پیش کیا کہ جس سے حضورؐ کے ارشادِ گرامی قدر کی عملی تصویر سامنے آ گئی۔

سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا سے حضورؐ کی احترامی محبت کے شواہد بہت زیادہ ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ جب حضورؐ نے اپنی بعثت کا اعلان و اظہار فرمایا تو لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم ملا کہ اب محمد کو رسول اللہ کے الفاظ سے پکاریں تو سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا بھی اس حکم کے مطابق حضورؐ کو انہی الفاظ سے پکارتی تھیں مگر حضورؐ نے انہیں ان الفاظ کی بجائے یہ الفاظ کہنے کا فرمایا: **یا ابه**، (اے بابا، بابا جان)۔ (ملاحظہ ہو: کتاب: تحقیق سیرت فاطمہ زھراء۔ ع۔ ص ۵۸)۔

واقعہ مباہلہ کے حوالہ سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ اس میں حضورؐ نے "**ابنائنا**" "**نسائنا**" اور "**انفسناء**" کی جگہ کن ہستیوں کو اپنے ساتھ لیا، اس حوالہ سے تفسیر کشاف (ج ۱ ص ۵۷) میں زمخشری نے لکھا ہے کہ حضورؐ نے ان ہستیوں کے بارے میں فرمایا: **روحی فداء لهم**، میری روح ان پر قربان ہو، اس کے بعد وہ لکھتے ہیں: **وفی هذه الحادثة اکبر دلیل علیٰ فضل اصحاب الکساءِ**، اس واقعہ میں اصحاب کساء کی فضیلت کی بڑی دلیل پائی جاتی ہے، (اصحاب کساء یعنی پنجتن، محمدؐ، علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ، حسینؑ)۔ انہی ہستیوں کی وجودی و عملی پاکیزگی کی سند کے طور پر آیہ تطہیر نازل ہوئی۔

اللہ تعالیٰ نے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے اعزازت میں یہ قرار دیا کہ ان کی اولاد، اولادِ رسول کہلائی، لیکن یہاں یہ بات قابل ذکر و لائق توجہ ہے کہ یہ اعزاز سیدہؑ کی اولاد میں بی بیؑ کے فرزندان ذی وقار سے مخصوص ہے یعنی امام حسن اور امام حسین علیہ السلام کے ساتھ! کہ ان کی اولاد کا سلسلہ، سیدہؑ کے حوالہ سے حضورؐ سے منسوب ہوتا ہے جبکہ سیدہ زینب سلام اللہ علیہا کی اولاد ان کے شوہر حضرت عبداللہ سے منسوب ہوتی ہے، یعنی ان کی بابت عمومی شرعی و عرفی قاعدہ کلیہ جاری ہوتا ہے کہ اولاد کا انتساب باپ کی طرف ہوتا ہے مگر سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے اعزاز میں سے یہ ہے کہ ان کے فرزندان ذی وقار کی اولاد کی نسبت، حضرت امام علیؑ کی بجائے حضرت رسول اللہؐ کی طرف ہوتی ہے اور وہ اولادِ رسولؐ کہلاتے ہیں، اگرچہ عمومی نسبت سے بی بی زینبؑ کی اولاد بھی اولادِ رسولؐ کہلاتی ہے۔

اختصاصات کی مخصوص نسبت

یہاں ایک اہم نکتہ قابل ذکر ہے اور وہ یہ کہ بعض محدثین ومورخین نے سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کی اولاد کے انتساب کی بابت اسے حضورؐ کے اختصاصات میں شمار کیا ہے اور یوں لکھا ہے: **"ومن خصائصه ان اولاد بناته ينتسبون اليه بخلاف غيره** ، (حضورؐ کی امتیازی خصوصیات میں سے ایک یہ ہے کہ آپؐ کی بیٹیوں کی اولاد آپؐ کی طرف منسوب ہوتی ہے، جبکہ آپؐ کے علاوہ دیگر کی اولاد ایسی نہیں، (ملاحظہ ہو، کتاب فیض القدیر، ج ۵ ص ۱۷)۔ اگرچہ اس کتاب کے مولف نے سیدہؑ کی اولاد کے انتساب کو حضورؐ کے خصائص میں شمار کیا ہے لیکن عملی اور میدانی حقائق کے تناظر میں یہ حقیقت واضح طور پر معلوم ہوتی ہے کہ اس مقدس انتساب کا مصداق صرف سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی اولاد ہے، کسی دوسری خاتون کی نہیں، بلکہ وہ بھی صرف بی بیؑ کے فرزندگان تک محدود ہے اس میں سیدہؑ کی بیٹی کی اولاد بھی شامل نہیں اگرچہ وہ بھی حضورؐ کی نسل وذریت اور آل میں سے ہیں لیکن حضورؐ کی طرف انتساب کے حوالہ سے صرف امام حسن وامام حسین علیہما السلام اور ان کی اولاد، اولاد رسول کہلاتی ہے، بی بی زینبؑ کی اولاد آل رسول ہونے کے باوجود، حضرت عبداللہ کی اولاد کہلاتی ہے لیکن امام علی وبی بی فاطمہؑ کی اولاد کو اولاد رسولؐ ہی کہا جاتا ہے۔

حجاج کے دربار میں یحیٰ ابن یعمر کا بیان

ان تمام مطالب پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ نے سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں ایک سے زیادہ جہتیں ملحوظ ہیں۔ اس سلسلہ میں تاریخ کا وہ واقعہ ہر اہل علم کی نگاہ میں ہے جس میں حجاج نے امام حسینؑ کے حوالہ سے گستاخی کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ حضورؐ کی اولاد نہیں کہلا سکتے، تو اس کے دربار میں جناب یحیٰ بن یعمر بھی موجود تھے، انہوں نے نہایت شجاعت کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا: **كذبت يا امير** ، بادشاہ سلامت، تو نے جھوٹ کہا ہے۔ اس پر حجاج تلملا اٹھا اور غصہ میں آکر کہنے لگا کہ اگر تو یہ کہتا ہے کہ حسین، کو اولاد رسول کہنا صحیح ہے تو اس کا مصداقی ثبوت کتاب اللہ کی کسی آیت سے پیش کر، ورنہ تجھے قتل کر دوں گا، (مسلمان حکمرانوں کا یہ طرز عمل نہایت غیر انسانی ووحشیانہ تھا

جس نے اسلام کی تاریخ کو داغدار کر دیا)۔ اس پر یحییٰ بن یعمر نے فوراً قرآن مجید کی اس آیت مبارکہ کو پیش کر دیا:

" ومن ذریته داود وسلیمان وایوب و یوسف و موسٰی و هارون وکذلك نجزی المحسنین ، وزکریا و یحییٰ و عیسٰی والیاس ...، "۔

(سورہ الانعام، ۸۴، ۸۵)۔

اس میں اللہ تعالیٰ نے بتایا ہے کہ عیسیٰؑ ، ماں کی طرف سے حضرت ابراہیمؑ کی ذریت میں سے ہیں جبکہ وہ اپنی والدہ حضرت مریمؑ کی نسبت سے حضرت ابراہیمؑ سے نسبت رکھتے تھے، اور حضرت امام حسینؑ بھی حضرت محمدؐ کی ذریت و اولاد سے جو نسبت رکھتے ہیں وہ بھی اپنی والدہ کے حوالہ سے ہے، یہ سن کر حجاج نے کہا: **صدقت** ، (تو نے سچ کہا ہے)، مگر یہ بتاؤ کہ تمہیں یہ جرأت کیسے ہوئی کہ بھری محفل میں مجھے جھٹلا دو؟ (**فما حملك علٰی تکذیبی فی مجلس**)۔ یحییٰ نے کہا کہ یہ تو نبیوں کی سنت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے وعدہ لیا کہ وہ سب کچھ لوگوں کو واضح طور پر بتائیں اور ان سے کچھ نہ چھپائیں،

(ملاحظہ ہو: تفسیر القرطبی، ج ۷ ص ۳۱۔ المستدرک علی **الصحیحین** ، ج ۳، ص ۱۸۰)۔

بیٹی کا اعزاز، باپ کا اختصاص

یہ بات سیدہ کائناتؑ کے اعزازت میں سے ہو یا حضورؐ کے اختصاصات میں سے ہو، دونوں کا نتیجہ ایک ہے ۔ کیونکہ حضورؐ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

ان الله جعل ذریة کل نبی من صلبه وجعل ذریتی فی صلب علی بن ابی طالب(ع)

(اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کی اولاد اس کی صلب میں قرار دی مگر میری اولاد علی بن ابی طالب کی صلب میں قرار دی)۔

ملاحظہ ہو: کتاب کشف الخفاء ج ۲، ص ۱۵۷، نیل الاوطار ج ۶ ص ۱۳۹، الاسعاف بالجواب علیٰ مسالۃ الاشراف ج ۲ ص ۱۳۱، صواعق محرقہ ج ۲ ص ۳۶۴۔ و دیگر کتب۔

طبرانی نے اپنی کتاب مجمع الزوائد ج ۴ ص ۵۰ اور ج ۴ ص ۲۲۴ پر لکھا ہے کہ اس سے واضح الفاظ میں حضورؐ نے

ارشاد فرمایا:

”کل بنی ام ینتمون الٰی عصبة الا ولد فاطمة فانا ولیهم وانا عصبتهم “

(ہر ماں کی اولاد اپنے باپ کے خاندان کی طرف منسوب ہوتی ہے سوائے فاطمہ کی اولاد کے، کہ میں ان کا ولی ہوں اور میں ہی ان کا پدری خاندان ہوں)،

یہ روایت کتاب السنن الکبریٰ ج ۷ ص ۶۴، مسند احمد ج ۴ ص ۳۲۳، المعجم الکبیر ج ۳ ص ۴۴، البیان والتعریف ج ۲ ص ۱۴۴، فیض القدیر ج ۵ ص ۱۷، میزان الاعتدال ج ۵ ص ۴۸، تاریخ بغداد ج ۶ ص ۱۸۲، العلل المتناھیۃ ج ۱ ص ۲۶۰، سبل السلام ج ۴ ص ۹۹، نیل الاوطار، ج ۶ ص ۱۳۹، فضائل الصحابۃ، ابن حنبل ج ۲ ص ۶۲۵، تاریخ ابن عساکر ج ۶ ۳ ص ۳۱۳، البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۸۱، الخصائص الکبریٰ ج ۲ ص ۲۶۴، کنز العمال ج ۱۲ ص ۱۱۳ اور دیگر متعدد کتب میں ذکر کی گئی ہے، بعض کتب میں ” لفظ“ اب “مذکور ہے:

”کل بنی انثٰی فان عصبتهم لابیهم ما خلا ولد فاطمة فانی انا عصبتهم وانا ابوهم “

(ہر خاتون کی اولاد کا نسبی خاندان اس کے باپ سے منسوب ہوتا ہے سوائے فاطمہؑ کے، کہ ان کا پدری خاندان میں ہوں اور میں ان کا باپ ہوں،)

بعض کتب میں یہ الفاظ ذکر کئے گئے ہیں:

” عن جابر بن عبد الله الانصاری قال ،قال رسول الله (ص): ان لکل بنی اب عصبة ینتمون الیها الا ولد فاطمة فانا ولیهم وانا عصبتهم وهم عترتي خلقوا من طینتی ،ویل للمکذبین بفضلهم ، من احبهم احبه الله ، ومن ابغضهم ابغضه الله ، “

(جناب جابر بن عبد اللہ انصاری نے کہا کہ حضرت رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ہر باپ کی اولاد کا پدری خاندان ہوتا ہے جس کی طرف ان کی نسبت ہوتی ہے سوائے فاطمہ کی اولاد کے، کہ ان کا ولی اور پدری خاندان میں ہوں اور وہ میری عترت ہیں کہ جو میری طینت سے پیدا کئے گئے ہیں، جہنم ہے اس کے لئے جو ان کی فضیلت کا انکار کرے، جو ان سے

محبت کرے اللہ اس سے محبت کرتا ہے اور جو ان سے دشمنی کرے اللہ اس سے دشمنی کرتا ہے)

ان تمام بیانات وارشادات میں اچھی طرح غور کرنے سے زیر نظر فرمان نبویؐ **(فاطمة ام ابیها)** کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اس مقدس سلسلہ کی انتسابی خصوصیات عام افراد کے نسبی وسببی سلسلوں سے مختلف اور بلند پایہ معیاروں پر مبنی ہیں، لہذا حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر کو انہی معیاروں اور زاویوں میں ہی دیکھا جائے تو کسی طرح کا ابہام باقی نہ رہے گا۔ ویسے بھی لقب اور اعزاز کی معنوی جہات میں ان کے استعمالی موارد کی مناسبتیں، اصل حقائق سے آگاہی دلا دیتی ہیں۔ ضروری ہے کہ اسم، کنیت، لقب، وصف، اور اعزاز واختصاص کے معانی ومفاہیم ملحوظ رکھتے ہوئے ان کے درمیان پائے جانے والے فرق کے تناظر میں فرمان نبویؐ کو پڑھا، سنا اور سمجھا جائے تا کہ حضورؐ کے الفاظ کی معنوی جہات سے آگاہی حاصل ہو سکے۔

اسم، سے مراد کسی شخص یا چیز کا نام ہے جس سے اس کی پہچان ہوتی ہے، اس کی جمع اسماء ہے، جیسے: محمد، علی مخصوص نام کو علم (لام پر زبر کے ساتھ) کہتے ہیں، یعنی وہ اسم جو کسی سے مختص ہو۔ (اسم علم)

کنیت: وہ نام جو کسی کی تعظیم یا علامت ونشانی کے لئے رکھا جائے، اور وہ اب، ام، ابن، بنت سے شروع ہوتا ہے، اس کی جمع کنٰی ہے۔ جیسے ابوالقاسم، (حضورؐ کی کنیت)، ابوالحسن، (مولا علیؑ کی کنیت)، ام ابیھا (سیدہ فاطمہؑ کی کنیت)، ابن کثیر (ایک مفسر کی کنیت)، بنت الھدیٰ (ایک مصنفہ کی کنیت)۔

لقب: جو نام اپنی وضع اول کے اعتبار سے مدح وتعریف یا مذمت کا حامل ہو، اس کی جمع القاب ہے، جیسے مصطفیٰ، (حضورؐ کا لقب) مرتضیٰ، (مولا علیؑ کا لقب)۔ زہراء (بی بی سیدہؑ کا لقب)، باب الحوائج (حضرت عباسؑ کا لقب)۔

وصف: صفت، خوبی، ہر وہ چیز جو موصوف کے ساتھ قائم ہو، اور وہ علامت جس سے موصوف پہچانا جائے، اس کی جمع اوصاف ہے، جیسے صادق، امین، (حضورؐ کے اوصاف)، اسد اللہ، ید اللہ (مولا علیؑ کے اوصاف)، القاب اور اوصاف کے حوالہ سے یہ اہم مطلب قابل ذکر ہے کہ ان دونوں میں معنوی اشتراک اور انتسابی وحدت کی بناء پر ان میں سے ایک کا دوسرے پر اطلاق ہوتا ہے، کیونکہ لقب، خاص صفت پر مبنی ہوتا ہے، اوصاف والقاب کی معنوی قدر مشترک، موصوف کی ذات میں پائی جانے والی خصوصیت کو اجاگر کرتی ہے۔

اعزاز: اس کا معنیٰ کسی کو عزت دینا ہے، تعظیم وتکریم اور احترام کا عملی نمونہ۔ اس کی جمع اعزازات ہے، عام طور پر یہ

لفظ کسی کو اس کی عزت واحترام یا کسی اہم کام وکارنامہ کے حوالہ سے اس کی تشویق وحوصلہ افزائی اور عملی قدردانی کے اظہار کے طور پر کچھ دینے کو بھی کہتے ہیں، خواہ کوئی نام ہو جیسے نشان حیدر، یا مقام ہو جیسے ریاست وصدارت، اور اس طرح کے امور۔

اختصاص: کسی چیز کا کسی کے ساتھ مخصوص کیا جانا، اس کی جمع **اختصاصات** ہے، جیسے اختصاصات النبیؐ، (حضورؐ سے مختص امور، مثلاً: سایہ کا نہ ہونا، ازدواج میں عددی عدم محدودیت، امت کے لئے **ازاوج النبیؐ** سے ازدواج کی حرمت، وغیرہ)۔

ان تمام الفاظ اور ان کے معانی کے تناظر میں زیرِنظر موضوع کے حوالہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اس کی ترتیب اس طرح ہے کہ جملہ ''**ام ابیھا**''، لفظی حوالہ سے کنیت، اور معنوی حوالہ سے لقب، وصف، اعزاز واختصاص کی حیثیت رکھتا ہے۔ لفظ ''ام'' کے لفظ ''اب'' کی طرف اضافت کی بناء پر اسے کنیت قرار دیا جائے گا (ام مضاف، ابیھا مضاف الیہ) اور اس کی معنوی جہت کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس کی وصفیت، دیگر عناوین کا سبب بنتی ہے۔

انتسابی اعزاز یا اعزازی انتساب

اگر حضورؐ کے ارشاد گرامی کے متعلقہ پہلوؤں پر غور کیا جائے تو واضح ہوجاتا ہے کہ معنوی جہات کے تناظر میں اس انتسابی اعزاز یا اعزازی انتساب کی بنیاد سیدۂ کائناتؑ کی ذات میں پائی جانے والی وہ عظیم ومنفرد صفات تھیں جو ان کے اس مثالی کردار کا باعث بنیں جو سیدہؑ نے حضورؐ کی بابت ادا کیا، اور حضورؐ کو حقیقی ماں کے مقام اور مرتبہ کی یاد تازہ ہوگئی، سیدہؑ نے حضورؐ کی خاطر داری ونگہداشت میں جو کردار ادا کیا اس میں دن، رات، گرمی، سردی، ضعف وتھکن اور دیگر حالات کی پرواہ کئے بغیر اپنے عظیم باپ کا سکون مقدم رکھا، امن وجنگ دونوں حالتوں میں سیدہؑ نے حضورؐ سے اپنی والہانہ محبت اور دخترانہ قربت کے پائیدار حوالوں کو عملی جامہ پہنا کر ماں کا لقب پایا۔ یہ اعزاز سیدہؑ کی عظیم خدمات اور منفرد کردار کے صلہ میں ملا، ورنہ وہ بیٹی ہی تھیں اور بیٹی ہوتے ہوئے ماں کہلائیں۔

معاشرتی اقدار کے حوالہ سے زیرِنظر موضوع کا تجزیہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ عرب کے جاہلی ماحول میں بھی ''ماں'' کو جو بلند مقام حاصل تھا وہ کسی دوسرے معاشرے سے کم نہ تھا، زمانۂ جاہلیت میں اگرچہ رشتوں کی وہ قدر وقیمت ملحوظ نہ تھی جو انسانی فطرت کا بنیادی تقاضہ ہے لیکن اس کے باوجود ''ماں'' کا احترام ہر لحاظ سے ملحوظ ہوتا تھا اور کوئی خاندان وقبیلہ''

ماں'' کے احترام میں کمی نہ کرتا تھا، البتہ بعض افراد کے حوالہ سے تاریخی واقعات اس امر کی نشاندہی کرتے ہیں کہ وہ ''ماں'' کے ساتھ نیک سلوک روا نہیں رکھتے تھے بلکہ اس کے برعکس برتاؤ کرتے تھے لیکن اس طرح کے مخصوص واقعات کو معاشرہ کی عمومی صورتحال قرار نہیں دیا جاسکتا کیونکہ ہر معاشرے میں بعض استثنائی واقعات و حالات رونما ہوتے رہتے ہیں کہ جو معاشرتی بنیادی اصولوں سے متصادم ہوتے ہیں، ایسا ہی عرب کے جاہلی معاشرے میں بھی تھا لیکن اس حقیقت سے انکار ممکن نہیں کہ ایسا کرنے والے افراد بھی ''ماں'' کی عظمت کا اعتراف کرتے تھے اور اس کی بیحرمتی کو روا نہیں سمجھتے تھے، بلکہ تاریخ ایسے واقعات کی نشاندہی کرتی ہے کہ بعض اقوام ماں کی پوجا کرتے تھے۔

حقیقت یہ ہے کہ ''ماں'' کی ممتا کا بدل کچھ نہیں ہوسکتا، اللہ تعالیٰ نے ''ماں'' کو جو دل عطا کیا ہے وہ کسی کو عطا نہیں کیا، ''ماں'' کو جو احساس عطا کیا وہ کسی کے حصہ میں نہیں آیا، صبر کی جو قوت عطا کی وہ کسی کو عطا نہیں کی، جو جذبہ ایثار دیا وہ کسی کو نصیب نہیں ہوا، انہی امور وصفات کے حوالہ سے ''ماں'' کو جو مقام عطا ہوا وہ کسی کو عطا نہیں ہوا، ماں کو جو عزت عطا ہوئی وہ کسی کو عطا نہیں ہوئی، ماں کو جو حقوق عطا ہوئے وہ کسی نہیں ملے۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے سیدۂ کائناتؑ کو ''ماں'' کا لقب عطا کر کے اس حقیقت کی طرف توجہ دلائی کہ جس طرح ''ماں'' اللہ تعالیٰ کی طرف سے خاص ومخصوص صفات کی حامل ہونے کے ناطے اپنا کردار ادا کرتی ہے اسی طرح سیدۃ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا نے ایسا منفرد کردار ادا کیا جس کی نظیر نہیں ملتی، حقیقی بیٹی ہوتے ہوئے حقوقی ماں کا کردار پیش کر کے حقیقی باپ سے احترام پایا، حقیقی ماں کی محبت کے عملی مظاہرے پیش کئے، حقیقی ماں جیسے دل کی دھڑکنوں میں حقیقی باپ کو جگہ دی کہ حقیقی باپ کو بیٹی کے رشتہ سے زیادہ اور کہیں زیادہ ''ماں'' کا پیار ملا، جس کی بناء پر حقیقی باپ نے حقیقی احترام دے کر پیار ومحبت سے بھرے ہوئے الفاظ میں انہیں ''اپنے باپ کی ماں'' کہا، ان الفاظ کی قدر وقیمت یا اسے معلوم ہے جس نے کہے، یا اسے معلوم ہے جس کے بارے میں کہے گئے، یا انہیں معلوم ہے جو علوم ومعارف کے خزانہ دار قرار دیئے گئے یعنی حضرات آئمہ معصومین علیہم السلام۔

حضورؐ نے اپنے فرمان میں ''اپنی ماں''، ''میری ماں''، ''محمد کی ماں''، ''نبی کی ماں''، ''رسول کی ماں'' جیسے الفاظ کے بجائے ''اپنے باپ کی ماں'' کے الفاظ استعمال فرمائے تو ان میں دل کی گہرائیوں میں جمی وبچی حقیقی روحانی معنوی خاص خالص وسچی محبت کا اظہار بھی پایا جاتا ہے اور لفظوں کے قالب میں ڈھلے ہوئے پاکیزہ معانی سے آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ الفاظ کی مخصوص ترتیب وترکیب مخصوص معانی کی طرف توجہ مبذول کرواتی ہے۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ کا اپنی عظیم القدر و جلیل المرتبت بیٹی سے یہ کہنا کہ میرے ماں باپ تم پر فدا ہوں، (**فداك ابی و امی**) حضرت سیدۂ کائناتؑ کی عظمتِ ذات کا منہ بولتا ثبوت ہے، متکلم کی حیثیت وشخصیت کے تناظر میں الفاظ کی اہمیت آشکار ہوتی ہے۔ سید کائناتؐ کا سیدۂ کائناتؑ کیلئے اس طرح کے الفاظ استعمال کرنا نسبی و سببی، حقیقی و حقوقی، انسانی و معاشرتی اقدار و اصولوں سے بھی کہیں بالاتر خدائی معیار کی عملی پاسداری سے آگاہی دلاتا ہے۔

ہمارا سلام ہو اس عظیم بیٹی پر، جس کی آمد پر باپ کھڑا ہو جاتا تھا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ اپنی جگہ بٹھاتا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جس کی پیشانی چومنا باپ کو بہشت کی خوشبو یاد دلاتا تھا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ نے کائنات کی تمام عورتوں کی سردار کہا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ نے امت کی تمام خواتین سے افضل کہا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ انے "اپنا ٹکڑا" کہا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ نے "انسانی حور" کہا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جو اپنے باپ کی نسل کے تسلسل و بقاء کا ذریعہ بنی۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ نے اپنی رضا و خوشنودی اور اللہ کی رضا و خوشنودی کا محور قرار دیا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جس نے باپ کو حقیقی ماں کا پیار دیا۔

ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جس کی شادی کے لئے باپ نے اللہ کے فیصلہ کا انتظار کیا۔

اور ہمارا سلام ہو اس بیٹی پر، جسے باپ نے "ماں" کہا۔

ہمارا سلام ہو سیدہ ء کائنات فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کی عظیم ذات پر کہ جو مرکز تعارف اہل بیتؑ قرار پائیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے وجود کو گیارہ معصومین علیہم السلام کا سرچشمہ ء وجود بنایا۔

ہمارا سلام ہو اس بی بیؑ پر، جو اپنے باپ کی اکلوتی بیٹی اور مباہلہ میں توحید و نبوت کی صداقت و حقانیت کی گواہ بنیں۔

ہمارا سلام ہو اس عظیم بیٹی پر، جس کی اولاد کو اولادِ رسول ہونے کا شرف حاصل ہوا۔

ہمارا اسلام ہو اس سیدہ پر، جس کے وسیلہ سے حاجتمندوں کی حاجات پوری ہوتی ہیں اور جس کے توسل سے اللہ تعالیٰ بیماروں کو شفا عطا فرماتا ہے، تنگدستوں کو رزق فراوان عطا کرتا ہے، دکھی دلوں کو سکون بخشتا ہے، بے نواؤں کی فریاد سنتا ہے، بے کسوں کو سہارا دیتا ہے، مظلوموں کی دادرسی کرتا ہے، محروموں کو نعمتوں سے نوازتا ہے، گناہگاروں کو مغفرت و بخشش کی نوید دیتا ہے، نیک و صالح لوگوں کے اعمال صالحہ کو قبولیت کا شرف عطا کرتا ہے اور ان پر اپنی رحمت واسعہ کے دروازے کھول دیتا ہے، انہیں اپنے تقرب کا پاکیزہ اعزاز عطا کرتا ہے، اس کے ساتھ ساتھ انہیں ان ہستیوں کی رفاقت و ہمنشینی سے نوازتا ہے جن پر اس کی خاص عنایات ہوتی ہیں یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء، معصومین اور ملائکہ مقربین علیہم افضل التحیۃ والسلام۔

رحمت کے لئے رحمت

اللہ تعالیٰ نے حضرت سید الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجا، چنانچہ ارشاد ہوا:

وما ارسلناک الا رحمة للعالمین (اور ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا مگر عالمین کے لئے رحمت بنا کر)۔ سورہ الانبیاء، آیت ۱۰۷۔ اس جملے میں نفی کے بعد اثبات کا اندازِ سخن اختیار کیا گیا ہے یعنی "**وما ارسلناک**" ہم نے آپؐ کو نہیں بھیجا۔۔ یہ نفی ہے۔۔ حرف "**ما**" یہاں نفی کے لئے آیا ہے۔ عربی قواعد کے مطابق نفی کے بعد اثبات حرف استثناء کے ذریعے ہو تو اس سے مقصودہ معنی کا تعین مراد ہوتا ہے، "**الا**" حرف استثناء ہے جس طرح کلمہ توحید میں آتا ہے "**لا الہ الا اللہ**"۔ (نہیں ہے کوئی معبود، سوائے اللہ کے)۔ سورہ محمد، آیت ۱۹۔ یہاں حرف "**ما**" کی طرح، حرف "**لا**" بھی نفی کے لئے آیا ہے، اس کے بعد حرف "**الا**" کے ذریعے استثناء حصر کا فائدہ دیتا ہے، تو جس طرح الوھیت کی نفی میں حرف "لا" استعمال کر کے اس اس کے بعد حرف "الا" کے ذریعے استثناء کیا گیا ہے تو اس سے اللہ تعالیٰ کی ذات میں الوہیت کا حصر ثابت ہوتا ہے، اسی طرح ایک آیت میں حضورؐ کے بارے میں ارشاد ہوا: "**وما محمد الا رسول**" (اور محمد کچھ نہیں مگر رسول)۔ سورہ آل عمران، آیت ۱۴۴۔ تو اس میں حضورؐ کے ساتھ رسالت کے حصر کا اظہار مقصود ہے، یہاں بھی حرف "ما" کے بعد حرف "الا" کے ذریعے استثناء ہوا ہے۔ یہی صورتحال "**وما ارسلناک الا رحمة للعالمین**" میں ہے کہ حرف نفی کے بعد اثبات ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیا ہے۔ رحمت وجودی صفت بھی ہے اور

فعلی صفت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بارے میں رحمت کے حوالہ سے کثیر آیات مبارکہ میں مختلف صیغوں کے ساتھ اپنی مخلوق کو اپنی طرف متوجہ کیا ہے۔ سب سے پہلے، قرآن مجید کی سب سے پہلی اور بڑی آیت مبارکہ میں اپنی رحمت کا تذکرہ دو طرح سے فرمایا: بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ (سورہ فاتحہ، آیت ۱) اس میں اپنے رحمٰن اور رحیم ہونے کا ذکر اپنی الوہیت کے ذکر کے بعد فرمایا: (اللہ، رحمٰن، رحیم)، رحمٰن و رحیم دونوں ہی کی اصل رحمت ہے۔ البتہ، رحمٰن خداوند عالم کا مخصوص صفتی نام ہے اس کے علاوہ کسی کو اس لفظ سے موسوم نہیں کر سکتے۔

لفظ رحمت نرم دلی، شفقت، مہربانی، مغفرت، بخشش، احسان اور اس طرح کے معانی میں استعمال ہوتا ہے۔ یہ لفظ اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مقدسہ کے لئے مختلف حوالوں سے ذکر فرمایا ہے۔ اور قرآن مجید میں اس کی کثیر مثالیں موجود ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات مبارکہ کی مختلف صفات کے ساتھ بھی رحمت کی صفت کو ذکر کیا ہے مثلاً غفور، عزیز، رحمٰن، تواب، رؤوف، رب، بر، غنی، ان الفاظ کی بعض قرآنی مثالیں اس طرح ہیں:

-- رحمٰن (فاتحہ۔۱)۔ **"الرحمن الرحیم"**۔

-- غفور (آل عمران۔۱۲۹)۔ **"واللہ غفور رحیم"**۔

-- تواب (توبہ۔۱۰۴)۔ **"و ان اللہ ھو التواب الرحیم"**۔

-- رؤوف (نحل۔۷)۔ **" ان ربکم لرئوف رحیم"**۔

-- عزیز (شعراء۔۱۵۹)۔ **"وان ربك لهو العزيز الرحيم"**۔

-- بر (طور۔۲۸)۔ **" انه هو البر الرحيم"**۔

-- رب (یس۔۵۸)۔ **"سلام قولاً من رب رحيم"**۔

-- غنی (الانعام۔۱۳۳)۔ **"و ربك الغنى ذوالرحمة"**۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کی ذات گرامی قدر کو "رحیم" کا لقب عطا فرمایا۔ چنانچہ ارشاد ہوا:

" حريص عليكم، بالمومنين رؤف رحيم "(سورۃ توبہ آیت ۱۲۸)

ایک آیت میں حضورؐ کے وفادار ساتھیوں کی صفات کے تذکرہ میں یوں ارشاد ہوا:

"محمد رسول الله و الذين معه اشداء على الكفار رحماء بينهم"۔

(سورۂ فتح۔آیت ۲۹)

قرآن مجید کے بارے میں توصیف کی تو یوں فرمایا:

" هذا بصائر من ربكم و هدى ورحمة لقوم يومنون "۔

(سورۂ اعراف۔۲۰۳)

تورات کے بارے میں اس طرح ارشاد فرمایا:

"ومن قبله كتاب موسى اماما ورحمة "۔

(سورۂ ھود۔آیت ۱۷)

یہ اور ان کے علاوہ دیگر متعدد آیات میں رحمت کے مختلف موارد میں مختلف معانی مقصود ہیں، ہر مورد میں اس کا معنی خاص مناسبت کا حامل ہے۔ یہاں ہم دیگر معانی کی بابت بحث کرنے سے قطع نظر اپنے مطلوبہ معنی پر غور کرتے ہیں تا کہ موضوع کی مربوطہ جہات واضح ہوسکیں۔ جہاں تک حضورؐ کو عالمین کے لئے رحمت قرار دیئے جانے کا تعلق ہے تو اس میں ذاتی وجودی نورانی حقیقت کی پاکیزہ صفت کے ساتھ ساتھ منصبی فیض رسانی کا حوالہ بھی ملحوظ ہے۔ حضورؐ اپنی نبوت و رسالت کے منصب کی بنیاد پر اللہ کی مخلوق پر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے نزول کا سبب ہیں۔ حق و حقیقت کی ہدایت اور رہنمائی بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک حوالہ ہے، اس سلسلہ میں سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کو بیٹی ہونے کے حوالہ سے رحمت ہونے کا جو اعزاز حاصل ہے اسے حضورؐ کے وجود کی نسبت سے دیکھیں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس ہستی کو عالمین کی رحمت قرار دیا اس کی وجودی رحمت، سیدہؑ قرار پائیں، کیونکہ حضورؐ کا ارشاد گرامی قدر ہے: **الابن نعمة والبنت رحمة** ، بیٹا نعمت اور بیٹی رحمت ہے، اس فرمان کے تناظر میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے رحمۃ للعالمین کے لئے رحمت بنایا ہو اس کی عظمت کتنی زیادہ ہوگی،

حضورؐ کی ذات گرامی قدر مجسم رحمت، عین رحمت، اصل رحمت، حقیقی رحمت، عام رحمت، خاص رحمت، وجودی رحمت اور بقائی رحمت ہے، اس کے تناظر میں سیدۂ کائناتؑ کا وجود اپنی عظیم و پاکیزہ حقیقت کے ساتھ حضورؐ کے لئے مخصوص معنی میں رحمت ہے۔ بیٹی کو رحمت قرار دیئے جانے میں جو روحانی حوالہ پایا جاتا ہے اس کی روشنی میں سیدۂ کائناتؑ، سید کائناتؐ کے دل کا چین، روح کا سکون اور منصب کے بقائی تسلسل کی علامت و ضمانت ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے

ہر علامتی معیار سے بالاتر ایک عظیم و منفرد معیار مقرر فرمایا کہ اس باپ کا وجودی تسلسل، بیٹے کی بجائے بیٹی کے ذریعے قائم ہوا اس معنی میں بھی سیدہ کائناتؑ اپنے باپ کے لئے رحمت قرار پاتی ہیں۔ عام مروجہ معانی کے حوالہ سے بھی یہ کہا جاتا ہے فلاں شخص میرے لئے رحمت ثابت ہوا، یا اس کا وجود میرے لئے رحمت ہے۔ سیدہؑ کائناتؑ کا وجود، حضورؐ کی نسل کے تسلسل کی ضمانت و علامت اور ذریعہ و وسیلہ کے حوالہ سے حضورؐ کے لئے بھی رحمت ہے اور کائنات کے لئے بھی رحمت ہے۔

لفظ رحمت کے عمومی معنی کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ حقیقت واضح ہو جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے اس کا معنی و مفہوم یقیناً اس کی ذات کی عظمت کے شایان شان ہی ہے، کیونکہ وہ خالق ہے، اس کی قدرت کاملہ اپنے فیضان رحمت کے لئے کسی وسیلہ کی محتاج نہیں، وہ غنی علی الاطلاق ہے، یہ بات اور ہے کہ اس نے خود ہی اپنے اور اپنی مخلوق کے درمیان بعض امور کے لئے نظام الاسباب مقرر فرمایا ہے اور اس کی مشیت اس پر قائم ہوئی ہے کہ وہ مخلوق کے امور میں وسائط مقرر کرے، اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ وہ ان وسائط کا محتاج ہے، بالکل ایسا نہیں وہ وسائط کے بغیر جو چاہے انجام دے سکتا ہے جیسا کہ اس نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواءؑ کی تخلیق میں اور حضرت عیسیٰ ابن مریمؑ کی تخلیق میں اپنی قدرت کاملہ کا اظہار فرمایا، اگر وہ چاہتا تو پوری کائنات اور بالخصوص بنی نوع آدم کو خود ان کے ماں باپ یعنی آدم و حوا کی طرح پیدا کر دیتا، اسے اس حوالہ سے کوئی چیز مانع نہ تھی، لیکن اس نے اپنے مقرر کردہ نظام الاسباب کو عملی صورت دینے کے لئے تناسل و توالد کا مخصوص سلسلہ قائم کیا تا کہ مخلوق کو ایک دوسرے سے وابستگی کا عملی آئین مل سکے۔

سیدہ کائناتؑ کے بارے میں حضورؐ نے جو کچھ ارشاد فرمایا اس میں کہیں بھی عام مروّجہ معیار ملحوظ نہ تھے بلکہ ہر فرمان میں مخصوص روحانی اصولوں کا حوالہ تھا، اگر سیدہؑ کو اپنا ٹکڑا (بضعۃ) کہا تو اس میں بھی وہ جذبات کارفرما نہ تھے جو ہر باپ اپنی اولاد کے بارے میں رکھتا ہے اور انہیں اس طرح کے الفاظ سے یاد کرتا ہے کیونکہ حضور پاکؐ کی اپنی ذاتی حیثیت عام افراد کی نہ تھی، اسی طرح سیدہؑ کی حیثیت بھی عام افراد جیسی نہ تھی بلکہ اس طرح کی تھی کہ سید الانبیاء جیسا باپ کھڑا ہو جاتا تھا۔ تاریخوں میں ملتا ہے کہ سیدہؑ بھی حضورؐ کی تشریف آوری پر اسی طرح کھڑی ہو جاتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں جس طرح حضورؐ اپنی جگہ بٹھاتے تھے لیکن ظاہر ہے کہ بی بیؑ کا اس طرح احترام کرنا بیٹی پر باپ کے واجبہ احترامی حقوق میں شامل تھا جبکہ اس کے برعکس ہرگز نہ تھا۔ حضورؐ کا سیدہؑ کے لئے کھڑے ہو جانا اس طرح کے معیار اور حوالہ سے نہ تھا بلکہ اس میں مخصوص خدائی راز مضمر

تھا، شاید اسی راز کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدہؑ کی مخصوص صلوات میں مذکور ہے:

" اللھم صل علٰی فاطمة و ابیھا و بعلھا و بنیھا والسر المستودع فیھا عدد ما احاط بهٖ علمك "

(اے اللہ، درود بھیج، فاطمہ پر، اور ان کے پدر بزرگوار پر، اور ان کے شوہر نامدار پر، اور ان کے فرزندگان ذی وقار پر، اور اس راز پر جو ان کی ذات میں ودیعت کیا گیا ہے اتنی تعداد میں کہ جتنا تیرا علم اس کا احاطہ کرے)۔

یہ راز کیا ہے کہ جو اس معظمہ کے وجود مقدس میں ودیعت کیا گیا ہے اس کا علم خود اللہ تعالیٰ ہی کو ہے، بی بیؑ کا وجود اللہ کی مخلوق کے لئے نعمت بھی ہے اور رحمت بھی ہے، کیونکہ اس نعمت کے ذریعے ہدایت کی نعمت کے تسلسل کا نظام قائم ہوا، ورنہ حضورؐ کی رحلت کے بعد حضورؐ کی امت کے پاس کوئی خدائی منصوص و منصوب سلسلہ ہی نہ ہوتا، یہ الگ بات ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء بلکہ خود حضورؐ کی ذات سے لوگوں نے پورا فائدہ حاصل نہیں کیا بلکہ بعثت سے رحلت تک اندرونی اور بیرونی مشکلات کا سامنا ہوا اور داخلی و خارجی تمام امور میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں، ابتداء میں کفار و مشرکین نے حضورؐ کو ستایا اور ہر ممکن ذریعہ اختیار کر کے دین خداوندی کا راستہ روکنے کی کوشش کی، تمام تر قبائلی اور علاقائی ہتھکنڈے استعمال کئے گئے، یہاں تک کہ معاشرتی قطع تعلق بھی کیا گیا لیکن اللہ کے رسولؐ نے نہایت بلند ہمتی اور استقامت کے ساتھ اپنا مقدس مشن جاری رکھا کیونکہ خدا کا حکم تھا "**فاستقم كما امرت**" یعنی جس طرح آپ کو حکم دیا گیا ہے اس پر قائم رہیں، استقامت اختیار کریں، چنانچہ حضورؐ نے عملی طور پر استقامت کا مظاہرہ کیا جس کے نتیجہ میں اللہ کا دین پھیلتا چلا گیا کہ آج تک اس کا پرچم کاشانہءعالم کے درو بام پر لہراتا نظر آتا ہے۔ مشرکین کے بعد منافقین نے حضورؐ کو اذیت و آزار دینے میں ہر ممکن کوشش کی،

مشرکین نے حضور پاکؐ کے مشن پر حملے کرنے کے ساتھ ساتھ آپؐ کی ذات اقدس کو بھی اپنے طعنوں کا نشانہ بنایا، عموماً تین طعنے دیئے جاتے تھے:

(۱) ایک یہ تھا کہ آپؐ غریب اور نادار ہیں،

(۲) دوسرا یہ تھا کہ آپؐ بے سہارا یتیم ہیں،

(۳) تیسرا یہ تھا کہ آپؐ بے اولاد (**ابتر**) ہیں،

اس طرح کے طعنے حضورؐ کو رنجیدہ خاطر کرتے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے ان تینوں طعنوں کا جواب اس طرح دیا کہ دشمن دنگ رہ گئے اور ان کی زبانیں گنگ ہوگئیں۔

یتیمی کے طعنے کا جواب حضرت ابوطالب علیہ السلام کے ذریعے پناہ دے کر دیا: ''**الم یجدک یتیماً فآویٰ**'' (کیا اس نے تجھے یتیم پایا تو پناہ نہیں دی؟)۔

اور غربت و ناداری کے طعنہ کا جواب سیدۃ خدیجہؑ کے ذریعے مال و دولت عطا کر کے دیا: ''**ووجدک عائلا فاغنیٰ**''۔ (اور تجھے نادار پا کر غنی نہیں کیا؟)۔

اور ابتر و بے اولاد ہونے کے مذموم طعنے کا جواب سیدۂ کائناتؑ کے ذریعے ذریت و نسل کا وجودی تسلسل قائم کر کے دیا: ''**انا اعطیناك الکوثر**''۔ (ہم نے آپ کو کوثر کا عطیہ دیا)۔ اس میں کوثر سے مراد سیدہ فاطمہ زہراءؑ ہیں۔

اس طرح حضورؐ اپنے منصبی فرائض کی ادائیگی بلکہ تکمیل میں کامیاب ہوگئے، آخری حکم امام علیؑ کی ولایت کے اعلان کا تھا جو حضورؐ نے غدیرِ خم کے میدان میں پورا کر دیا جس پر خداوند عالم نے ارشاد فرمایا:

''الیوم یئس الذین کفرو امن دینکم، فلا تخشوھم واخشون، الیوم اکملت لکم دینکم و اتممتم علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا''۔

کہ آج کافر تمھارے دین سے مایوس ہوگئے، پس تم ان سے نہ ڈرو، صرف مجھ سے ڈرو، آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا ہے، اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی ہے اور تمہارے لئے اسلام کو پسندیدہ دین بنا دیا۔

سورہ مائدہ، آیت ۳۔

حقیقت یہ ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاءؐ کو ہر حوالہ سے کامل و اکمل بنایا، ان کا اپنا وجود کائنات کے لئے رحمت بنایا اور سیدۃ فاطمہؑ کو خود ان کے لئے رحمت قرار دیا، ان تمام مطالب کی روشنی میں حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر ''**فاطمۃ ام ابیھا**'' (فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے) کا معنی اور مفہوم، مقصود و مراد تقریباً واضح ہو جاتی ہے، جو عالمین کی رحمت کے لئے رحمت ہو اسے ماں سے تمثیل کے ساتھ عزت و احترام عطا کرنا نہ صرف یہ کہ درست ہے بلکہ عین حقیقت ہے۔ ماں بھی رحمت اور بیٹی بھی رحمت، بیٹی سے ماں کی محبت و خیالداری کا عملی ثبوت مل جائے تو اسے ماں کا لقب کیوں نہ

ملے؟

میں سمجھتا ہوں کہ حضورؐ کے ہر فرمان کو سیاق وسباق اور حضورؐ کی خدائی منصبی روحانی نورانی شخصیت کے حوالہ سے سنا جائے تو آنکھوں اور دلوں پر پڑے ہوئے جہالت اور جاہلیت کے ظلمانی پردے دور ہو جائیں گے اور حق وحقیقت کی نورانیت کا شانہ، وجودِ ہستی پر چھا جائے گی، بلکہ میرا ایمان وعقیدہ یہ ہے کہ اگر حضورؐ کی ذات کی معرفت حاصل ہو جائے۔ خواہ جس قدر کیوں نہ ہو۔ تو اللہ کی معرفت کے حصول کا راستہ کھل جائے گا، وہ باب معرفت خدا، وہ نورِ اوّل، وہ اوّل الخلق کہ جس کے ذریعے کائنات کے وجودی ظہور کا سلسلہ قائم ہوا، (**لولاك لما خلقت الافلاك**) اس کی وجودی حقیقت کی نورانی جلوہ گری اور اس کا نورانی تسلسل سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراءؑ کے ذریعے ہوا۔

رحمۃ للعالمین کی رحمت پر ہمارا سلام، بارہا سلام، بار بار سلام، ہر بار سلام، ہر لحظہ سلام

☆......☆......☆
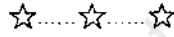
سیدہؑ کے وجود میں پوشیدہ راز

جیسا کہ سطور بالا میں اشارہ ہو چکا ہے کہ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا سے مخصوص صلوات میں ایک لفظ ''السر'' مذکور ہے، جس کا عام لغوی معنیٰ ''راز'' ہے، تو اب دیکھنا یہ ہے کہ یہاں اس سے کیا مراد ہو سکتا ہے؟ اس سلسلہ میں اصل حقیقت کا علم تو اللہ تعالیٰ ہی کو ہے کہ وہ ''**یعلم السر والاخفی**'' ہے، کوئی راز اس کے لئے راز نہیں، ہاں جو راز اس کے اپنے ہیں وہ راز ہی ہیں مگر ان سے کوئی بھی آگاہ نہیں سوائے اس کے، اور ان ہستیوں کے، کہ جنہیں اس نے خود ہی آگاہی دلائی اور رازداں بنایا، راز تو بہرحال راز ہی ہوتا ہے، اسے راز ہی رہنے دیا جائے تو اس کا نام راز رہے گا، مگر کیا کیا جائے کہ انسانی فطرت ہی ایسی ہے کہ رازوں سے آگاہی کی طلبگار ومشتاق ہوتی ہے، البتہ خدائی رازوں سے آگاہی، بندوں کے ازخود بس کی بات نہیں، یہ تو عطائے ربانی کے بغیر ممکن نہیں، سیدۂ کائناتؑ کے وجودِ مقدس میں اللہ نے جو عظیم راز ودیعت فرمایا ہے اس کی حقیقت کا حقیقی علم اللہ کو ہے، اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے رازوں کا امین حضرت سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بنایا اور

آنحضرتؐ نے مدینۃ العلم اور دار الحکمۃ ہونے کے حوالہ سے اپنے بعد آنے والے اپنے معصوم جانشینوں کو آگاہی دلائی، یقیناً آئمہ اطہارؑ اس سے آگاہ ہیں کیونکہ وہ یکے بعد دیگرے اسی مدینۃ العلم کا فیض لوگوں تک پہنچاتے رہے جس کا اظہار حضورؐ نے ان الفاظ میں فرمایا: انا مدینۃ العلم وعلی بابہا، میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے۔ اس میں العلم پر الف ولام سے ہر علم کی طرف اشارہ ہے، علمی زبان میں اسے الف ولام استغراق کہا جاتا ہے یعنی ہر علم، تمام علوم، علم کی ہر قسم، علم کا ہر مصداق، اور علم کے دائرہ کی وسعت میں آنے والا ہر مورد اس میں شامل ہے۔ اسی لئے مولائے کائناتؑ ہمیشہ کہا کرتے تھے کہ جو چاہو مجھ سے پوچھو، میں آسمانوں کے راستوں کو زمین کے راستوں سے زیادہ بہتر جانتا ہوں، **(سلونی سلونی قبل ان تفقدونی ،فانی اعلم طرق السماوات من طرق الارض)**۔ اسی طرح فرمایا کرتے تھے کہ اگر میرے لئے مسند قضاء بچھادی جائے اور میں اس پر بیٹھ جاؤں پھر تم مجھ سے قرآن کی بات پوچھو، تورات کی بات پوچھو، انجیل کا مسئلہ پوچھو یا زبور کی بات پوچھو، میں تمہیں ان کتابوں کی باتیں اس طرح بتا سکتا ہوں کہ یہ کتابیں ہی بول اٹھیں گی کہ جو فیصلہ علی نے کیا ہے وہی حق ہے۔ تو اسی علم کا منصبی تسلسل مولا علی کے بعد گیارہ معصوم آئمہ علیہم السلام کے ذریعے قائم ہوا کہ جن کے بارے میں حضورؐ نے حضرت خدیجہؑ سے ارشاد فرمایا تھا کہ آپ کے شکم میں جو ہے وہ بیٹی ہے جو گیارہ اماموں کی ماں ہے۔
سیدہؑ کا وجود، اثر نبوت، ظرف امامت، مظہر عصمت، مطلع انوار ولایت اور وسیلہ تسلسل وبقائے عترت ہے۔ ان کے وجود میں جو راز ہے اس میں محمد مصطفیٰ کی صداقت، علی مرتضیٰ کی شجاعت، حسن مجتبیٰ کی فراست، حسین شہید کربلا کی مظلومانہ قوت، علی زین العابدین کی عبادت، محمد باقر کا علم وحکمت، جعفر صادق کی فقاہت، موسیٰ کاظم کی صابرانہ طاقت، علی رضا کی رضایت، محمد تقی کی تقاوت، علی نقی کی نقاوت، حسن عسکری کی شہامت اور مہدی کی ہادیانہ غیبت وظہور حجت یکجا ہیں، ان سب عظیم ہستیوں کی عظمتوں کو ایک ہی صورت میں دیکھیں تو سیدہ فاطمہؑ کے نورانی وجود کی تجلیات دکھائی دیتی ہیں اور اگر سیدہؑ کے وجود مقدس کی نورانی شمع کی کرنیں ہر دور میں جلوہ افروز دیکھیں تو گیارہ اماموں کی صورتوں میں نظر آتی ہیں۔ دوسرے لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ حقیقت محمدیہؐ کی نورانی عظمت کو ایک ہی صورت میں دیکھنا ہو تو سیدہ فاطمہ زہراءؑ کے وجود میں ملے گی اور اگر سیدہؑ کی نورانی حقیقت کا وجودی جلوہ دیکھنا ہو تو دس اماموں کے وجودی ظہور میں اور گیارہویں امام کی وجودی غیبت کے نورانی جلووں میں دکھائی دے گا۔ شاید اسی حقیقت کو اس راز سے تعبیر کیا جاتا ہے جو سیدہؑ کے وجود میں پوشیدہ ہے۔

سیدہؑ کے وجود میں ودیعت کیے جانے والے "راز" کے بارے یہ بھی قابل تصور ہے کہ اس سے مراد اسم اعظم ہو کہ جو ہر معصوم کے وجود کی اصل واساس ہے، اور ہر معصوم اس سے آگاہ ہے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ اس راز سے مراد سیدہؑ کا نبوت وامامت کے درمیان نقطہ وصل ہونا ہو کہ انہی کے ذریعے سلسلہ ذریت وعترت اولادعلیؑ واولادنبیؐ کی صورت میں قائم ہوا اور سیدہؑ دونوں جانب سے فیض ربانی کا ظرف قرار پائیں، سید کائناتؐ کا ارشادگرامی قدر ہے:

لـو كـان الحسن شخصا لكان فاطمة ،بل هي اعظم ، فان ابنتي فاطمة خير اهل الارض عنصرا وشرفا و كرما ،

اگر خوبصورتی کسی شخص کی صورت میں ہوتی تو وہ فاطمہ ہوتی، بلکہ اس سے بھی عظیم تر، کیونکہ میری بیٹی فاطمہ اہل زمین سے وجودی حقیقت اور شرف وعظمت میں بہتر ہے۔

شاید اس راز سے اس حقیقت کی طرف اشارہ ہو جو حضورؐ نے اپنے فرمان میں ذکر کی کہ فاطمہ میری روح ہے جو میرے پہلوؤں میں رہتی ہے (**وهي روحي التي بين جنبيي**)۔ کہ یہاں پہلوؤں سے مراد علم وعمل کے پہلو ہوں، گویا سیدہؑ اپنے وجود میں علم النبیؐ کا مظہر اور اپنی سیرت میں سیرت النبیؐ کا پرتو ہوں۔

سیدہؑ کا وجود مظہر صفات نبیؐ وکمالات ولیؑ ہے۔

اور مجمع النورین۔نور محمدیؐ ونور علویؑ۔ ہے، حقیقی نسبت سے نور محمدیؐ اور حقوقی نسبت سے نور علویؑ کی تجلیات کا مرکز ہے۔یعنی ایک جانب سے نور نبوت اور دوسری جانب سے نور ولایت کی مظہریت کا وجودی وسیلہ ہے، اسی نسبت سے بی بیؑ کا وجود مقدس مجمع النورین ہے،۔نور النبوۃ اور نور الامامۃ۔

اور مجمع البحرین ہے،۔بحر النبوۃ اور بحر الولایۃ۔

اور مجمع الاسرار ہے۔اسرار نبوت، اسرار امامت۔

اور مجمع الانوار ہے۔انوار رسالت، انوار ولایت۔

یہ تمام مطالب اس نورانی حقیقت کے توضیحی واشاراتی دلائل ہیں جو حضورؐ کے فرمان کی اصل بنیاد سے آگاہی دلاتے ہیں جس میں حضورؐ نے سیدہؑ کو ام ابیھا کہا۔ہاں، فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے۔اس روحانی تمثیل کا راز بھی "**السر المستودع فيها** " کا مشارالیہ ہے۔ان نورانی حقیقتوں کو سمجھنے کے لئے ایمان خالص اور عمل صالح کے ساتھ ساتھ توفیق

الٰہی مطلوب ہے۔

بیٹی مگر ماں۔اور ماں مگر بیٹی

سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا، سیدالانبیاءؐ کی حقیقی صلبی بیٹی تھیں اور سیدین شریفین کریمین حسن وحسین اور زینب و ام کلثوم کی حقیقی ماں تھیں، لیکن اپنے معمولات میں بی بیؑ نے دونوں کردار یکجا ادا کئے، حضورؐ کے حوالہ سے سیدہؑ نے بیٹی کا کرداراس طرح ادا کیا کہ جب بھی آپؐ تشریف لاتے تو آپؐ کے احترام میں کھڑی ہو جاتیں اور جہاں خود بیٹھی ہوتیں وہاں اپنے پدر بزرگوار کو بٹھاتیں، جب حضورؐ بیٹھ جاتے تو آپ کے ہاتھوں کا بوسہ لیتیں،

(وكان النبي صلى الله عليه وآله وسلم اذا دخل عليهاقامت من مجلسها فقبلته واجلسته في مجلسها)۔

اسی طرح کے الفاظ حضورؐ کے حوالہ سے بھی روایات میں مذکور ہیں:

(كانت فاطمة اذا دخلت على النبي صلى الله عليه وآله وسلم قام اليها فقبلها واجلسها في مجلسه)۔

اور ماں کا کرداراس طرح ادا کیا کہ جب حضورؐ گھر میں تشریف لاتے تو سیدہؑ ان کی خدمتگزاری کے ساتھ ساتھ ان کی خیالداری کا پورا پورا حق ادا کرتیں، اور بیماری میں ان کی دیکھ بھال اس طرح کرتیں جس طرح حقیقی ماں کرتی ہے، جنگ میں زخمی یا تھکاوٹ سے دوچار ہوتے تو ماں کی طرح سکون وآرام پہنچاتیں، دوسرے حوالہ سے صورتحال یہ تھی کہ اپنی حقیقی اولاد کو حقیقی ماں کا پیار دینے کے ساتھ ساتھ ان کی خیالداری پر حضورؐ کی خیالداری کو مقدم کرتی تھیں، پہلے حضورؐ کی خدمتگاری کرتیں پھر اپنی اولاد کے امور ادا کرتیں، چونکہ حقیقی بیٹی تھیں اس لئے حضورؐ انہیں اپنی پدرانہ شفقت سے نوازتے اور علم و حکمت کے لعل وجواہر سے اپنی جلیل القدر بیٹی کی آغوش بھر دیتے تھے۔

پاکیزہ صفات کی عملی تصویر

حقیقت یہ ہے کہ سیدہؑ جس اعلیٰ کردار کی مالک تھیں اور جو عظیم و پاکیزہ صفات بی بیؑ کے وجود مقدس میں پائے جاتے تھے ان سب کا سرچشمہ تو حضورؐ ہی کی ذات گرامی قدر تھی، باپ ہونے کا ایک حوالہ تھا اور نبی و رسول ہونے کا دوسرا حوالہ تھا، دونوں حوالوں سے آپؐ نے اپنی بیٹی اور سیدۃ النساء ہونے کی نسبت سے سیدہؑ کو اعلیٰ ترین صفات سے آراستہ کیا اور جب ان بلند پایہ صفات کی عملی تصویر بی بیؑ کے کردار میں پائی اور اپنی بیٹی کی سیرت کا منفرد انداز دیکھا تو فرمایا: فاطمہ اپنے باپ کی ماں ہے، اس پر اس کا باپ فدا ہو۔

اگر چہ تاریخ میں کثیر واقعات درج ہیں جو سیدہؑ کی عظمت اور جود و سخا، عبادت و ریاضت، اخلاق کریمہ، تقویٰ، خضوع و خشوع اور ایثار کی ثبوتی مثالیں ہیں لیکن یہاں موضوع سے مربوط اشاراتی حوالہ سے اسی بیان پر اکتفاء کی جاتی ہے کہ سیدہؑ کے بارے میں حضورؐ کے ارشادات و فرامین اور مخصوص اقدامات کو عام باپ کے عام بیٹی سے کئے جانے والے معمولات اور عام فطری محبتوں کے اظہارات نہ سمجھے جائیں، اور نہ ہی سیدہؑ کی طرف سے حضورؐ کے بارے میں بیانات اور عملداری کے مظاہر کو عام بیٹی کے عام باپ کے ساتھ عام طرز عمل پر مبنی سمجھا جائے بلکہ انہیں خاص معیاروں کا حامل سمجھتے ہوئے ان کی مخصوص حیثیتوں کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہو جائے گا کہ حضورؐ کی زبان وحی ترجمان سے نکلے ہوئے الفاظ کی حقیقت کیا ہے۔

تیسرا باب

باپؐ نے بیٹیؑ کے بارے میں فرمایا:

اس حصہ میں سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وہ ارشادات وبیانات ذکر کیے جاتے ہیں جو آنحضرتؐ نے اپنی دختر نیک اختر سیدہ کائنات فاطمۃ الزہراءؑ کے بارے میں فرمائے

باپ نے بیٹی کے بارے میں فرمایا:

(۱)

نورانی وجود

حضرت امیرالمومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام سے روایت ہوئی ہے کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا ہے:

" لماَ خلق اللّٰہ آدم (ع)و حوا(ع) تبخترا فی الجنۃ،

فقال آدم(ع) لحواء(ع) : ما خلق اللّٰہ خلقاً ھوا حسن مناً ،

فاوحی اللّٰہ الٰی جبرئیل(ع): ائت بعبدی الفردوس الاعلٰی،

فلماد خلا الفردوس نظرا الٰی جاریۃ علٰی درنوک من درانیك الجنۃ، وعلٰی راسھا تاج من نور و فی اذنیھا قرطان من نور، قد اشرقت الجنان من نور وجھھا،

فقال آدم: حبیبی جبرائیل، من ھذہ الجاریۃ التی قد اشرقت الجنان من حسن وجھھا ؟

فقال: ھذہ فاطمۃ بنت محمد (ص) نبی من ولدك یکون فی آخر الزمان،

قال فما ھذا التاج الذی علٰی راسھا ؟

قال : بعلھا علی بن ابی طالب (ع) ،

قال: فما القرطان اللذان فی اذنیھا ؟

قال: ولداھا الحسن والحسین (ع)،

قال اٰدم(ع): حبیبی، ا خلقوا قِبلی ؟

قال: ھم موجودون فی غامض علم اللّٰہ قبل ان تخلق باربعۃ آلاف سنۃ ،

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ اور حضرت حواؑ کو پیدا کیا تو وہ بڑے ناز کے ساتھ بہشت میں اترنے لگے۔اس وقت حضرت آدمؑ نے حضرت حواؑ سے کہا: اللہ تعالیٰ نے کسی کو ہم سے زیادہ خوبصورت پیدا نہیں کیا، تو اللہ تعالیٰ نے جبرائیل کو وحی فرمائی کہ میرے بندے کو فردوسِ اعلیٰ میں لے آؤ۔ جب وہ دونوں فردوس میں داخل ہوئے تو ان کی نظر ایک نوجوان خاتون پر پڑی جو بہشت کے ایک فرش پر بیٹھی تھیں، اور ان کے سر پر نورانی تاج تھا اور ان کے کانوں میں نورانی گوشوارے تھے اور ان کے چہرہ کے نور سے پوری بہشت چمک رہی تھی۔حضرت آدمؑ نے کہا: اے میرے حبیب جبرائیل! یہ نوجوان خاتون کون ہیں کہ جن کے چہرے کے جمال سے بہشت، نور سے چمک رہی ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا: یہ فاطمہؑ ہیں جو کہ آپ کی اولاد میں سے آخر الزماں میں آنے والے نبی محمدؐ کی بیٹی ہیں۔حضرت آدمؑ نے پوچھا: ان کے سر پر جو تاج ہے وہ کیا ہے؟ حضرت جبرائیلؑ نے جواب دیا: وہ ان کے شوہر علیؑ بن ابی طالبؑ ہیں۔حضرت آدمؑ نے پوچھا: ان کے کانوں میں نورانی گوشوارے کیا ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے کہا: وہ ان کے دو بیٹے حسنؑ اور حسینؑ ہیں۔حضرت آدمؑ نے کہا: اے میرے حبیب! کیا وہ مجھ سے پہلے پیدا کئے گئے ہیں؟ حضرت جبرائیلؑ نے عرض کی: وہ آپ کی تخلیق سے چار ہزار سال پہلے اللہ تعالیٰ کے دقیق علم میں موجود ہیں۔ (کتاب کشف الغمہ جلد 1 صفحہ 456)

اس روایت کے معتبر ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس کے راوی مولائے کائنات امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ ہیں کہ جن کی صداقتِ گفتار کا ثبوت حضرت رسول خداؐ کے اس ارشاد سے ملتا ہے کہ جس میں آپؐ نے فرمایا: "**یا علیؑ انت الصدیق الاکبر**"، اے علیؑ تو صدیق اکبر (سب سے بڑا سچا) ہے۔اس کے ساتھ ساتھ سیدۂ کائنات حضرت فاطمہؑ کی عظمت کا اندازہ آپؑ کے والد سید الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰؐ کے صریح و واضح بیان سے ہو سکتا ہے جس میں آپؐ نے اپنی عظیم المنزلت اور جلیل القدر بیٹیؑ کی تخلیق، حضرت آدمؑ کی تخلیق سے چار ہزار سال قبل بتائی اور سیدہؑ کے سر اقدس پر نورانی تاج اور دونوں کانوں میں نورانی گوشوارے ہیں اور ان کے چہرۂ اقدس کے جمال سے بہشت منور ہوئی۔صادق اور امین نبیؐ کی زبان سے نکلے ہوئے الفاظ بی بیؑ کے بلند مقام کی پہچان کرواتے ہیں۔

....

(۲)

اس کا کوئی ہمسر نہ تھا

حضرت ام سلمہؓ سے مروی ہے آپؑ نے بیان کیا کہ حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا:

"لو لم یخلق اللہ علیا لما کان لفاطمة کفو"،

اگر اللہ تعالیٰ علیؑ کو پیدا نہ کرتا تو فاطمہؑ کا کوئی ہمسر نہ ہوتا،

(ینابیع المودہ صفحہ ۱۸۱)

اس حدیث میں سید المرسلینؐ نے سیدہ کائناتؑ کے وجود میں عظمتوں و کمالات کے یکجا ہونے کو جس خوبصورت اور مخصوص انداز میں بیان فرمایا اس کی نظیر نہیں ملتی۔ اس بیان سے ثابت ہوتا ہے کہ جو عظیم مقام و منزلت اللہ تعالیٰ نے مولائے کائنات امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کو عطا فرمائی اور جو کمالات امامؑ کے مقدس و مطہر اور منور وجود میں تھے وہ سب سیدہ کائناتؑ کے وجود میں بھی تھے اور اسی طرح بالعکس بھی،۔ صداقت، شرافت، امانت شجاعت، عبادت، تقویٰ، زہد، علم و حکمت، عصمت، دیانت، اخلاص، للٰہیت، نورانیت، وود، سب فضیلتیں اور پاکیزہ صفات ان دونوں ہستیوں میں برابر پائی جاتی تھیں البتہ منصبی مخصوص ذمہ داریوں سے قطع نظر۔ تکوینی اور تخلیقی عظمتوں اور رفعتوں کے حوالہ سے حقیقت الوجودی نورانیت کی بناء پر دونوں میں برابری تھی۔ دونوں ایک ہی نور۔ نور عظمت الٰہی۔ سے پیدا ہوئے اور دونوں ایک ہی نورانی شخصیت کے سایہء عنایت میں پروان چڑھے۔ اسی حوالہ سے شاید امام حسن عسکریؑ کا ارشاد گرامی تمام پہلوؤں کو آشکار کرتا ہے جس میں آپؑ نے ارشاد فرمایا:

"کلنا حجج اللہ، و امنا فاطمة حجة اللہ علینا"،

(کافی جلد ۱۔ صفحہ ۳۰۲) (تفسیر اطیب البیان، جلد ۱۳، ص ۲۲۶)

ہم سب اللہ کی حجتیں ہیں اور ہماری ماں فاطمہؑ ہم پر اللہ کی حجت ہیں)

امامؑ نے اس بیان میں تین امور ذکر فرمائے ہیں:

(۱) "کلنا حجج اللہ"۔ ہم سب اللہ کی حجتیں ہیں۔،

(۲) "وامنا فاطمة"۔ ہماری ماں فاطمہ۔،

(۳) ''**حجة الله علينا**'' ۔ہم پر اللہ کی حجت ۔

پہلے حصہ میں امامؑ نے آئمہ اہل بیت علیہم السلام کے بارے میں جامع الفاظ استعمال کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم سب اللہ کی حجتیں ہیں، '' حجج اللہ '' کے الفاظ سے آئمہ معصومینؑ کی منصبی حیثیت کا بیان واظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی مخلوق کے لئے رہنما و ہادی بنا کر بھیجا، کہ انہیں نہ تو مخلوق کے انتخاب کی احتیاج ہے اور نہ ہی وہ کسی خاص قوم و قبیلہ اور مخصوص زمانہ کے لئے اس منصب پر فائز کیے گئے ہیں، وہ اللہ کی حجتیں ہیں کہ ان کا اتباع درحقیقت خدا کی اطاعت کا دم بھرنے سے عبارت ہے کیونکہ ان کی پیروی کرنا دراصل حضرت رسول اللہؐ کی پیروی کرنا ہے اور حضرت رسول خداؐ کی پیروی کرنا دراصل خداوند کریم کی فرمانبرداری ہے کہ جس سے عبد کی عبدیّت کا راز وابستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان ہستیوں کو مخلوق کی ہدایت کی ذمہ داری دی اور آنحضرتؐ نے ان کے بارے میں نام بہ نام اپنی امت کو آگاہ فرمایا۔ ان ہستیوں کا ''خدا کی حجتیں'' ہونا جہاں ان کے منصبی مقام ومنزلت سے آگاہی دلاتا ہے وہاں ان کی عصمت کا ثبوت بھی فراہم کرتا ہے۔ اللہ کی حجت ہمیشہ اور ہر حال میں اللہ کی اطاعت میں رہتی ہے اللہ کی نافرمانی کا تصور بھی نہیں کرسکتی اور نہ ہی شیطان ان پر غلبہ کرسکتا ہے۔ آئمہ اہل بیت علیہم السلام مخلوق پر اللہ کی حجتیں ہیں۔ ان کی ذوات مقدسہ کی وجودی نورانیت پوری کائنات کو فیض پہنچارہی ہے۔ ان کے مقامات عالیہ ومراتب متعالیہ کا تقابل صرف انہی ہستیوں سے ہوسکتا ہے جو اللہ کی حجتیں ہیں۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کے ارشاد گرامی قدر میں '' **كلنا** '' کے الفاظ سے تمام آئمہ اطہار علیہم السلام کی وجودی اور منصبی حیثیتوں کی طرف اشارہ ہوا ہے اور لفظ '' **كل** '' کی اضافت '' **نا** '' کی طرف تمام آئمہ اہل بیتؑ کے بارے میں واضح وصریح بیان ہے جس میں ان سب کے اللہ کی حجت ہونے سے آگاہی دلائی گئی ہے تاکہ ان میں سے کسی ایک کے بارے میں بھی کسی حوالہ سے شک وشبہ پیدا نہیں ہونا چاہیے۔

دوسرے بیان میں امامؑ نے حضرت سیدۃ فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں '' **امنا** '' (ہماری ماں) کے الفاظ ذکر فرمائے ہیں جس سے آنحضرتؐ کے اس فرمان کی تصدیق ہوتی ہے جس میں حضورؐ نے حضرت خدیجہ سلام اللہ علیہا سے فرمایا تھا کہ آپ کے شکم میں جو بچہ ہے وہ ''بیٹی'' ہے کہ جو میرے گیارہ خلفاء کی ''ماں'' ہے، اس میں سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں لفظ '' **ام** '' کا ذکر کیا جانا صرف نسبی نسبتوں کے اظہار کے طور پر نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ حقیقی معنوی نورانی نسبتوں کا بیان مقصود ہے۔ امام حسنؑ اور امام حسینؑ کے علاوہ دیگر آئمہ اطہار علیہم السلام سے نسبی نسبت کے حوالہ سے سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا '' **جدہ** '' قرار پاتی ہیں کہ عربی زبان میں دادی یا نانی کے لئے لفظ '' **ام** '' کے بجائے لفظ ''

جدہ ''استعمال ہوتا ہے، عرفی طور پر دادی و نانی کو ''ماں'' کہا جاتا ہے۔ اس میں حقیقی و حقوقی دونوں حوالوں سے احترام ملحوظ ہوتا ہے، اور اگر وجودی نسبت کے تناظر میں دیکھا جائے تو لفظ'' ام'' کو'' اصل'' کے معنی میں لیتے ہوئے اس کے استعمالی موارد کا تعین آسان ہو جاتا ہے۔ لہذا امام علیہ السلام کے ارشاد گرامی قدر میں عرفی استعمال کے ساتھ ساتھ وجودی اصل کا حوالہ بھی مقصود کی حقیقت کو آشکار کرتا ہے کہ گویا امام حسن عسکریؑ نے آئمہ اطہارؑ کی وجودی اصل کو بیان فرمایا ہے کہ سیدۃ فاطمہؑ ہماری اصل، بنیاد اور وجودی نسبت کی اساس ہیں۔

امامؑ نے تیسرے بیان میں سیدۂ عالم سلام اللہ علیہا کو'' **حجة الله علينا** '' فرما کر بی بیؑ کی وجودی منصبی اثر گزاری کے مقدس و نورانی سلسلوں سے آگاہی دلائی ہے۔ عالم نسواں کی سرداری کا تاج سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کے سر اقدس پر سجایا گیا اور حضورؐ نے بی بیؑ کو'' سیدۃ نساء العالمین '' کا لقب عطا فرمایا۔ جیسا کہ ہم بیان کر چکے ہیں کہ یہ ایک مسلّمہ حقیقت ہے کہ حضورؐ کے ارشادات، وحی الٰہی کے ترجمان ہوتے ہیں اور آنحضرتؐ نہ تو اپنی ذاتی خواہش و پسند کی بناء پر کچھ کہتے یا کرتے ہیں اور نہ ہی جذبات و احساسات سے مغلوب ہو کر کسی بات کا اظہار یا کوئی کام انجام دیتے ہیں بلکہ'' **وما محمد الا رسول** ''(محمدؐ نہیں ہیں مگر رسول) کے مطابق آنحضرتؐ کا ہر قول اور ہر عمل حکم و مرضیء پروردگار کے تابع بلکہ اس کا ترجمان ہوتا ہے۔

امام حسن عسکری علیہ السلام کا فرمان سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کی وجودی نورانی معنوی منصبی عظمت و حیثیت کا عکاس ہے۔ امام حسن عسکریؑ کے ارشاد گرامی قدر کو حضرت رسول اللہؐ کے اس فرمان کے تناظر میں دیکھا جائے تو حقیقت الامر واضح ہو جائے گی جس میں آنحضرتؐ نے ارشاد فرمایا:

'' لولم يخلق الله علياً لما كان لفاطمة كفو ''

اگر اللہ تعالیٰ علیؑ کو پیدا نہ کرتا تو کوئی بھی فاطمہؑ کا ہمسر و کفو نہ تھا۔

(ینابیع المودہ، صفحہ ۱۸۱) و دیگر متعدد کتب حدیث و سیرت۔

اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو عظمتیں و فضیلتیں امام امیر المومنینؑ کو عطا فرمائی ہیں۔ سوائے امامت کی مخصوص خصوصیات کے۔ وہ ذاتی کمالی صفات حضرت فاطمۃ الزہراء سلام اللہ علیہا کے وجود اقدس میں پائی جاتی تھیں ورنہ ان کے درمیان ایک دوسرے کے کفو ہونے کا حوالہ کیونکر قابل فہم قرار پا سکتا ہے؟ تو نتیجتاً حضرت فاطمۃ زہراء سلام اللہ علیہا بھی اسی طرح آئمہ اطہار پر حجت ہیں جس طرح حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام ان پر حجت

ہیں۔سیدۂ کائناتؑ کے نورانی وجود کی حجیت، آئمہ اطہار علیھم السلام کی نورانی شخصیات کی حجیت پر جلوہ فگن ہوتی ہے۔

ام المومنین عائشہ نے بیان کیا کہ ہم رات کی تاریکی میں سوئی دھاگہ ڈالنے، کپڑا بُننے اور سینے کا کام فاطمہؑ کے چہرہ کی روشنی میں انجام دیتے تھے۔

''کنا نخیط و نغزل و ننظم الابرة بالليل فی ضوء وجه فاطمة عليها السلام''۔ (کتاب اخبار الدول وآثار الاول، تالیف، احمد بن یوسف الدمشقی، صفحہ ۸۷، باب: **ذکر اولادہ۔ ص۔** مطبوعہ مصر)۔ (کتاب بحار الانوار، تالیف، علامہ مجلسی، ج ۴۳ ص ۵۶)۔ دیگر کتب میں بھی یہ روایت ذکر کی گئی ہے۔

حضرت سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے بارے میں حضورؑ کے ارشاد گرامی قدر ''**فاطمة ام ابيها**'' (فاطمہؑ اپنے باپ کی ماں ہے) کا ایک مفہوم یہ بھی قابل تصور ہے کہ شاید حضورؑ اس حقیقت سے آگاہی دلانا چاہتے ہوں کہ تجلّیءانوار نبوت کا نورانی ذریعہ سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا وجود اقدس ہے کہ جو ماں کی معنوی نسبت کی حامل ہونے کی حیثیت میں مقصدِ مقصود کائنات اور رحمتِ رحمتِ موجوداتؐ ہیں۔ مرکزِ تجلیاتِ انورِ مصطفیؐ اور مخزنِ اسرارِ مرتضیٰؑ ہیں۔ سید کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلّم کی وجودی نورانیت، کائنات کی وجودی جلوہ گری کی اصل واساس ہے اور سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا اس جلوہ گری کے نورانی تسلسل کی وجودی ضمانت ہیں۔ انہی کے سرچشمۂ فیضِ وجود سے حضرت رسول اللہؐ کی وجودی فیض رسانی کے پاکیزہ سلسلہ کا تسلسل وابستہ ہے اسی لئے سیدہؑ کی اولاد کو اولادِ رسولؐ کہا جاتا ہے اور سیدہؑ ہی کی نسبی نسبت کے تسلسل سے نبوت ورسالت کی منصبی حقیقتوں کو بقاء حاصل ہوئی کہ گیارہ آئمہؑ کی ''ماں'' ہونے کی نسبت سے سیدہؑ کو مرکزی ومحوری مقام حاصل ہے۔

حضورؐ کا فرمان کہ اگر علیؑ نہ ہوتے تو کوئی بھی فاطمہؑ کا کفو نہ تھا، اس میں سیدہؑ کی عظمت کا حوالہ موجود ہے۔ امیر المومنینؑ چونکہ تمام آئمہ معصومینؑ پر حجت ہیں لہٰذا یقیناً سیدہؑ اس فضیلت میں امامؑ کی ہمسر ہیں اور تمام آئمہؑ پر حجت ہیں۔ دونوں ایک ہی نورانی وجودی حقیقت کے حامل ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کے لئے مخصوص وجودی کیفیات کے مظہر تھے۔

علامہ مجلسیؒ نے بحار الانوار میں ایک روایت ذکر فرمائی ہے جس میں ابن ہشام کے جواب میں گیارہویں تاجدار

ولایت حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام کا ارشاد گرامی قدر مذکور ہے جس میں امامؑ نے بی بیؑ کی وجہ تسمیہ بیان فرمائی ہے، ابن ہشام نے کہا:

سألت الامام العسكرى(ع):

لم سميت فاطمة بالزهراء ؟

فقال (ع) :

كان وجهها يزهر لامير المؤمنين عليه السلام اول النهار كالشمس الضاحية و عند الزوال كالقمر المنير و عند الغروب كالكوكب الدرى،

(میں نے امام عسکریؑ سے پوچھا کہ حضرت فاطمہؑ کو ''زہراء'' کیوں کہا جاتا ہے؟ امامؑ نے فرمایا: ان کا چہرہ امیر المومنینؑ کے لئے یوں چمکتا تھا کہ دن کی ابتدائی گھڑیوں میں چمکتے سورج کی طرح، زوال کے وقت دمکتے چاند کی طرح اور غروب کے وقت درخشندہ ستارے کی طرح ہوتا تھا۔

(کتاب بحارالانوار، جلد ۴۳ صفحہ 15)

یقیناً دونوں ہستیوں کی ہمسری و کفو ہونا اس کا متقاضی تھا کہ ان کے وجودی کمالات ایک دوسرے پر اس طرح ظاہر ہوں کہ اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو اور دونوں کی پاک و طاہر نسل کی عظمتوں اور وجودی صفات کی معنویت و نورانیت پوری کائنات میں پھیلے۔ دونوں ایک دوسرے کے کفو ہونے اور وجودی نورانی حقیقت میں یکساں ہونے میں جس لازوال فطری عظمت کے مظاہر ہیں اس کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ دن رات میں سیدۂ کائناتؑ اپنے نورانی وجود کے ساتھ مولائے کائناتؑ کے سامنے سورج، چاند اور ستارہ کی طرح رہتی تھیں۔ یقیناً ان کے نقطۂ مقابل میں امام علیؑ بھی اپنے نورانی وجود کے ساتھ اپنی تخلیقی عظمتوں کے مظاہرے پیش کرتے تھے کہ جن کے تناظر میں حضور پاکؐ کے ارشاد گرامی قدر یعنی کفو ہونے کی حقانیت کھل کر سامنے آجاتی ہے اور اس کا کوئی پہلو تشنۂ بیان نہیں رہتا۔

کفائت کا عملی اظہار

''کفو'' ہونا ایک ایسی عظیم صفت ہے کہ حضور پاکؐ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا کہ اگر اللہ علیؑ کو پیدا نہ کرتا تو فاطمہؑ کا ہمسر کوئی نہ تھا، تو جو کمالات سیدہؑ میں تھے وہ سب امیر کائناتؑ میں تھے اور جو کمالات سلطان ولایتؑ میں تھے وہ سب سیدۂ عالمؑ میں تھے۔ تبھی تو ''کفو'' ہونے کی نبویؐ تصدیق سے آگاہی حاصل ہوگی۔ منصب امامت مولائے کائناتؑ کو مخصوص ذمہ داریوں کے ساتھ خدا نے عطا فرمایا مگر اس کی رعنائی میں سیدۂ کائناتؑ کا کردار برابر رہا۔ سیدۂ کائناتؑ نے اپنی پاکیزہ زندگی میں حضورؐ کے ارشاد گرامی قدر کے عین مطابق اور مولائے کائناتؑ نے اپنی حیات طیبہ میں فرمان نبویؐ کی عکاسی میں ''کفائت'' کا واضح عملی نمونہ بلکہ نمونے پیش کیے۔ یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ اسلامی حوالہ سے زوجین کے درمیان کفو کی جو صفتی شرط رکھی گئی ہے اس میں ایمانی کفائت کے ساتھ ساتھ دیگر معاشرتی امور بھی ملحوظ ہوتے ہیں، مثلاً خاندانی و شخصی شرافت، علمی و عملی تناسب کی قابل قبول کیفیت، تا حد امکان ذہنی مطابقت و ہم آہنگی کے حالات و قرائن، ظاہری طور پر فکری و عملی یکجہتی کے آثار و امکانات، دینی و ایمانی اور تقویٰ کے حوالے سے غیر یقینی صورتحال کی نفی، یہ اور اس طرح کے دیگر امور کفو ہونے کی بابت عام افراد میں ملحوظ ہوتے ہیں مگر فرمان نبویؐ میں جس کفائت کا حوالہ مذکور ہے وہ ان سب امور سے کہیں بالاتر ہے ورنہ سید کائناتؐ دیگر خواستگاروں کے بارے میں عمومی حوالوں و معیاروں کی بناء پر کسی رائے کا اظہار فرماتے، لیکن اس کے برعکس آنحضرتؐ نے سب کو یہی جواب دیا کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے رب کے فرمان و فیصلہ کے منتظر ہیں۔ اور جب وہ فیصلہ آ گیا تو حضورؐ نے ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں فاطمہؑ کا عقد علیؑ سے کر دوں، تو ظاہر ہے کہ کفائت کے جس معیار پر خدائی فیصلہ آیا وہ یقیناً مخلوق کے ہر معیار و زاویۂ نگاہ سے بلند تر اور ناقابل قیاس ہوگا، سچ کہتے ہیں کہ خدا کا کام، خدا ہی جانے۔ خدائی کاموں کی مصلحتیں خدا ہی کو معلوم ہیں، یا پھر ان ہستیوں کو معلوم ہیں جنہیں خداوند عالم نے ان سے آگاہ فرمایا ہے۔

(۳)

فاطمہؑ، برگزیدہء خدا

حضور سید الانبیاءؐ نے ارشاد فرمایا:"

" لیلة عرج بی الی السماء رایت علٰی باب الجنة مکتوباً :
لا الٰه الا اللّٰه،
محمد رسول اللّٰه،
علی حبیب اللّٰه،
و الحسن و الحسین صفوة اللّٰه،
فاطمة خیرة اللّٰه،
علٰی مبغضیهم لعنة اللّٰه،

جس شب مجھے آسمان پر لیجایا گیا (شب معراج)، تو میں نے دروازہء بہشت پر لکھا ہوا دیکھا: اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، محمد اللہ کے رسول ہیں، علیؑ اللہ کے حبیب ہیں، حسنؑ و حسینؑ اللہ کے برگزیدہ ہیں، فاطمہؑ اللہ کی برگزیدہ و پسندیدہ ہیں۔ ان کے دشمنوں پر اللہ کی لعنت ہے۔ (مناقب خوارزمی۔ صفحہ 240)

اس حدیث میں سیدہؑ کو خیرۃ اللہ یعنی پسندیدۂ خدا، برگزیدۂ خدا کے لقب سے یاد کیا گیا ہے، اس لقب کی معنوی حیثیت پر غور کرنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے نزدیک بی بیؑ کا مقام کس قدر بلند ہے، خدا کی پسندیدگی و برگزیدگی کا معیار وجودی نورانی حقیقت کی عملی وعباداتی جلوہ گری سے مربوط ہے، بی بیؑ کا اپنے پروردگار سے عابدانہ رابطہ اور مطیعانہ وابستگی اس قدر بلند تھی کہ جب بھی سیدہؑ مصلائے عبادت پر کھڑی ہوتی تھیں تو اللہ تعالیٰ ان کی حفاظت و کرامت کے لئے اپنے مقرب فرشتوں کو زمین پر بھیجتا تھا اور وہ بی بیؑ پر سلام کرتے تھے، ایسی ہستی کے طفیل اللہ نے اپنے نبیؐ کی ذریت کو بقاء عطا کی تا کہ ہدایت کا مقدس سلسلہ مقدس افراد کے ذریعے اپنے تمام مراحل مقدس صورتوں میں طے کرے۔

(۴)

وجہ تسمیہ فاطمہ زہراءؑ

حضرت علیؑ روایت کرتے ہیں کہ حضرت رسول خداؐ نے فاطمہؑ سے پوچھا:

یا فاطمة اتدرین لم سمیت فاطمة ؟

اے فاطمہؑ کیا تمہیں معلوم ہے کہ تمہیں فاطمہؑ کے نام سے کیوں موسوم کیا گیا ہے؟

اس وقت میں (علیؑ) نے عرض کی:

یا رسول اللّٰہؐ ! لم سمیت فاطمةؑ ؟

فاطمہؑ کو فاطمہؑ کیوں کہا گیا؟

قال (ص):

ان اللّٰہ قد فطمها و ذریتها من النار یوم القیامة،

حضورؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اسے اور اس کی ذریت واولاد کو قیامت کے دن جہنم سے محفوظ کر دیا ہے۔

یہ روایت ابن جریر طبری شافعی نے ذخائر العقبیٰ میں صفحہ ۲۶ پر لکھی ہے اور دیگر محدثین نے بھی اسے ذکر کیا ہے۔اسی کتاب میں حضورؐ کا یہ ارشاد بھی مذکور ہے:

" قال رسول اللّٰه (ص) :

یا فاطمة، ان اللّٰه یغضب لغضبك و یرضٰی لرضاك"۔

اے فاطمہؑ! اللہ تیری ناراضگی پر ناراض ہوتا ہے اور تیری خوشی پر خوش ہوتا ہے۔

یہ روایت محدثین عامہ کی معتبر ترین کتب میں مذکور ہے، مثلاً: کتاب میزان الاعتدال ، جلد ۲ ص ۷۲، مسند **الصحیحین**، جلد۲، صفحہ۱۵۴۔

اس سے مراد یہ ہے کہ تو جس سے ناراض ہو اللہ بھی اس سے ناراض ہوتا ہے اور جس سے تو خوش ہو اللہ بھی اس سے راضی وخوش ہوتا ہے۔ گویا اللہ کی ناراضگی اور رضایت کا معیار سیدہ فاطمہؑ کی ناراضگی و رضایت ہے۔ (اب ارباب نظر تاریخ کا مطالعہ کریں تو معلوم ہو جائے گا کہ سیدۂ کائنات فاطمۃ الزہراءؑ کس سے ناراض ہوئیں اور کس سے خوش ہوئیں؟)

(۵)

فاطمہؑ پر صلوات

قال الرسول الاعظم(ص) :

یا بنیة ! من صلّٰی علیك غفر اللّٰه له والحقه بی حیث کنت من الجنة۔

حضرت پیغمبر اسلامؐ نے ارشاد فرمایا:

اے میری پیاری بیٹی ! جو تجھ پر درود پڑھے تو اللہ تعالیٰ اس شخص کے گناہوں کو معاف کر دے گا اور اسے میرے ساتھ جنت میں ملحق کرے گا، میں جہاں بھی ہوا۔ (کشف الغمہ ص۱۴۲)

درود پڑھنا اس کے تمام متعلقہ تقاضوں کی تکمیل کا متقاضی ہے، گناہوں کی بخشش اور حضورؐ کے ساتھ بہشت میں اکٹھا ہونا ایک عظیم اعزاز ہے، اس بلند مقام و منزلت کا حصول ایمان کا کمال، عمل کی پاکیزگی، نیت کا خالص ہونا اور ظاہر و باطن کی یکسانیت چاہتا ہے تاکہ قیامت کے دن پاک و مطہر ہستیوں کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت نصیب ہو اور ان کے طفیل اللہ تعالیٰ گناہوں کی بخشش کا عطیہ دے۔ درود ایک دعا ہے مگر ایسا پاکیزہ عمل ہے جسے خداوند عالم پسند کرتا ہے، چنانچہ حضورؐ پر صلوات پڑھنے کی اہمیت اور اس عمل کی عظمت و قدسیت کے حوالہ سے اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں ارشاد فرمایا:

" ان اللہ و ملائکته یصلون علی النبی یاایها الذین آمنوا صلوا علیه وسلموا تسلیما "۔

(بے شک، اللہ اور اس کے فرشتے درود پڑھتے ہیں نبی پر، اے ایمان والو، تم اس پر درود پڑھو، اور سر تسلیم خم کر دو جس طرح سر تسلیم خم کرنے کا حق ہے) ۔سورہ احزاب، آیت ۵۶۔

اس آیت میں اللہ، فرشتوں اور مومنین کی صلوات کا تذکرہ ہوا ہے، تو ان میں سے ہر ایک کے عمل میں یقیناً فرق ہے کیونکہ اللہ اپنی معبودیت و خالقیت کی حیثیت کے ساتھ، فرشتے اپنے تقرب الٰہی کے اعزاز کے ساتھ اور اہل ایمان اپنی اعتقادی شان و مرتبت کے ساتھ اس عمل کو انجام دیتے ہیں، عمل ایک ہے لیکن اس کی کیفیتیں و اہداف خالق اور مخلوق کے اعمال میں فرق کی بناء پر مختلف ہیں۔

(۶)

فاطمہؑ : میرا پارہ ءجگر

قال النبی (ص) :

فاطمة بضعة منی، یو ذینی من اذاھا ۔

حضرت پیغمبر خداؐ نے ارشاد فرمایا:

فاطمہؑ میرا پارہ ءجگر ہے، جو اسے دکھ دے اس نے مجھے دکھ دیا۔ (صحیح مسلم جلد دوم صفحہ ۳۴۹)

اس فرمان میں پارہ ءجگر ہونے کا حوالہ دونوں ہستیوں کی وجودی وابستگی کے ساتھ ساتھ خدائی معیار کی حامل تعلق داری سے آگاہی دلاتا ہے، قرآن مجید میں ایذائے رسولؐ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس کے تناظر میں یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ کن چیزوں سے رسول اللہؐ کو دکھ پہنچتا ہے اور یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ رسول اللہؐ کو ایذاء دینا دراصل اللہ کو ایذاء دینا ہے، تو اس طرح سیدہؑ کو ایذاء دینا، صرف رسول اللہؐ کو ایذاء دینا نہ ہوگا بلکہ اللہ کو ایذاء دینا ہوگا۔ ایذاء دینا قولی وفعلی، زبانی وعملی دونوں صورتوں میں یکساں ہے،

(۷)

فاطمہؑ کا غضب، میرا غضب

قال الرسول (ص) :

ان فاطمة بضعة منی، یغضبنی ما اغضبھا۔

فاطمہؑ میرا ٹکڑا ہے۔ جو چیز اسے غضب ناک کرے وہ مجھے غضب ناک کرتی ہے۔

(صحیح بخاری جلد دوم صفحہ ۲۶۰)

اس فرمان میں حضورؐ نے بظاہر جسمانی حوالہ دیا اور ''بضعۃ'' کے لفظ سے اپنے اور اپنی بیٹی کے درمیان پائے جانے

والے رشتہ وتعلق کا اظہار فرمایا لیکن باطن وحقیقت میں اس سے مراد جسمانی حوالہ مقصود نہیں کیونکہ اس کے بیان واظہار سے کیا حاصل؟ اس میں ایک ایسی حقیقت کی طرف توجہ دلانا مطلوب ہے، جس کا تعلق حضورؐ کی منصبی حیثیت سے ہے یعنی خدائی مشن کی بقائی ضمانت کا حوالہ واظہار مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے ذریعے ذریت ونسل رسول کا سلسلہ قائم کیا اور انہی کے ذریعے دین کی تبلیغ ہوئی۔

(۸)

فاطمہؑ: خواتین عالم کی سردار

قال النبی الاعظم(ص):

فاطمة سيدة نساء العالمين من الاولين و الآخرين، و انها لتقوم فی محرابها فيسلم عليها سبعون الف ملك من المقربين وينا دونها بمانادت به الملائكة مريم فيقولون: يا فاطمة ان الله اصطفاكِ و طهركِ واصطفاكِ علىٰ نساء العالمين۔

حضرت پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی زبان وحی ترجمان سے فرمایا: فاطمہؑ عالمین کی خواتین کی سردار ہے خواہ وہ اولین میں سے ہوں یا آخرین میں سے ہوں، اور جب وہ محراب عبادت میں کھڑی ہوتی ہیں تو ستر ہزار مقرب فرشتے ان پر سلام کرتے ہیں اور انہیں انہی الفاظ سے پکارتے ہیں جن الفاظ سے ملائکہ نے مریمؑ کو پکارا تھا، وہ اس طرح کہتے ہیں: اے فاطمہؑ، اللہ تعالیٰ نے تجھے چن لیا ہے اور تجھے پاک بنایا ہے اور تجھے عالمین کی تمام عورتوں سے ممتاز قرار دیا ہے۔
(مناقب، شہرابن آشوب صفحہ ۱۳۵)

سیدہ کائنات سلام اللہ علیہا کا اپنے پروردگار کے حضور ادائے بندگی کے لئے اس طرح کھڑا ہونا اس حقیقت کو واضح کرتا ہے کہ خداوند عالم کو ان کا انداز عبادت اس قدر پسند تھا کہ اس کے مقرب فرشتے بی بیؑ کو سلامی دینے کے لئے آسمان سے زمین پر آتے تھے، اور انہیں حضرت مریمؑ کی طرح احترام واعزاز پر مبنی انہی الفاظ سے خطاب کرتے تھے جو قرآن مجید

میں ذکر ہوئے ہیں۔ ملاحظہ ہو: سورہ آل عمران، آیت ۴۲۔

(۹)

فاطمہؑ کے بارے مین خدائی فرمان

قال رسول الله (ص) :

ان الله امرنی ان ازوج فاطمة بعلی۔

رسول اللہؐ نے ارشاد فرمایا: مجھے اللہ نے حکم دیا کہ میں فاطمہؑ کی شادی علیؑ سے کروں۔

(ینابیع المودۃ جلد اول صفحہ ۱۷۴)

اس فرمان سے ثابت ہوتا ہے کہ سیدہ کائناتؑ کی مولائے کائناتؑ سے شادی دنیاوی معیاروں پر نہیں ہوئی بلکہ اس کا بنیادی واصولی فیصلہ اللہ تعالیٰ نے کیا اور حضورؐ کو اس فیصلہ کی عملداری کا حکم دے کر روئے زمین پر ایک سنت قائم کردی۔ جس میں ایجاب وقبول اور طرفین کی رضایت وحق مہر سمیت دیگر امور مقرر کیے گئے ہیں۔ مولا علیؑ و بی بی فاطمہؑ کی شادی، تاریخ اسلام کا منفرد واقعہ ہے کہ اس کا عملی اجراء اللہ تعالیٰ کے خاص حکم کے مطابق ہوا اور حضورؐ نے اپنے پروردگار کے فرمان کے مطابق تمام امور ادا فرمائے۔ اس سلسلہ میں جو تفصیلات کتب حدیث وتاریخ میں درج ہیں ان سے پتہ چلتا ہے کہ حضورؐ نے ہر مرحلہ میں اللہ تعالیٰ کے حکم کو بنیاد و مقدم قرار دیا۔

(۱۰)

فاطمہؑ کو خوشخبری

قال الرسول (ص) :

لفاطمة، یا فاطمة ابشری ان المهدی منکم،

حضورؐ نے فاطمہؑ سے فرمایا: اے فاطمہؑ، تمہیں خوشخبری ہو کہ مہدی تم سے ہوگا۔ (ینابیع المودہ، جلد دوم۔ صفحہ ۲)

اس حدیث میں سید کائناتؐ نے امام مہدیؑ کی نسبی حقیقت کو بیان فرما کر تمام جھوٹے مدعیان مہدویت کو بے نقاب

کر دیا، اور آخر الزمان میں ایک عادلانہ خدائی حکومت کے قیام کو یقینی و نا قابل انکار حقیقت کی صورت میں پیش کر کے اپنی امت کو اس سے آگاہی دلائی، امام مہدی علیہ السلام کا وجود مسعود ایک ایسی یقینی حقیقت ہے جس کے بارے میں حضورؐ نے ہر حوالہ سے خود تصدیق فرما دی ہے۔ جیسا کہ دیگر روایات میں وارد ہوا ہے کہ حضورؐ نے امام مہدیؑ کی صفات و خصوصیات سے آگاہی دلاتے ہوئے فرمایا کہ اس کا نام میرے نام جیسا ہوگا اور وہ زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا جس طرح کہ وہ ظلم و جور سے بھر چکی ہوگی۔ یہ خصوصیت اسی مہدیؑ کی ہے جو سیدہ کائنات فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کی نسل طیب و طاہر سے ہوگا۔ اسی لئے حضورؐ نے بی بیؑ کو اس کی خوشخبری دی۔

(۱۱)

فاطمہؑ: سیدۃ النساء

قال النبی (ص):

فاطمة سیدة نساء اهل الجنة۔

رسول خداؐ نے ارشاد فرمایا: فاطمہؑ بہشت والی عورتوں کی سردار ہیں۔ (صحیح بخاری شرح کرمانی جلد پانچ۔ صفحہ۴)

جنت والی خواتین کی سرداری کا اعزاز سیدہ فاطمہ زہراءؑ کے علاوہ اولین و آخرین میں سے کسی بھی خاتون کو نہیں ملا، اس عظیم خدائی اعزاز کی حقیقت پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دن کے لئے حساب و کتاب کا جو عادلانہ نظام مقرر فرمایا ہے اس میں سید کائنات حضرت محمد مصطفیٰؐ اور ان کی پاک عترت و اہل بیتؑ کو شفاعت کا خاص اعزاز عطا کیا گیا ہے اور جس طرح وہ ہستیاں اس دنیا میں سیادت کی حامل ہیں اسی طرح روز محشر بھی سیادت انہی کو حاصل ہوگی۔ اہل جنت خواتین کی سیادت سے مراد یہی ہے کہ جنت کی مستحق خواتین کا قافلہ بی بیؑ کی قیادت میں بہشت میں داخل ہوگا، اللہ کے حکم کے مطابق سیدہؑ انہیں جنت میں لے جائیں گی۔

(۱۲)

فاطمہ: انسانی حور

عن ابن عباس قال، قال النبی (ص) :

فاطمة حوراء انسانية ، لم تحض ولم تطمث،

جناب ابن عباس نے بیان کیا کہ حضرت پیغمبر اسلام نے ارشاد فرمایا:

فاطمہ انسانی حور ہے، اسے نہ حیض ہوا اور نہ ہی نفاس کا خون آیا۔ (تاریخ بغداد، جلد ۱۲، ص ۳۳۱)

رسول خداؐ نے اپنی عظیم بیٹی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں جو فضائل ومناقب بیان فرمائے ہیں ان میں کمالات کا ایک سمندر پایا جاتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آنحضرتؐ کا بیان (معاذ اللہ) بے معنی نہیں ہوسکتا اور نہ ہی لفاظی وجذباتی و احساساتی بنیادوں پر مبنی ہوسکتا ہے بلکہ آپؐ کا ہر قول خدائی تصدیق، الٰہی معیار اور قرآنی اصولوں کے عین مطابق ہے۔ آنحضرتؐ نے اپنی بیٹی کے بارے میں باپ کی حیثیت سے نہیں بلکہ رسول اللہؐ کی حیثیت میں حقائق کی تصویر کشی کی ہے تاکہ قیامت تک آنے والی نسلیں اس معظمہ کی عظمت سے آگاہ ہوں اور جو سیرت وکردار سیدہء کائناتؑ نے پیش کیا اسے اپنائیں اور اپنی پاکیزہ زندگی میں جو عملی نمونے پیش کئے ان کی تقلید کریں، سیدہؑ کی حیات طیبہ کے ہر پہلو میں درس عمل ہے، پیغام ہدایت ہے، اظہار عبدیت ہے، بیان حقیقت ہے اور اعلان سعادت ہے۔

☆......☆......☆

ایک جامع حدیث نبویؐ

جناب ابن عباس سے منقول ہے کہ ایک دن حضرت رسول خداؐ تشریف فرما تھے اور آپؐ کے ساتھ علیؑ، فاطمہؑ اور حسنؑ وحسینؑ بھی بیٹھے تھے، اس وقت حضورؐ نے دست دعا بلند فرمائے اور بارگاہ خداوندی میں اس طرح عرض کیا:

اللهم انك تعلم ان هؤلاء اهل بيتي واكرم الناس علي، فاحب من احبهم، وابغض من ابغضهم، ووال من والاهم وعاد من عاداهم، واعن من اعانهم

واجعلهم مطهرين من كل رجس،معصومين من كل ذنب،وايدهم بروح القدس،
ثم قال(ص): ياعلى انت امام امتى،وخليفتى عليها بعدى، وانت قائدالمومنين
الى الجنة،وكانى انظر الىٰ ابنتى فاطمة قد اقبلت يوم القيامة علىٰ نجيب من
نور،عن يمينها سبعون الف ملك،وعن يسارها سبعون الف ملك، وبين يديها
سبعون الف ملك ،وخلفها سبعون الف ملك، تقود مومنات امتى الى الجنة ، فايما
امراة صلت فى اليوم والليلة خمس صلوات ،وصامت شهر رمضان، وحجت بيت
الله الحرام،وزكت مالها، واطاعت زوجها،و والت عليا بعدى، دخلت الجنة
بشفاعة ابنتى فاطمة وانها لسيدة نساء العالمين، ـ فقيل يا رسول الله (ص): هل
هى سيدة نساء عالمها؟ فقال(ص): ذاك مريم بنت عمران،فاما ابنتى فاطمة فهى
سيدة نساء العالمين من الاولين والآخرين ،انها لتقوم فى محرابها فيسلم عليها
سبعون الف ملك من الملائكة المقربين ،وينادونها بما نادت به الملائكة مريم
فيقولون يا فاطمة: ان الله اصطفاك وطهرك واصطفاك علىٰ نساء العالمين، ـ ثم
التفت الىٰ على (ع) فقال:ياعلى،ان فاطمة بضعة منى وهى نور عينى،وثمرة
فؤادى، يسوؤنى ما يسوؤها،ويسرنى ما سرها،وانهااول من يلحقنى من اهل بيتى
فاحسن اليها بعدى،واما الحسن والحسين فهما ابناى و ريحانتاى،وهما سيدا
شباب اهل الجنة فليكرما عليك كسمعك وبصرك. ـ ثم رفع يده الى السماء فقال:
اللهم انى اشهدك انى محب لمن احبهم ومبغض لمن ابغضهم ،وسلم لمن
سالمهم وحرب لمن حاربهم وعدو لمن عاداهم، وولى لمن والاهم...“

اے اللہ،تو جانتا ہے کہ یہ ہیں میرے اہل بیت،اور یہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے عزیز ومکرم ہیں،بس تو اس سے محبت
فرما جو ان سے محبت کرے،اور اسے ناپسند فرما جو انہیں ناپسند کرے،اور اسے دوست رکھ جو انہیں دوست رکھے اور اسے دشمن

جان جوان سے دشمنی کرے،،اوراس کی مدد فرما جوان کی مدد کرے۔ جوان کا ساتھ دے۔اورانہیں ہر رجس و پلیدی سے پاک رکھ،اورانہیں ہر گناہ سے معصوم قرار دے،اورروح القدس کے ذریعے ان کی تائید فرما،(پھر حضورؐ نے فرمایا): یا علی،تو میری امت کا امام ہے،اور میرے بعد اس پر میرا خلیفہ ہے،اور تو مومنین کو بہشت لے جانے والا ہے،اور میں دیکھ رہا ہوں کہ گویا میری بیٹی قیامت کے دن نورانی سواری پر سوار ہو کر آرہی ہے،اس کے دائیں جانب ستر ہزار فرشتے ہیں،اوراس کی بائیں جانب ستر ہزار فرشتے ہیں،اس کے آگے ستر ہزار فرشتے ہیں،اس کے پیچھے ستر ہزار فرشتے ہیں،وہ میری امت کی عورتوں کو جنت کی طرف لے جارہی ہے،لہذا جو عورت دن رات میں پانچ اوقات کی نمازیں ادا کرے،اور ماہ رمضان کے روزے رکھے،اور بیت اللہ کا حج کرے،اوراپنے مال کی زکات دے،اوراپنے شوہر کی فرمانبرداری کرے،اور میرے بعد علی کی ولایت کا دم بھرے،تو وہ میری بیٹی کی شفاعت کے ساتھ جنت میں جائے گی،کہ میری بیٹی عالمین کی عورتوں کی سردار ہے۔(حضورؐ سے پوچھا گیا کہ کیا وہ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار ہیں؟)۔تو آپؐ نے فرمایا: وہ مریم بنت عمران ہیں،لیکن میری بیٹی فاطمہؑ اولین وآخرین میں سے عالمین کی تمام عورتوں کی سردار ہے،وہ جب محراب عبادت میں کھڑی ہوتی ہے تو ستر ہزار مقرب فرشتے اس پر سلام کرتے ہیں اوراسے اسی طرح پکارتے ہیں جس طرح مریم کو پکارتے تھے،وہ اس طرح کہتے ہیں ،اے فاطمہ! اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور آپ کو پاک بنایا ہے اور آپ کو عالمین کی خواتین پر منتخب کیا ہے،(اس کے بعد حضورؐ علیؑ کی طرف متوجہ ہوئے اور ارشاد فرمایا: یا علی، فاطمہ میرا ٹکڑا ہے،اور وہ میری آنکھوں کی روشنی ہے،اور میرا میوہ ءدل ہے،جس چیز سے اسے دکھ ہو مجھے بھی اس سے دکھ ہوتا ہے اور جس چیز سے اسے خوشی ہو اس سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے،اور وہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھے ملحق ہوگی، آپ میرے بعد اس سے اچھا سلوک کرنا،اور حسن وحسین میرے بیٹے ہیں اور میری خوشبو ہیں،اور وہ جوانان جنت کے سردار ہیں،وہ آپ کی آنکھوں اور کانوں کی طرح آپ کی عزت وتکریم میں رہیں۔(اس کے بعد حضورؐ نے آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے اور یہ الفاظ کہے؛) پروردگارا ! میں تجھے گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اسے دوست رکھتا ہوں جو انہیں دوست رکھے،اوراس سے دشمنی رکھتا ہوں جو ان سے دشمنی کرے،اوراس سے صلح رکھتا ہوں جو ان سے سلامتی کے ساتھ رہے،اوراس سے میری جنگ ہے جو ان سے جنگ کرے،اور میں اس کا دشمن ہوں جو ان کا دشمن ہو اور میں اس کا دوست ہوں جو ان کا دوست ہو۔(بحار الانوار، جلد ۴۳، صفحہ ۲۴)

حضورؐ نے اس جامع ترین بیان میں حقیقتوں کی ایک کتاب کھول دی ہے، اب دیکھیں کہ اس کتاب کے اوراق پر کیا درج ہے؟ سب سے پہلے اپنے اہل بیت کا تعین فرمایا، (**هؤلاء اهل بیتی**) اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اہل بیت کی تطہیر کے بارے میں اپنے ارادہ کا جو ذکر فرمایا ہے اس میں یہی ہستیاں مراد ہیں، کیونکہ اسلوب بیان اور انداز سخن ہی ایسا ہے جس سے اہل بیت کا افرادی تعین ہوتا ہے، (جیسا کہ پہلے عرض کیا گیا ہے کہ اس سے کسی کی تنقیص کا پہلو نہیں نکلتا بلکہ اہل بیت کی مخصوص صفت و خدائی اعزاز کا اظہار مقصود ہے)۔ حضورؐ نے اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر کہا (**اللهم انك تعلم**) کہ خدایا، تو خود جانتا ہے کہ یہ ہیں میرے اہل بیت، اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ نے اس حقیقت کا حوالہ دے کر بات کی جس میں کوئی شک نہیں پایا جاتا، اور خدا خود اس سے آگاہی رکھتا ہے۔ یعنی ان ہستیوں کا اہل بیت ہونا مسلم الثبوت امر ہے۔ اس جملہ میں ضمیر "**انك**" کے بعد "**تعلم**" اس مطلب کا اظہار کے لئے ہے کہ ایک یقینی امر ہے کیونکہ عربی قواعد کے مطابق اگر جملہ اس طرح ہوتا: "**اللهم انت تعلم**" تو اس کا ترجمہ یہ ہوتا: اے اللہ، تو جانتا ہے، لیکن لفظ "**انك**" سے اس حقیقت کی تاکید مطلوب ہے کہ یہ ایک یقینی و واضح امر ہے۔ حرف "**ان**" تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور اس پر حرف کاف سے مخاطب کی ذات مقصود قرار پاتی ہے کہ اس کے بعد فعل مضارع (**تعلم**) آیا ہے لہذا موضوع کی مزید تاکید ثابت ہوتی ہے، اس کے بعد اس موضوع کی بابت مزید کسی بحث کی ضرورت و گنجائش باقی نہیں رہتی۔ حضورؐ نے اپنے اہل بیت کا افرادی تعین خود فرمایا ہے۔ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کو اس کے علم کا حوالہ دے کر بات کرنا اس حقیقت کا ثبوت دیتا ہے کہ اہل بیت کا افرادی تعین اللہ ہی کی طرف سے ہے، اس کے بعد حضورؐ نے اپنے اہل بیت کے بارے میں یہ فرمایا کہ وہ تمام لوگوں سے زیادہ مجھے عزیز و مکرم ہیں، اس جملہ کے معانی کی حقیقت پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے اہل بیت کا مقام کس قدر بلند و بالا ہے، لفظ "اکرم" افعل التفضیل کا صیغہ ہے جو عموماً تقابلی بیان کے موارد میں استعمال ہوتا ہے، یہاں حضورؐ نے لفظ "الناس" سے تقابلی مورد میں استعمال فرما کر اہل بیت کی عظمت کو آشکار فرما دیا کہ تمام افراد بشر ایک طرف اور حضورؐ کے اہل بیت ایک طرف، اہل بیت تمام افراد سے بلند تر مقام رکھتے ہیں، اور رسول اللہؐ کی نگاہ حقیقت آگاہ میں ان کی منزلت سب سے بڑھ کر ہے، یقیناً اس میں ان ہستیوں کی وجودی عظمتیں اور حسبی کمالات ملحوظ ہیں، کیونکہ یہ بات کسی بھی حوالہ

سے قابل تصور نہیں کہ حضورؐ کسی اہم بنیاد کے بغیر اس طرح کا ارشاد فرمائیں کہ جس میں کوئی ترجیحی پہلو نہ پایا جاتا ہو، افعل التفضیل کا مطلب ہی یہ ہوتا ہے کہ اس میں ترجیحی حوالہ پایا جاتا ہے، اس بنیاد پر اہل بیتؑ میں جو ترجیحی حوالہ سب سے اہم ہے وہ ان کا وجودی و عملی نسبت سے حضورؐ سے ربط ہے، اس بنیاد پر دنیا میں کوئی بھی ان کے تقابلی سلسلہ میں قرار نہیں پاسکتا، اس کے بعد حضورؐ نے ایک دعا کی اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں آٹھ چیزیں ان کے لئے طلب کیں:

(۱) جو ان سے دوستی کرے ان سے دوستی کر، اس میں دوستی کا جو حوالہ دیا گیا ہے وہ اہل دنیا کی دوستی کے معیار سے بالاتر ہے کیونکہ وہ ہستیاں اپنی ذوات مقدسہ میں روحانی حیثیتوں کی حامل ہیں، ان سے دوستی اللہ کی اطاعت کے تمام تقاضوں کو پورا کرنے کا نام ہے، اسی لئے معصومین علیہم السلام کے ارشادات میں واضح طور پر مذکور ہے کہ ہمارا محب وہ ہے جو اللہ کی اطاعت کرتا ہو، اللہ کی اطاعت کا مطلب یہ ہے کہ اس کے تمام احکام و فرامین کو عملی جامہ پہنایا جائے اور اس کے فرائض و واجبات کی ادائیگی میں اپنی تمام توانائیاں بروئے کار لائی جائیں، جو اس نے واجب کیا ہے اسے انجام دیا جائے اور جو اس نے حرام قرار دیا ہے اس سے اجتناب کیا جائے، اللہ کا اطاعت گزار بندہ ہی حقیقی معنی میں اہل بیتؑ کا دوست کہلانے کا حقدار ہے۔

(۲) اس کے بعد حضورؐ نے دعا میں یہ کہا کہ اے اللہ تو اسے ناپسند فرما جو میرے اہل بیت کو ناپسند کرے، عربی زبان میں بغض کا معنی نفرت و دشمنی کیا جاتا ہے، اور وہ محبت کے مقابل استعمال ہوتا ہے، نفرت و دشمنی کی وجوہات و اسباب جو بھی ہوں لیکن نتیجہ ایک ہی ہے یعنی کسی کو ناپسند کیا جائے، اور ناپسندیدگی کی بناء پر دشمنی و نفرت کا اظہار قولی و فعلی صورت میں سے جس طرح بھی ہو، پھر دشمنی و نفرت میں بھی شدت و کمی ہوتی ہے، اور اس کی مختلف صورتیں و حالتیں ہوتی ہیں۔ حضورؐ نے جو دعا مانگی کہ اے اللہ جو ان سے نفرت و دشمنی کرے تو بھی اس سے نفرت و دشمنی کر، تو اس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی سے مادی و معمولی امور کی بناء پر نفرت و دشمنی نہیں کرتا اور نہ ہی کوئی شخص اہل بیت سے کسی مادی و دنیاوی وجہ سے دشمنی و نفرت کرتا ہے، بلکہ ان مقدس و مطہر ہستیوں سے دوستی و دشمنی کی وجوہات خالصتہً غیر مادی ہوتی ہیں، کیونکہ ان کا کردار اللہ کی اطاعت کا

ترجمان ہوتا ہے لہذا ان سے محبت کرنے والا ان کے پاکیزہ کردار کی وجہ سے ان سے محبت کرتا ہے اور ان سے دشمنی کرنے والا بھی ان کے کردار کی پاکیزگی کی وجہ سے ان سے دشمنی کرتا ہے کیونکہ وہ برائی کا رسیا ہوتا ہے اور باطل پرستی و باطل پسندی اسے باطل خو اور باطل جو اور باطل خو بنا دیتی ہے، جس کے نتیجہ میں اسے اچھائی اور اچھوں سے نفرت ہو جاتی ہے۔

(۳۔۴) حضورؐ کی دعا کا تیسرا حصہ ولایت و عداوت کے صریح الفاظ پر مشتمل ہے، جن کے لغوی معانی دوستی و دشمنی کے ہیں، اس دعا کی معنوی و مفہومی حیثیت کے تناظر میں ولایت و عداوت کا مرادی پہلو بھی واضح ہو جاتا ہے کہ اللہ جس سے دوستی کرے اس میں کیا معنی مقصود ہو سکتا ہے اور جس سے دشمنی کرے اس میں کیا معنی مقصود قرار پا سکتا ہے؟ ظاہر ہے کہ مخلوق کی دوستی و دشمنی کا معیار و آثار خالق کی دوستی و دشمنی کے معیار و آثار میں بہت فرق ہے، اہل بیت سے دوستی کرنے والی مخلوق کا معیار مخلوقیت کے دائرے میں ہے جبکہ خالق اپنے مخصوص معیار کے مطابق اور شان ربوبی کے ساتھ دوستی و دشمنی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اہل بیتؑ سے دوستی کرنے والے کو اپنی طرف سے عزت و انعام سے نوازتا ہے اور ان سے دشمنی کرنے والے کو دوزخ کی آگ میں جلاتا ہے۔

(۵) دعا کے تسلسل میں حضورؐ نے اہل بیت کی مدد کا حوالہ دے کر عرض کیا کہ اے اللہ، جو ان کی اعانت کرے اس کی اعانت فرما، اگرچہ اس کا لفظی ترجمہ مدد کرنا ہے لیکن عربی زبان میں مدد کے لئے لفظ نصرت بھی استعمال ہوتا ہے چنانچہ حضورؐ نے مولا علیؑ کی ولایت کا اعلان غدیر کے دن کیا تو بارگاہ رب العزت میں یوں عرض کیا: **اللهم وال من والاه وعاد من عاداه ،وانصر من نصره واخذل من خذله** ، اے اللہ تو اسے دوست رکھ جو علی کو دوست رکھے اور اسے دشمن رکھ جو علی کو دشمن رکھے، اور اس کی نصرت فرما جو علی کی نصرت کرے اور اسے ذلیل کر، جو علی کو رسوا کرنا چاہے، نصرت اور اعانت میں جو باریک مفہومی فرق پایا جاتا ہے اس سے قطع نظر اس میں قدر مشترک مدد کرنا ہے، اب دیکھیں اہل بیتؑ کی مدد کرنے سے کیا مراد ہے؟ اس سلسلہ میں تفصیلی بحث کی بجائے آئمہ اطہار علیہم السلام کا وہ ارشاد گرامی قدر پیش کرنے کی سعادت حاصل کرتا ہوں جس میں انہوں نے اعانت اور مدد کرنے کا واضح معنی و مفہوم بیان فرمایا ہے: " **اعینونا**

بالورع والتقویٰ" (تم ہماری مدد واعانت کرو پرہیز گاری اور تقویٰ اختیار کر کے۔)، اس فرمان کی روشنی میں حضورؐ کی دعا کے مرادی معنی پر غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص تقویٰ و پرہیز گاری اختیار کر کے میرے اہل بیت کی مدد کرے اس کی مدد کو قبول فرما، اس کی توفیقات میں اضافہ فرما،

(۶) چھٹے حصہ میں حضورؐ نے اہل بیت کو ہر رجس سے پاک رکھنے کی استدعا کی، اس حوالہ سے رجس کی ہر قسم اور ہر صورت کا اہل بیت سے دور ہونے کا ثبوت ملتا ہے، خواہ اس کا تعلق عقیدہ سے ہو یا عمل سے ہو، زندگی کے کسی بھی شعبہ سے ہو وہ ان سے دور ہے، ان پاک ہستیوں کی وجودی نورانی شخصیات نسب وحسب دونوں حوالوں سے ہر رجس سے پاک تھیں اور انہوں نے زندگی کے کسی بھی حصہ میں نہ تو بت پرستی کی اور نہ ہی کفر و شرک و نفاق میں سے کسی کا ارتکاب کیا جو کہ اصل رجس ہے، اس سلسلہ میں آیہء تطہیر ہی کافی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اہل بیتؑ کی ہر رجس سے پاکیزگی کا واضح اعلان فرمایا، **انما یرید اللہ لیذھب عنکم الرجس اھل البیت ویطھرکم تطھیرا**۔ تمام مکاتب فکر کی معتبر و مستند کتب تفسیر و روایات واحادیث میں بیان کیا گیا ہے کہ اس آیت میں اہل بیت سے مراد حضرات محمد، علی، فاطمہ، حسن وحسین علیہم السلام ہیں۔ حضورؐ نے اپنے اہل بیت کے الفاظ سے علی و فاطمہ اور حسن وحسین مراد لئے ہیں۔

(۷) حضورؐ نے مزید وضاحت کے ساتھ اپنے اہل بیت کی عصمت کا حوالہ دیا اور خدا کے حضور انہیں ہر گناہ سے پاک قرار دینے کی دعا کی، اس حوالہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ یہ ہستیاں عصمت کی منزل پر فائز ہیں، جیسا کہ ان میں سے ہر ایک کی حیات طیبہ کا مطالعہ کرنے سے یہ مطلب یقینی صورت میں ثابت ہوتا ہے کہ انہوں نے کبھی کسی گناہ و معصیت کا ارتکاب نہیں کیا، بلکہ زندگی کا ہر لحہ اپنے خالق کی اطاعت وفرمانبرداری میں گزارا، بلکہ اس سے بھی بالاتر یہ کہ دوسروں کو اللہ کی اطاعت کی راہ پر لگاتے رہے، حضورؐ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے الفاظ میں " کل ذنب" (ہر گناہ) سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل بیت گناہ کی ہر ممکن و ہر قابل تصور قسم سے پاک ہیں، لفظ "کل" اس کی دلیل ہے، اور ان کی سیرت وعملی کردار حضورؐ کی دعا کی قبولیت کا منہ بولتا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

(۸) روح القدس کے ذریعے ان کی تائید کی دعا اہل بیتؑ کے لئے خدائی اعزازات کی فہرست میں ان کی معنوی وروحانی حیثیتوں کا مظہر ہے، روح القدس یعنی حضرت جبرائیل علیہ السلام سید الملائکہ ہیں، امین وحی ہیں، ہر نبی ورسول کے پاس اللہ کے احکامات و پیغامات پہنچانے والے ہیں، اللہ تعالیٰ نے ان پر ایمان لانا دین کی بنیادی حقیقتوں میں شامل کیا ہے، روح القدس کے حوالہ سے ارشاد ہوا کہ " **وآتینا عیسی بن مریم البینات وایدناہ بروح القدس** "(اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیں دیں اوران کی تائید روح القدس کے ذریعے کی)۔ سورہ بقرہ، آیت ۲۵۳۔ ایک آیت میں روح القدس کے ذریعے تائید کرنے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی نعمت قرار دیا اور فرمایا:" **اذکر نعمتی علیك وعلٰی والدتك اذ ایدتك بروح القدس** " (اور تو یاد کر میری نعمت کو جو میں نے تجھ پر اور تیری والدہ پر کی کہ جب میں نے تیری تائید روح القدس کے ذریعے کی)۔ سورہ مائدہ، آیت ۱۱۰۔ روح القدس کا غیبی حوالہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نعمت سے موسوم ہوا، تائید یعنی تصدیق وحمایت اور تقویت یقیناً اللہ کی نعمت ہے کہ جس سے خدائی نمائندوں کی منزلت وعظمت واضح ہوتی ہے، حضورؐ کا اپنے اہل بیت کے لئے اس طرح کی دعا کرنا ان ہستیوں کے مقام ومنزلت کی رفعت وبلندی اور عند اللہ ان کی شان وشوکت سے آگاہی دلاتا ہے۔

اس کے بعد حضورؐ نے مولا علیؑ کی طرف توجہ فرماتے ہوئے ان کے تین مقامات عالیہ ومناصب جلیلہ کا تذکرہ فرمایا اور انہیں ان الفاظ سے موسوم کیا:

(۱) تو میری امت کا امام ہے،

(۲) میرے بعد میرا خلیفہ ہے،

(۳) تو مومنین کو جنت لے جانے کی قیادت کرنے والا ہے،

پہلا جملہ امامت سے مربوط ہے، امت کی امامت کا تاج مولا علیؑ کے سر پر سجایا گیا، "میری امت" کے الفاظ سے ثابت ہوتا ہے کہ مولا علیؑ قیامت تک آنے والی نسلوں کے امام ہیں، کیونکہ حضورؐ کی نبوت قیامت تک باقی ہے اور وہ اللہ کے

آخری نبی ہیں، ان کی خاتمیت پر ایمان لانا واجب ہے، **"ماکان محمد اباحد من رجالکم ولکن رسول الله وخاتم النبیین "** (محمدؐ تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ اللہ کے رسول اور خاتم النبیین ہیں) اس واضح وصریح بیان کے بعد ختم نبوت پر ایمان لانا اللہ کی وحدانیت پر ایمان لانے کا جزء ہے کہ اس کے بغیر ایمان مکمل نہیں ہوسکتا، جب حضورؐ کی نبوت تا قیامت باقی ہے، تو اس سے ثابت ہوتا ہے کہ قیامت تک آنے والوں کو حضورؐ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے، لہذا فرمان نبویؐ سے ثابت ہوا کہ جو بھی حضورؐ کی امت میں شامل ہے اس کے امام مولا علیؑ ہیں، سلسلہء نبوت کے بعد، سلسلہء امامت کی ابتداء انہی سے ہوئی جو کہ سلسلۂ نبوت کی عملی نیابت کا منصب ہے، امامت کا منصب بہت بلند ہے اور پھر اس ہستی کی امت کی امامت کہ جو اللہ تعالیٰ کے سب سے بڑے نبی ہیں اور حبیب خدا ہیں یقیناً ہر مقام ومنصب سے بالاتر ہے، اللہ تعالیٰ نے دین کے جو اصول وفروع بھیجے وہ وحی کے ذریعے حضورؐ کے پاس آئے، اور آپؐ نے ان احکام کو امت تک پہنچایا، حضورؐ کے بعد چونکہ سلسلہء وحی ختم ہوگیا لہذا ان احکام کی تبلیغ کا مرحلہ سلسلہء امامت کے ذریعے طے ہوا، اس مقدس سلسلہ کی پہلی کڑی مولا علیؑ ہیں اور ان کے بعد یہ سلسلہ سیدہ فاطمہؑ کی نسل میں گیارہ اماموں کے پاس آیا کہ جنہوں نے اپنے اپنے دور میں اس کی متعلقہ ذمہ داریوں کو پورا کیا، اور اس سلسلہ کے آخری فرد حضرت امام مہدی علیہ السلام ہیں کہ جن کے ظہور کا انتظار ہے۔

دوسرے جملہ میں حضورؐ نے مولا علیؑ کی خلافت کا ذکر فرمایا، اس میں الفاظ کی ترتیب خاص سے ثابت ہوتا ہے کہ حضورؐ اپنی امت کے لئے اپنی طرف سے خلیفہ کے تعین کا مسئلہ واضح کرنا چاہتے تھے، تا کہ ان کے بعد ان کی امت اختلاف وانتشار کا شکار نہ ہو، یہاں یہ بات عرض کرنا ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جو نظام خلافت مقرر فرمایا ہے اس میں مخلوق کی ہدایت وسعادت کی ضمانت پائی جاتی ہے، یعنی جس ہستی کو اللہ تعالیٰ اس عظیم ذمہ داری کے لئے معین فرماتا ہے وہ یقیناً اس منصب کے لائق اور اس کی ذمہ داریوں کو پورے طور پر ادا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے، ایک اہم نکتہ قابل ذکر ولائق توجہ ہے کہ خلافت الٰہیہ اور خلافت مسلمین میں فرق ہے، پہلا منصب انتخاب خداوندی جبکہ دوسرا منصب انتخاب مخلوق پر مبنی ہے، پہلے منصب کی ذمہ داریوں کا تعین اللہ تعالیٰ کرتا ہے اور دوسرے منصب کی ذمہ داریاں لوگ معین کرتے ہیں، سب سے پہلے خلیفۃ اللہ حضرت آدم علیہ السلام ہیں، انہی سے سلسلہء خلافت کا آغاز ہوا، انہیں روئے زمین پر بھیج کر اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی ہدایت

کا انتظام کیا، اسی منصب کے تسلسل کو قائم رکھتے ہوئے حضرت خاتم الانبیاءؐ نے اللہ کے حکم سے اپنی امت کے ہادی و رہبر کا اعلان فرمایا، حضورؐ نے یہ کام اپنی مرضی و پسند سے نہیں کیا بلکہ اللہ کے حکم کی تعمیل میں انجام دیا، کیونکہ اس کا اختیار صرف اللہ کو حاصل ہے، اس کی وجہ بھی واضح ہے کہ مسئلہ خدائی دین کی تبلیغ کا ہے کسی دنیاوی امور کی انجام دھی کا نہیں لہذا اس کا فیصلہ اللہ نے کرنا ہے۔ لوگوں نے از خود اس کا فیصلہ نہیں بلکہ اس خدائی فیصلہ کی پیروی کرنی ہے۔

تیسرے جملہ میں حضورؐ نے مولا علیؑ کی اس منصبی حیثیت کا تذکرہ فرمایا جو قیامت کے دن انہیں حاصل ہوگی (**انت قائد المومنین الی الجنة**)، قیامت کے دن مومنین کو جنت میں لے جانے کی قیادت ایک عظیم اعزاز ہے، اس سے یہ حقیقت ثابت ہوتی ہے کہ مولا علیؑ انہی افراد کی قیادت فرمائیں گے جو مومن ہوں گے، وہ اسی معنی میں امیر المومنین ہیں، ایمان کی حقیقت کے بارے میں معصومین کے ارشادات واضح ہیں کہ جن میں مذکور ہے کہ "**الایمان هو الاقرار باللسان والعقد بالجنان والعمل بالارکان**"، ایمان کے تین ارکان ہیں: ا۔ زبان سے اقرار کرنا، ۲۔ زبان سے ادا کئے گئے الفاظ کو معانی کے قالب میں ڈھال کر دل میں اس کی گرہ لگانا، ۳۔ جس کا اقرار کیا اس پر اپنے اعضاء اور جسمانی قوتوں سے عمل کرنا، ان تین چیزوں کے مجموعہ کا نام ایمان ہے، جو شخص بھی ان امور کا حامل ہو وہ مومن ہے، ایسے افراد کی قیادت مولا علیؑ کریں گے اور انہیں بحکم خدا جنت میں لے جائیں گے کیونکہ جنت ایسے ہی لوگوں کا ٹھکانہ ہے، اور قسیم الجنۃ والنار ہونے کا مطلب بھی یہی ہے کہ جنت کے مستحق صالح مومنین کی قیادت کا پرچم بحکم خدا اور رسولؐ، مولا علیؑ کے ہاتھ میں ہوگا،

اپنے بیان کے تسلسل میں حضورؐ نے اپنی بیٹی فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ وہ قیامت کے دن کس شان و شوکت کے ساتھ آئیں گی، ان کے اردگرد فرشتوں کے قافلے ہوں گے، اس میں بھی حضورؐ نے سیدہؑ کے بارے میں فرمایا کہ وہ میری امت کی مومنات کو بہشت لے جانے میں قیادت کریں گی، (**تقود مومنات امتی الی الجنة**)، اس میں بھی وہی حوالہ پایا جاتا ہے جو امام علیؑ کی قیادت میں ملحوظ ہے یعنی جو خواتین اپنے ایمان کامل اور عمل صالح کی بناء پر بہشت کی مستحق ہوں گی وہ سیدہ فاطمہؑ کی قیادت میں جنت میں داخل ہوں گی، چنانچہ حضورؐ نے اس سلسلہ میں ان خواتین کی صفات بیان کر دیں کہ جن خواتین کی قیادت فاطمہ زہراءؑ کریں گی وہ کون ہوں گی، ان کی چھ صفات یہ ہیں کہ جس

میں وہ صفات پائی جائیں وہ بی بیؑ کے قافلے میں شریک ہوکر بہشت میں داخل ہوں گی:

(۱) شب وروز میں پانچ نمازیں پڑھنے والی،

(۲) ماہ رمضان کے روزے رکھنے والی،

(۳) حج بیت اللہ ادا کرنے والی،

(۴) اپنے اموال کی زکات ادا کرنے والی،

(۵) اپنے شوہر کی اطاعت کرنے والی،

(۶) میرے بعد (رسول اللہؐ کے بعد) علیؑ کی ولایت کا دم بھرنے والی۔

اس بیان سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ سیدہ فاطمہؑ کے ساتھ بہشت میں جانے والی خواتین کی ایمانی وعملی منزلت بہت بلند ہوگی، حضورؐ نے اس کے ساتھ ہی یہ ارشاد فرمایا کہ ایسی خواتین میری بیٹی فاطمہؑ کی شفاعت کے ساتھ جنت میں داخل ہوں گی کیونکہ وہ عالمین کی عورتوں کی سردار ہے، (**دخلت الجنة بشفاعة ابنتي فاطمة فانها سيدة نساء العالمين**)، ایمان وعمل صالح ہی اصل بنیاد ہے جس سے اہل بیتؑ کی قیادت وشفاعت سے بہرہ ور ہونا ممکن ہے۔ ان ہستیوں میں سے سیدہ کائنات کے بارے میں جو کچھ حضورؐ نے ارشاد فرمایا اس کی روشنی میں اس معظمہ کی نورانی شخصیت کے اہم پہلو آشکار ہوجاتے ہیں، اب دیکھنا یہ ہے کہ جو بی بیؑ مذکورہ بالا صفات کی حامل عورتوں کی سردار ہیں وہ خود ان صفات میں کس مقام پر فائز ہوں گی، تو اس حوالہ سے اتنا ہی کافی ہے رسول اللہؐ نے اس لقب سے یاد فرمایا ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ بی بیؑ ان پاکیزہ صفات میں بلندترین مقام رکھتی تھیں، کہ کوئی خاتون اُس مقام پر فائز نہ تھی، عالمین کی خواتین کی سرداری کا تاج سیدہ فاطمہؑ کے سر پر سجانے والی عظیم شخصیت کا فرمان یقیناً حقیقت ترجمان ہے۔ چنانچہ اپنے بیان کے تسلسل میں حضورؐ نے بی بیؑ کے بارے میں فرمایا کہ حضرت مریم بنت عمرانؑ اپنے زمانہ کی عورتوں کی سردار تھیں لیکن میری بیٹی اولین وآخرین میں سے تمام عورتوں کی سردار ہیں اور اس کے ساتھ حضورؐ نے یہ بھی فرمایا کہ جب وہ مصلائے عبادت پر کھڑی ہوتی ہیں تو ستر ہزار مقرب فرشتے ان پر سلام کرتے ہیں، اور ان سے وہی کہتے ہیں جو مریم بنت عمران سے کہتے تھے کہ اللہ نے آپ کو چن لیا ہے اور پاک بنایا ہے اور عالمین کی عورتوں پر منتخب فرمایا ہے، ان الفاظ میں حضورؐ نے سیدہؑ کے بارے میں

عظمتوں کی کتاب کھول دی ہے کہ جس کتاب کے ہر ورق پر فضیلتوں کے موتی بکھرے ہوئے ہیں، کہ ان میں سے جس موتی کو دیکھیں اس سے کمالات کی نورانیت سامنے آتی ہے۔

حضورؐ اپنے بیان کو جاری رکھتے ہوئے ایک بار پھر مولا علیؑ کی طرف متوجہ ہو کر سیدہؑ کے بارے میں اپنے قلبی احساسات کا اظہار اس طرح کرتے ہیں کہ فاطمہ میرا ٹکڑا ہے، اور وہ میرا نور نگاہ ہے، اور میرا میوہء دل ہے، ان عظیم و پاکیزہ القابات و اعزازات بلکہ نورانی حقائق کی بنیاد ان ہستیوں کی نورانی وجودی عظمتیں ہیں جن کا اظہار مختلف انداز اور گوناگوں الفاظ میں ہوتا ہے، اگر ان حقائق کی گہرائیوں میں جائیں تو معلوم ہوتا ہے کہ ان سب میں ایک نورانی وحدت کی عملداری ہے جس کا تعلق حقیقت نورانیہء محمدیہ سے ہے۔ یہ سب اس حقیقت کا پرتو ہیں، اسی کی جمالی صورتیں ہیں، اسی کی کمالی شکلیں ہیں، اسی کی جلالی ادائیں ہیں، اسی کی وجودی شعائیں ہیں۔

حضورؐ نے سیدہؑ ہی کو اپنی خوشی و ناخوشی کا معیار قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ جو کچھ اسے ناخوش کرتا ہے وہی مجھے ناخوش کرتا ہے اور جو کچھ اسے خوش کرتا ہے وہی مجھے خوش کرتا ہے، اس عظیم معیار کی بنیاد اور اس کے آثار کے دائرہ کی وسعت پر غور کریں تو معلوم ہو جاتا ہے کہ اللہ کے بعد کائنات کی سب سے بڑی ہستی نے جس شخصیت کی خوشی و ناخوشی کو اپنی خوشی و ناخوشی کا معیار قرار دیا ہے وہ اللہ کے نزدیک اور رسول اللہؐ کے نزدیک کس قدر عظیم ہوگی۔ اس ہستی کو اگر رسول اللہؐ اپنے باپ کی ماں کہیں تو اس اعزاز کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے، ماں کے ساتھ تمثیل میں خوشی و ناخوشی کا حوالہ اپنی معنوی حیثیت ظاہر کرتا ہے، حضورؐ نے اس بیان میں حرف ''ما'' ذکر فرمایا ہے جبکہ بعض روایات میں لفظ ''من'' مذکور ہے، اگر ان دونوں بیانات کو یکجا کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ شخص و شخصیت کے ساتھ ساتھ عمل و کردار بھی ملحوظ ہے یعنی ہر وہ شخص اور ہر وہ کام جو بی بیؑ کی خوشی کا باعث ہو وہ رسول اللہؐ کی خوشی کا باعث ہے، اور ہر وہ شخص اور ہر وہ کام جس سے بی بیؑ ناخوش ہوں وہ رسول خداؐ کی ناخوشی کا باعث ہے، اس جامع اصول اور قاعدۂ کلیہ کی بناء پر سیرت النبیؐ اور تاریخ کی کتب کا مطالعہ کیا جائے تو حضورؐ کی خوشی و ناخوشی کے موارد سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے اور ان کے اسباب و عوامل بھی معلوم ہو سکتے ہیں۔

حضورؐ نے ایک غیبی خبر بھی دی کہ جس سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد اپنی عملی صورت میں سامنے

آیا ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہی عالم الغیب ہے:

(عالم الغیب والشهادة هو الرحمن الرحیم)۔ سورہ حشر، آیت ۲۲۔

بلکہ وہ علام الغیوب ہے **(الم یعلموا ان الله یعلم سرهم ونجواهم ،وان الله علام الغیوب)**۔ کیا وہ نہیں جانتے کہ اللہ ان کے پوشیدہ اور باہمی راز داری کو جانتا ہے اور یہ کہ اللہ غیبوں سے بخوبی آگاہ ہے۔ سورہ توبہ، آیت ۷۸۔

لیکن اس نے قرآن مجید میں صاف الفاظ میں ارشاد فرمایا ہے کہ وہ غیب کا علم رکھتا ہے اور کسی کو اپنے غیب سے آگاہ نہیں کرتا سوائے اس رسول کے کہ جسے پسند کرلے،

(عالم الغیب ،فلا یظهر علیٰ غیبه احدا،الا من ارتضیٰ من رسول)

۔ سورہ جن، آیت ۲۶۔

لیکن حضورؐ نے سیدہ فاطمہؑ کے بارے میں فرمایا: وہ میرے اہل بیت میں سے سب سے پہلے مجھے ملحق ہوگی:

(وانها اول من یلحقنی من اهل بیتی)

حضورؐ کا یہ بیان دیگر متعدد مقامات پر مختلف الفاظ کے ساتھ مذکور ہے۔

چنانچہ تاریخ اس بات کی گواہی دیتی ہے کہ سیدۂ کائنات" حضورؐ کی رحلت کے بعد زیادہ دیر زندہ نہیں رہیں، اور اہل بیت میں سے سب سے پہلے حضورؐ سے جاملیں، موت کا علم تو اللہ ہی کو ہے اور یہ بات اللہ کے علم غیب سے تعلق رکھتی ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے سیدہؑ کی رحلت کے بارے میں مخصوص الفاظ میں آگاہ کیا کہ جو ایک میدانی حقیقت ثابت ہوا، سالوں اور مہینوں بھی نہیں بلکہ دنوں میں رسول زادیؑ اپنے پدر بزرگوار سے ملحق ہوگئیں، اٹھارہ برس کی عمر میں بی بیؑ کا انتقال ہوگیا، اس سے حضورؐ کی غیبی خبر کا ثبوت مل گیا۔

امام حسنؑ وحسینؑ: گلشن رسالتؐ کے دو پھول

حضورؐ نے اپنے بیان میں جہاں مولا علیؑ اور سیدہ فاطمہؑ کی عظمتوں کا اظہار فرمایا وہاں امام حسنؑ وامام حسینؑ کے بارے میں اشاراتی تذکرہ کرتے ہوئے یوں ارشاد فرمایا: حسن وحسین میرے دو بیٹے ہیں اور میری خوشبو ہیں۔ میرے گلشن کے دو پھول ہیں۔ اور وہ دونوں جوانان جنت کے سردار ہیں، رسول اللہؐ نے نواسوں کو بیٹے کہا تو اس سے حضورؐ کی ذریت و نسل کے وجودی تسلسل کا ثبوت ملتا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی نسل کا تسلسل آپؐ کی بیٹی کے ذریعے قائم کیا، جو کہ حضورؐ کی خصوصیات اور سیدہؑ کے اعزازات کا حصہ ہے، ہر نبی بلکہ ہر شخص کی ذریت اس کے بیٹوں سے چلتی ہے لیکن سیدالانبیاءؐ کی نسل آپؐ کی بیٹی سے چلی، اور قیامت تک آنے والی اولاد سیدہؑ، اولاد رسولؐ کہلائے گی۔

اپنے سلسلۂ بیان کو جاری رکھتے ہوئے حضورؐ نے اولاد پر باپ کے حقوق کا تذکرہ فرماتے ہوئے امام حسنؑ وحسینؑ کے بارے میں کہا کہ ان پر لازم ہے کہ وہ آپؑ (علی) کی عزت واکرام کریں، اور آپ کے تابع رہیں جس طرح کان اور آنکھیں انسان کے ارادہ کے تابع ہوتی ہیں، اس بیان میں حضورؐ نے ایک عظیم دستور العمل سے آگاہی دلائی ہے کہ اولاد خواہ جس مقام ومرتبہ پر فائز ہو اس پر باپ کی اطاعت واجب ہے، حقوقی نظام کی اصولی بنیادوں کی وضاحت کرتے ہوئے رسول اللہؐ نے اپنے اہل بیت میں سے تین اماموں کے درمیان پائے جانے والے تعلق کے تناظر میں جو فرمان جاری کیا اس سے قیامت تک آنے والی نسلوں کو عملی اصول زندگی سے آگاہی مل گئی۔

اللہ کے حضور گواہی

اپنے بیان کے اختتامی حصہ میں حضورؐ نے ایک بار پھر اللہ تعالیٰ سے مخاطب ہو کر گواہی دی کہ جو اہل بیت سے محبت کرے حضورؐ اس کے محبّ ہیں، اور جو اہل بیت سے دشمنی کرے حضورؐ اس کے دشمن ہیں، جو اہل بیت سے مسالمت کا سلوک کرے تو حضورؐ اس سے مسالمت کا برتاؤ کرتے ہیں، جو اہل بیت سے جنگ کرے تو حضورؐ اس سے جنگ کرتے ہیں، حضورؐ اس کے دوست جو اہل بیت کا دوست، اور حضورؐ اس کے دشمن جو اہل بیت کا دشمن۔ گویا حضورؐ نے تمام وہ امور ذکر فرمائے جو

عموماً انسانی زندگی میں موردِ توجہ قرار پاتے ہیں، دوستی و دشمنی، محبت و عداوت، صلح و جنگ۔ لیکن ان تمام امور میں مخصوص حوالے ہوتے ہیں، مخصوص معیار ہوتے ہیں، مخصوص اسباب ہوتے ہیں، مخصوص اہداف و مقاصد ہوتے ہیں، لہٰذا اہل بیتؑ کی بابت ان امور کی حیثیت عام افراد کے مادی معیاروں جیسی نہیں ہوسکتی، کیونکہ ان کی شخصیات مادی و معمولی امور کے مخصوص معیاروں سے بالاتر ہیں، ان سے دوستی و دشمنی اور محبت و عداوت ان کی روحانی و نورانی سیرت و کردار کے حوالہ سے ہوتی ہے، جو لوگ اللہ اور اس کے دین سے محبت کرتے ہیں وہ ان سے بھی محبت کرتے ہیں اور جو اللہ اور اس کے دین کو پسند نہیں کرتے وہ اہل بیتؑ کو بھی پسند نہیں کرتے، اسی طرح جو لوگ اللہ کے مقررہ اصولِ حیات سے منحرف ہو کر اپنے قیاس اور مخصوص مقاصد کو بنیاد بناتے ہیں وہ ان ہستیوں سے جنگ کرتے ہیں۔ اہل بیتؑ کی تاریخ اس حقیقت کی گواہی دیتی ہے کہ ان پاک و مقدس ہستیوں نے ہمیشہ اللہ کی بات کی، اللہ کے دین کی بات کی، اللہ کا پیغام لوگوں تک پہنچایا، انہوں نے جس سے بھی محبت کی اس میں اللہ سے محبت ہی اصل و اساس قرار پائی، اور اگر کسی سے نفرت کی تو اس میں بھی اللہ ہی دین کی تعلیمات کو معیار بنایا، اگر کسی سے صلح کی تو صرف اس لئے کہ اللہ کے دین پر حرف نہ آئے اور مدِ مقابل خدا کے دین کو نقصان نہ پہنچا سکے، اگر کسی سے جنگ کی تو اسی مقصد کی خاطر کہ اللہ کا دین بچ جائے، جیسا کہ جنگ بدر، احد، خندق، خیبر، جمل، صفین، نہروان، کربلاء کے واقعات و سانحات اس کی گواہی دیتے ہیں۔

اس جامع بیان میں نہ صرف یہ کہ اہل بیت کی عظمتیں واضح ہوئیں بلکہ قیامت تک آنے والی نسلوں کو سعادت مند زندگی کے سعادت آفرین اصولوں سے آگاہی ملی اور سیدہ فاطمہ زہراء سلام اللہ علیہا کا مقام و منزلت، زبانِ وحی ترجمان سے آشکار ہوگئی، حضورؐ کے فرمان کی روشنی میں اس عظیم راز سے اشاراتی آگاہی حاصل ہوتی ہے جو بی بیؑ کے وجودِ اقدس میں ودیعت کیا گیا ہے، کہ جس کے توسل سے اللہ تعالیٰ محتاجوں کی دعائیں سنتا اور انہیں شرف قبولیت عطا فرماتا ہے۔

چوتھا باب

بیٹیؑ نے باپؐ کے بارے میں فرمایا:

اس حصہ میں سیدہ ءکائناتؑ کے مشہور و معروف خطبہ سے اقتباس ذکر کیا جاتا ہے جس میں آپؑ نے اپنے پدر بزرگوار سید کائناتؐ کے بارے میں اپنے قلبی احساسات کا اظہار فرمایا

بیٹیؑ نے باپؐ کے بارے میں فرمایا

محمدؐ، رسول اللہ

جس طرح حضرت سید کائنات خاتم الانبیاء محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی عظیم بیٹی سیدہ ء کائنات فاطمۃ الزھراء سلام اللہ علیھا کے بارے میں نہایت بلند پایہ صفات و کمالات کا تذکرہ فرمایا اور اپنی امت کو سیدہ ء عالمؑ کی شخصیت سے آگاہی دلائی اسی طرح سیدہ ء کائناتؑ نے جہاں عملی طور پر اپنے عظیم باپ اور اللہ کے بعد کائنات میں سب سے بڑی شخصیت حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں اپنے باطنی احساسات کا ثبوت دیا وہاں بیان و اظہار میں بھی آنحضرتؐ کی عظمت کو آشکار فرمایا۔ اس مقام پر اختصار کو ملحوظ رکھتے ہوئے ہم سیدہ ء کائناتؑ کے اس خطبہ سے اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتے ہیں جو بی بیؑ نے دربارِ خلافت میں اپنے مسلم حق فدک اور وراثت کے اثبات میں دیا اور اس میں بی بیؑ نے اہل دربار کو خدا کا خوف یاد دلاتے ہوئے اپنے حق کا مطالبہ کیا، جس میں آپ نے نہایت ٹھوس دلائل کے ساتھ اپنی حقانیت و صداقت کا اظہار فرمایا۔ مگر افسوس کہ اہل دربار نے سیدہ ء کائناتؑ کو جھٹلا دیا اور اس عظیم ہستی کو روتا ہوا گھر واپس جانے پر مجبور کر دیا جسے حضورؐ نے ''صدیقہ'' و ''طاہرہ'' کہا تھا اور جس کے احترام میں کھڑے ہو جاتے تھے۔ نجانے کتنی دیر تک دربار میں کھڑی رہیں اور کسی نے ان پر کوئی رحم نہ کیا۔ تاریخ اس تلخ اور دل ہلا دینے والے سانحہ کے بارے میں حقائق سے بھری ہوئی ہے۔ فدک کا واقعہ، اسلام بلکہ انسانیت کی تاریخ کا سانحہ ہے اس کی تفصیلات کا ذکر کرنے کی بجائے ہم سیدہ ء کائناتؑ کے خطبے سے صرف انہی چند الفاظ کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں جن میں مخدومہء کونینؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عظیم شخصیت کے بارے میں یوں ارشاد فرمایا: (از کتاب، من فقہ الزہراء (ع)، آیۃ اللہ شیرازی۔ رہ۔)

" و اشھد ان ابی محمدا عبده و رسوله، اختاره قبل ان یجتباه، واصطفاه

قبل ان ابتعثه، و سماه قبل ان يستجيبه، اذ الخلائق بالغيب مكنونة، و بستر الاهاويل مصونة، و بنهاية العدم مقرونة، علما من الله تعالىٰ بمايلى الامور واحاطة بحوادث الدهور، ومعرفة بمواقع المقدور، ابتعثه الله اتماما لا مره، وعزيمة علىٰ امضاء حكمه، وانفاذاً لمقادير حتمه، فرأى الامم فرقاً في اديانها، عكفاً علىٰ نيرانها، عابدة لاوثانها، منكرة لله مع عرفانها، فانار الله بابي محمد (ص) ظلمها، وكشف عن القلوب بهمها، وجلى عن الابصار غممها، وقام في الناس بالهداية فانقذهم من الغواية و ابصرهم من العماية، وهداهم الى الدين القويم ودعاهم الى الطريق المستقيم، ثم قبضه الله قبضة رأفة و اختيار و رغبة وايثار، فمحمد (ص) من تعب هذه الدار في راحة قدحف بالملائكة الابرار و رضوان الرب الغفار و مجاورة الملك الجبار، صلى الله علىٰ ابى نبيه و امينه، و خيرته من الخلق وصفيه و السلام عليه و رحمة الله و بركاته،

اور میں گواہی دیتی ہوں کہ میرے والد بزرگوار محمد (ص) خدا کے بندے، اور اس کے پیغامبر ہیں، خداوند عالم نے روز اول سے انہیں پیغمبری کیلئے منتخب کرلیا تھا اور رسالت عطا کرنے سے پہلے ہی انہیں بہترین عالم قرار دیا، اور نبوت عطا کرنے سے پہلے انہیں نبوت کے منصب کے لئے نامزد کردیا، اور یہ امور ان کی مشیت وارادہ میں پہلے ہی تکمیل پا چکے تھے۔ جب پوری کائنات غیب کے پردوں میں چھپی ہوئی تھی اور نہایت دشوار گزار راستوں میں پھنسی ہوئی تھی اور نیستی کی حدود تک جا پہنچی تھی تو خداوند عالم نے صورتحال کو خوب جان کر اور اس کی احتیاجات سے بھرپور آگاہ ہوتے ہوئے اپنا فرمان اور حکم ناطق جاری کرنے کی غرض سے میرے پدر بزرگوار کو اپنے پیغامات کا امین اور اپنی طرف سے منصب کی ذمہ داریوں کا اہل بنایا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنی لامتناہی حکمت اور اعلائے کلمہ حق کی غرض سے خلعتِ رسالت پہنایا، میرے پدر بزرگوار نے عبرتگاہِ دنیا میں آکر تمام لوگوں اور سابقہ انبیاء الہی کی امتوں کو بے جان بتوں کی پرستش میں محو اور تفرقہ کی آگ کے شعلوں کی زد میں آئے

ہوئے اور خدائے حقیقی کی پہچان کے باوجود اس سے منہ موڑے ہوئے پایا۔ اس حال میں اللہ تعالیٰ نے میرے پدر عالیقدر کے ذریعے اندھیروں کو اجالا بنا دیا اور دنیا کی محبت میں اسیر لوگوں کے دلوں سے شک وگمان وغیرہ کے پردوں کو دور کر دیا اور ان کی نگاہوں پر پڑے ہوئے حجابہائے باطل کو ہٹا دیا۔ پھر جب میرے پدر بزرگوار کا دل تماشہ گاہِ دنیا سے اٹھ گیا تو انہی کی رضا وخوشنودی کے مطابق اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے پاس بلالیا اور فرشتگانِ رحمت کے حلقہ میں جاگزین کر کے اپنی رضا و خوشنودی سے سرفراز فرمایا، اپنے سایہ عنایت میں جگہ دی، اللہ کی رحمت کا سایہ ہو میرے پدر بزرگوار پر کہ جو اللہ کے نبیؐ، اور اس کے امین تھے اور پوری کائنات میں اس کے پسندیدہ وبرگزیدہ تھے، ان پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت ہو اور اس کی برکتیں ان پر ہوں۔

اس بیان میں سیدۂ کائناتؑ نے اپنے پدر بزرگوار حضرت محمد مصطفیٰؐ کی عظیم شخصیت کا تعارف اپنی طرف سے گواہی دینے کی صورت میں کروایا کہ وہ اللہ کے عبد اور اس کے پیغامبر ہیں۔ عبدیت کا مقام ومرتبہ ہر منصب سے بالاتر ہے اس لئے سیدۂ کائناتؑ نے اس کا تذکرہ پہلے فرمایا۔ اس کی قرآنی مثالیں کثیر ہیں:

سورہ بقرہ آیت ۲۳:

"وان کنتم فی ریب مما نزلنا علیٰ عبدنا فاتوا بسورة من مثله"،

(اگر تمہیں شک ہو اس چیز کے بارے میں جو ہم نے اپنے عبد پر نازل کی ہے تو اس کی ایک سورت جیسی سورت بنا کر لے آو)۔

سورہ کہف، آیت ۱:

"الحمد لله الذی انزل علیٰ عبده الکتاب"،

(ہر حمد اللہ کے لئے ہے جس نے اپنے عبد پر کتاب نازل کی)۔

سورہ اسراء آیت ۱:

"سبحان الذی اسریٰ بعبده لیلا من المسجد الحرام الی المسجد الاقصیٰ الذی بارکنا حوله"،

(پاک ہے وہ ذات جس نے اپنے عبد کو راتوں رات مسجد الحرام سے اس مسجد اقصیٰ تک کی سیر کرائی جس کے اردگرد کو ہم نے بابرکت بنایا ہے)

سیدہء کائنات سلام اللہ علیہا نے آنحضرتؐ کی امتیازی صفت وخصوصیت کا تذکرہ اس طرح فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں نبوت ورسالت کی ذمہ داریوں کیلئے اس وقت منتخب فرمایا جب وہ ظاہری خلعت وجود میں ملبوس نہ تھے اور اس وقت پوری کائنات وادیء عدم میں تھی، یہ وہی بات ہے جس کا حوالہ حدیث قدسی میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **لو لاك لما خلقت الا فلاك**، کہ اے میرے حبیبؐ! اگر تو نہ ہوتا تو کائنات میں کچھ بھی خلق نہ کرتا، موجودات عالم اس وقت عدم کی تاریکی میں تھیں اور کوئی چیز وجود کی نعمت سے بہرہ ور نہ تھی تو اللہ تعالیٰ نے حضورؐ کو نبوت ورسالت کی عظیم ذمہ داریاں سونپنے کیلئے نامزد فرمایا، یہ آنحضرتؐ کی عظیم امتیازی خصوصیات اور اختصاصی صفات میں سے ہے کہ کائنات کا وجود میں آنا آنحضرتؐ کے فیض وجود کا مرہون منت ہے۔ اس حدیث کا تتمہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر آپؐ نہ ہوتے تو کائنات میں کچھ نہ بناتا، اگر علیؑ نہ ہوتے تو آپؐ کو خلق نہ کرتا اور اگر فاطمہؑ نہ ہوتیں تو آپ دونوں کو پیدا نہ کرتا، اس میں فضیلتی برتری کا حوالہ ہرگز ملحوظ نہیں بلکہ منصبی اہداف کی پاسداری کے تسلسل کی خدائی ضمانت ملحوظ ہے۔ سیدہ کا وجود اصل ہے، مولا علی کا وجود کفو الاصل ہے اور حضورؐ کا وجود اصل الاصل یا اصالۃ الاصل ہے۔

وجودِ مصطفیٰؐ وجہ وجودِ کائنات

آنحضرتؐ کائنات کے وجود میں آنے کی وجہ فیض ہیں۔ امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام آنحضرتؐ کی نیابت میں آپؐ کے مقدس خدائی مشن کی تبلیغ کرنے اور اسے تحفظ دینے والے ہیں اور سیدہؑ کائناتؑ ان دونوں ہستیوں کے اہداف کے تسلسل میں اپنی ذریت طاہرہ کے ذریعے عملی پاسداری کی علامت ہیں۔ یہ سب تسلسلی سلسلے اپنی مخصوص وجودی خصوصیات کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی مخلوق پر اس کی خاص عنایات ہیں۔ چنانچہ سیدہؑ کائناتؑ نے اپنے بیان میں حضورؐ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے امور کی تکمیل کیلئے مبعوث فرمایا۔ بعثت اور اصل منصب

رسالت کی سپردگی دو الگ امور ہیں، آنحضرتؐ قبل از خلق، نبوت کے عظیم مقام پر فائز تھے کہ جس کا اظہار آپؐ نے ان الفاظ میں فرمایا:

"کنت نبیا و آدم بین الماء والطین"۔

(میں اس وقت نبی تھا کہ ابھی آدم پانی اور مٹی کے درمیان میں تھے)۔ یعنی ابھی خلق نہیں ہوئے تھے۔

اور جب اللہ تعالیٰ نے چاہا تو انہیں مبعوث فرمادیا یعنی بھیجا اور اپنے پیغامات واحکامات کی تبلیغ کیلئے مامور کردیا، اس کے بعد سیدہؑ کائناتؑ نے حضورؐ کے لئے جو الفاظ استعمال کئے ان میں آنحضرتؐ کی طرف سے ان تمام ذمہ داریوں کی بطور احسن ادائیگی کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انہیں عطا کیں، چنانچہ سیدہؑ کائناتؑ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے میرے باباؐ کے ذریعے لوگوں کے دلوں کے ابہامات دور کردیئے اور ان کی آنکھوں پر پڑے ہوئے حجابات باطل مٹادیئے۔ صرف یہی نہیں بلکہ لوگوں کو حق وحقیقت کی راہ پر لا کھڑا کیا، یہ وہ عظیم صفت ہے جس کا ذکر سیدہؑ کائناتؑ نے اپنے بیان میں فرمایا کہ حضورؐ نے بتوں کے پجاریوں کے دلوں سے باطل کی ظلمت دور کرکے اس کی جگہ حق کا نور بھردیا اور انہیں حق کے سیدھے راستہ پر لاکر اللہ تعالیٰ کی رسالت کے فرائض پورے کئے، یہی وہ کام تھا جس کیلئے اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مبعوث فرمایا تاکہ لوگوں کو باطل کے اندھیرے سے نکال کر حق کی روشنی کی طرف لے آئیں۔ جیسا کہ اس کا اشاراتی تذکرہ سورہ جمعہ کی پہلی آیات میں اس طرح ہوا:

"ھو الذی بعث فی الامیین رسولاً منھم یتلوا علیھم آیاته و یزکیھم و یعلمھم الکتاب والحکمة وان کانوا من قبل لفی ضلال مبین"۔

(وہ اللہ ہے کہ جس نے مکہ والوں میں ایک رسول، انہی میں سے بھیجا جو ان کے سامنے آیات الٰہی کی تلاوت کرتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے، اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے)۔

سیدہؑ کائناتؑ نے قرآنی آیات کی تائید وتصدیق اور توضیح وتفسیر میں حضورؐ کی ادائے رسالت میں اپنی طرف سے تمام تر ذمہ داریاں پوری کردینے کا اظہار فرمایا، تاریخ اس حقیقت کی زندہ گواہ ہے کہ سیدہ کائناتؑ سے زیادہ کون آنحضرتؐ کی پاکیزہ صفات بیان کرسکتا ہے۔ یہ کام سیدہؑ کائناتؑ اور مولائے کائناتؑ کے علاوہ کوئی نہیں کرسکتا، یا پھر وہ ہستیاں یہ کام

کر سکتی ہیں جو اس مقدس ومطہر سلسلہ کی کڑیاں ہیں یعنی آئمہ معصومین علیہم السلام۔

اپنے سلسلہء بیان کو جاری رکھتے ہوئے سیدہ کائناتؑ نے ایک بار پھر اپنے پدر بزرگوارؐ کے بارے میں یہ الفاظ ذکر فرمائے:

" فبلّغ الرسالة صادعاً بالنذارة، مائلاًعن مدرجة المشركين، ضارباً ثبجهم، آخذاً باكظامهم، داعياً الٰی سبيلِ ربہٖ بالحكمة و الموعظة الحسنة، يجف الاصنام و ينكث الهام، حتی انهزم الجمع و ولوا الدبر، حتی تفری الليل عن صبحه و اسفر الحق عن محضہٖ، و نطق زعيم الدين و خرست شقاشق الشياطين، و طاح و شيظ النفاق، وانحلت عقد الكفر و الشقاق، وفهمتم كلمة الاخلاص فی نفرمن البيض الخماص، و كنتم علٰی شفاحفرة من النار، مذقة الشارب و نهزة الطامع و قبسة العجلان و موطیء الاقدام، تشربون الطرق و تقتا نون القد، اذلة خاسئين، تخافون ان يتخطفكم الناس من حولكم فانقذكم اللّٰه تبارك و تعالٰی بمحمد (ص)،

(میرے پدر بزرگوارؐ نے اپنی منصبی ذمہ داریوں کو پورا کیا اور اپنے پروردگار کی رسالت کی پورے طور پر تبلیغ کی، اپنی نبوت کو تم پر واضح کیا اور مشرکوں کا بھرپور مقابلہ کیا، ان کے قبیلوں پر خدائی طاقت کا مظاہرہ کیا، ان کے خودساختہ خداؤں اور بت خانوں کو مسمار کر دیا، ان کے سرکشوں کی گردنیں اڑائیں اور ان پر بھرپور دلائل کے ذریعے حجت تمام کر دی، وعظ ونصیحت کے ذریعے ان کے دلوں کی تسکین کا سامان کیا، ان کے باطل اجتماع کو پراکندہ کیا، ان کے نامور بہادروں کو رام کیا، یہاں تک کہ دین الٰہی کی صبح نمودار ہوئی اور کفر کی تارو تاریک شب ڈھل گئی، حق کا جمال جاں آرا روشن ہوا، اہل دین مسند ہدایت پر بیٹھے اور شیطان کے ساتھی پسپا و ذلیل ہوئے، منافق ہلاک اور رسوا ہوئے اور کفر وشقاق کی تاریکی چھٹ گئی، محبت و اخلاص

کے کلمات پورے ہوئے اور دین اسلام کے احکام عام ہو گئے۔ اور تم لوگ اپنے کفر و شرک کی وجہ سے قعر جہنم کے کنارے پر پہنچے ہوئے تھے اور دنیا بھر سے ذلت و خواری کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے، ہر شخص تم پر حکومت کرنے کے لالچ میں مبتلا تھا اور اپنی اطاعت کا پاؤں تمہارے مغرور سروں پر دھرے دیتا تھا اور تمہاری املاک و اموال کو غارت کرنے کو پانی پی لینے اور آگ لگا دینے سے بھی زیادہ آسان سمجھتا تھا، تم لوگ ہی ہو کہ وہی بدبودار پانی پیتے تھے جس میں اونٹ کی مینگنیاں اور پیشاب کی نجاست مخلوط ہوتی تھی، بکریوں کی گھاس، درختوں کی پتیاں اور چھالیں تمہاری غذا تھی، تم نہایت ذلت و حقارت کے ساتھ زندگی بسر کرتے تھے، تمہیں ہمیشہ یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں بیرونی دشمن تم پر حملہ آور نہ ہو جائے اور تمہارے مال و دولت پر قبضہ نہ کرے، اس حالت میں اللہ تعالیٰ نے میرے پدر بزرگوارؐ کی برکت سے تمہیں ہلاکت و تباہی سے نجات عطا کی اور تمہیں مصیبت و بلاؤں سے چھٹکارا دلایا)۔

حقائق کی تصویر کشی

سیدۂ کائناتؑ نے اپنے سلسلہ بیان میں تاریخ کے حقائق کی تصویر کشی کرتے ہوئے ایک بار پھر اپنے پدر بزرگوارؐ کے عظیم کردار کو آشکار کیا اور یوں فرمایا:

بعد اللتيا و التي، وبعد ان مني ببهم الرجال و ذؤبان العرب و مردة اهل الكتاب، كلما اوقدوا ناراً للحرب الطفاها الله، وان نجم قرن الشيطان او فغرت فاغرة من المشركين، قذف اخاه في لهواتها، فلا ينكفيء حتى يطأ جناحها باخمصه و يخمد لهبها بسيفه، مكدوداً في ذات الله، مجتهداً في امر الله، قريباً من رسول الله، سيدا في اولياء الله، مشمراً ناصحاً، مجداً، كادحاً، لا تأخذه في

اللّٰہ لومۃ لائم، و انتم فی رفاھیۃ من العیش، وادعون فاکھون امنون، تتربصون بنا الدوائر، و تتوکضون الاخبار و تنکصون عند النزال، و تفرون من القتال، فلما اختار اللّٰہ لنبیہٖ دار انبیائہٖ و مأوی اصفیائہٖ، ظھر فیکم حسکۃ النفاق و سمل جلباب الدین و نطق الغاوین و نبغ خامل الاقلین و ھدر فنیق المبطلین۔۔۔"،

اس سب کچھ کے بعد اور بعد اس کے کہ بڑے بڑے شجاعان عرب اور اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ کے وحشی صفت خونخواروں سے تمہارا سامنا ہوا اور انہوں نے جب بھی جنگ کی آگ بھڑکائی تو اللہ نے اسے بجھا دیا اور اس کے شعلوں کو ٹھنڈا کر دیا، اور پھر جب ان شیطانوں نے اپنی فتنہ انگیزی کا سر نکالا یا مشرکین نے کسی نئے فساد کی راہ لی تو میرے پدر بزرگوارؐ نے اپنی بھائی علیؑ کو اس تہلکہ و مہلکہ کا مقابلہ کرنے کے لئے بھیج دیا اور انہوں نے اس وقت تک میدان کارزار نہ چھوڑا جب تک دشمنوں کے سروں کو کچل نہ دیا اور اس وقت تک لڑتے رہے جب تک اعداء اسلام کے سرہائے مغرور کو اپنے قدموں پر گرا ہوا نہ دیکھ لیا، اور اپنی تلوار کی قوت سے ان کے فتنہ و فساد کا قلع قمع نہ کر لیا، وہ اپنی جان جوکوں میں ڈالے رہے اور اعلائے کلمہ ء حق کا بھرپور اہتمام کرتے رہے، وہ ہر حال میں امر الٰہی کی تعمیل پر آمادہ نظر آئے اور ہمیشہ رسول اللہؐ کے ساتھ ساتھ رہے، ایسا کیوں نہ ہوتا، آخر وہ اولیاء اللہ کے سردار، اطاعت الٰہی پر کمر بستہ، امت کے خیر خواہ اور ایثار شعار تھے، وہ اللہ کی بابت کسی دشمن کی پرواہ نہ کرتے تھے، جبکہ تم سب اپنی عیش و عشرت کے نشہ میں غرق تھے اور بے خطر زندگی کی راحتوں سے لطف اندوز ہوتے تھے، تم ہمیشہ اسی انتظار میں رہتے تھے کہ ہم کب کس مصیبت میں مبتلا ہوتے ہیں، اور ہمارے بارے میں تکلیف دہ خبریں سننے کی راہ تکتے تھے، تم ہمیشہ جنگ سے فرار کی راہ اپناتے تھے، پھر جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو اپنے انبیاء و اوصیاء کرام کے ساتھ ملحق کر دینے کا فیصلہ کر لیا (ان کی ظاہری مدت حیات پوری ہوگئی اور وہ انتقال فرما گئے) تو تم میں نفاق کے چھپے ہوئے کانٹے ظاہر ہو گئے، دین کے پردے چاک ہو گئے، گمراہوں کو بولنے کا موقع مل گیا اور ذلیل ترین لوگوں کی زبانیں کھل گئیں، اہل باطل کے اونٹ بلبلانے لگے.....،

اپنے بیان میں سیدۂ کائناتؑ نے اپنے پدر بزرگوارؐ کے اہم ترین اقدامات کا تذکرہ فرما کر آنحضرتؐ کی سیرت و کردار کی بلندی کو آشکار کر دیا، یہاں سیدۂ کائناتؑ کے خطاب و بیان کی تشریح ہمارا مقصود نہیں، اس لئے آپؑ کے خطاب کے دیگر موضوعات سے قطع نظر ہم صرف انہی الفاظ کے تذکرہ پر اکتفاء کرتے ہیں جن میں سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا نے سید کائنات سلام اللہ علیہ وآلہ الطاہرین کی عظمت کا اظہار فرمایا ہے، اگرچہ اس خطبہ کے تسلسل میں بی بیؑ نے مختلف حوالوں سے اپنے پدر بزرگوارؐ کا تذکرہ جمیل فرمایا اور آنحضرتؐ کے حوالہ سے مربوطہ مسائل پر اظہار نظر فرمایا لیکن ان تمام مطالب سے قطع نظر اگر ہم صرف انہی امور کی طرف توجہ کریں جن میں آپؑ نے حضورؐ کی توصیف کی تو واضح طور پر معلوم ہوتا ہے کہ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کے ارشادات میں حضرت رسول خداؐ سے نسبی نسبت ملحوظ نہ تھی بلکہ حقائق کی تصویر کشی مطلوب تھی، یہ بعینہ وہی طرز عمل ہے جو خود رسول خداؐ نے اپنی عظیم دختر نیک اختر سیدۂ کائناتؑ کی توصیف میں اپنایا۔ سیدۂ کائنات سلام اللہ علیہا کا خطبہ، فریقین کے جید و مستند علماء و محدثین نے اپنی کتب میں درج کیا ہے، سواد اعظم کے جن نامور محققین نے کلی یا جزئی طور پر یہ خطبہ ذکر کیا ان میں یہ حضرات شامل ہیں:

سبط ابن جوزی (تذکرہ خواص الامہ)،

زمخشری (فائق اللغات، لفظ "لمہ" کے ذیل میں،

اثیر جزری (نہایۃ الاصول)،

ابن ابی الحدید،

امام جوہری اور بعض دیگر حضرات،

بہر حال دونوں عظیم و کریم اور جلیل و نبیل ہستیوں کے بیانات کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان معصوم ہستیوں کو جو اعلیٰ ترین صفات و کمالات عطا فرمائے وہ اپنی مخلوق میں سے کسی کو عطا نہیں کیئے،

ہمارا سلام ہو اس عظیم باپ پر جو اپنی عظیم بیٹی کو "ماں" کے عظیم نام سے پکارتا تھا،

ہمارا سلام ہو اس عظیم بیٹی پر جس نے اپنے عظیم باپ کے عظیم مشن اور نسل و ذریت کی بقاء و تسلسل کو یقینی بنایا، اور

قیامت تک آنے والی نسلوں کے لئے شریعت محمدیہ پرعمل کر کے سعادت کی منزل یک رسائی کو آسان بنادیا۔

ہمارا سلام ہو حضرت رسول خدا، محمد مصطفیٰ، خاتم الانبیاء پر !

ہمارا سلام ہو حضرت ام المعصومین، ام ابیھا، فاطمہ زہراؑ پر !

حق تو یہ ہے کہ کائنات میں کسی نے نہ تو ایسا عظیم باپ دیکھا اور نہ ہی ایسی عظیم بیٹی دیکھی،

ہمارا سلام ہو معصوم نبیؐ پر اور ان کی معصومہ بیٹی زوجہ علیؑ پر!

☆......☆......☆

علیؑ کی پہچان

(قصیدہ در شان حضرت زہراؑ)

ماخوذ از کتاب: علیؑ نہیں تو کچھ نہیں

(نتیجہ فکر: آیت اللہ حسن رضا غدیری)

زمیں پہ زہرا، فلک پہ زہرہ، کہ جلوۂ نورِ مصطفیٰؐ ہے
یہ سارا عالم اسی گھرانے کے پاک افراد کی دعا ہے
یہ فاطمہؑ ہے کہ جس کے بیٹے کے پاؤں کی خاک میں شفا ہے
وہ جس نے پیدا کیا ہے اس کو وہ جانتا ہے یہ ذات کیا ہے

نبیؐ کا عرفان اور آلِ نبیؐ کا عنوان فاطمہؑ ہے
علیؑ ہے پہچان فاطمہؑ کی، علیؑ کی پہچان فاطمہؑ ہے

خدا کی رحمت نبیؐ کے گھر میں بنامِ زہراؑ اتر گئی ہے
انہی کی تشریف آوری سے کساء کی قسمت سنور گئی ہے
یہ عصمتوں کی عظیم ملکہ بتولؑ وہ کام کر گئی ہے
رسولِ اعظمؐ ادھر گئے ہیں یہ پاک بی بیؑ جدھر گئی ہے

یہ فاطمہؑ ہے کہ جبرئیلِ امین بھی ہے غلام اس کا
یہی وہ بیٹی ہے باپ کرتا رہا سدا احترام اس کا

کہا نبیؐ نے علیؑ نہ ہوں گر تو اس کا ہمسر کوئی نہیں ہے
نسائے عالم میں ڈھونڈ لو تم کہ اس سے برتر کوئی نہیں ہے
ہزار ہوں بیٹیاں نبیؐ کی، پر اس سے بہتر کوئی نہیں ہے
جو اپنے بابا کی ماں ہو، دنیا میں ایسی دختر کوئی نہیں ہے

نبیؐ کی دختر، علیؑ کی ہمسر، یہ مرتبہ یہ مقام اس کا
لکھا ہوا ہے جبینِ عرشِ علا پہ معصوم نام اس کا

یہ سارے عالم کی رونقیں ہیں نبیؐ کی بیٹی کے در کا صدقہ
ہے صبحِ صادق کی روشنی بھی نبیؐ کی نورِ نظر کا صدقہ
سحر کے جلووں کی ہر ادا ہے نبیؐ کی لختِ جگر کا صدقہ
یہ زندگی کی حسین دولت، رسول زادیؑ کے سر کا صدقہ

ہے اس کی مرضی نبیؐ کی مرضی، نبیؐ کی مرضی خدا کی مرضی
کسے ہو اذنِ دخولِ جنت یہ دخترِ مصطفٰیؐ کی مرضی

وہ جس کے گھر میں نبیؐ خدا کا عظیم پیغام لے کے آیا
ردائے تطہیر میں لپیٹا ہوا وہ انعام لے کے آیا
کتاب لایا، وہ دین لایا، نظامِ اسلام لے کے آیا
وہ جب بھی زہراؑ کے گھر میں آیا تو علم کا جام لے کے آیا

یہ فاطمہؑ کا ہی مرتبہ ہے فدا ہیں بارہ امامؑ اس پر
بڑے ادب سے کہو غدیریؔ، درود اس پر، سلام اس پر

☆☆......☆......☆☆

فہرست مصادر و مدارک

(وہ کتب جن سے اس کتاب میں حوالہ جات مذکور ہیں)

۱۔ قرآن مجید

۲۔ مفاتیح الجنان

۳۔ بحارالانوار

۴۔ المستدرک علی الصحیحین

۵۔ مجمع الزوائد

۶۔ المعجم الکبیر

۷۔ صحیح بخاری

۸۔ مسند احمد بن حنبل

۹۔ البدایۃ والنہایہ

۱۰۔ الاستیعاب

۱۱۔ ذخائر العقبیٰ

۱۲۔ الطبقات الکبری

۱۳۔ الصواعق المحرقہ

۱۴۔ تاریخ دمشق

۱۵۔ احیاء العلوم

۱۶۔ فتح الباری

۱۷۔ فیض القدیر

۱۸۔ حلیۃ الاولیاء

۱۹۔ سنن ترمذی

۲۰۔ لسان المیزان

۲۱۔ تاریخ طبری

۲۲۔ میزان الاعتدال

۲۳۔ فضائل الصحابہ

۲۴۔ صحیح مسلم

۲۵۔ صفوۃ الصفوۃ

۲۶۔ تہذیب التہذیب

۲۷۔ المناقب خوارزمی

۲۸۔ الانوار الخفیہ

۲۹۔ فرائد السمطین

۳۰۔ اہداف القرآن فی ام الکتاب

۳۱۔ المقتضی فی سرد الکنی

۳۲۔ سیر اعلام النبلاء

۳۳۔ طبقات المحدثین

۳۴۔ الکاشف

۳۵۔ التعدیل والتجریح

۳۶۔ الاصابۃ

۳۷۔ تہذیب الاسماء

۳۸۔ اسدالغابۃ
۳۹۔ دلائل النبوۃ
۴۰۔ سیرۃ النبی ۔ ابن ھشام
۴۱۔ تحقیق سیرت فاطمۃ الزھراءؑ
۴۲۔ تفسیر القرطبی
۴۳۔ کشف الخفاء
۴۴۔ نیل الاوطار
۴۵۔ الاسعاف بالجواب علی مسئلۃ الاشراف
۴۶۔ السنن الکبری۔ بیہقی
۴۷۔ البیان والتعریف
۴۸۔ تاریخ بغداد
۴۹۔ العلل المتناھیہ
۵۰۔ سبل السلام
۵۱۔ الخصائص الکبری
۵۲۔ کنز العمال
۵۳۔ کشف الغمہ
۵۴۔ ینابیع المودۃ
۵۵۔ الکافی
۵۶۔ تفسیر اطیب البیان
۵۷۔ اخبار الدول وآثار الاول
۵۸۔ من فقہ الزھراءؑ
۵۹۔ تذکرہ خواص الامہ

٦٠۔ فائق اللغات

٦١۔ نہایۃ الاصول

٦٢۔ شرح نہج البلاغہ ۔ ابن ابی الحدید

٦٣۔ دائرۃ المعارف الحسینیۃ

٦٤۔ نبوۃ ابی طالب

٦٥۔ برکات استغاثہ سیدہ فاطمۃ الزہرأ

☆☆......☆......☆☆

آیت اللہ حسن رضا غدیری کے قلم سے!

۱۔ صحیفہ علیؑ
(تفسیر کلمات امام علیؑ)
۲۔ جہاد اور دہشت گردی
(اسلامی جہاد کی اصل حقیقت اور دہشت گردی میں فرق کی تحقیقی وضاحت)
۳۔ سورج بادلوں کی اوٹ میں
(امام زمانہؑ کے حوالہ سے دستغیب شہید کے دروس کا اردو ترجمہ)
۴۔ زندہ تحریریں
(مختلف موضوعات پر مجموعہ مقالات)
۵۔ این است علیؑ: فرمانروای دادگستر
امام علیؑ کی سیرت وفضائل پر فارسی زبان میں جدید اسلوب پر مشتمل کتاب)
۶۔ علیؑ مولا
(مولائیت کے موضوع پر احادیث نبویؐ کی تفسیر وتشریح)
۷۔ نظام سیاسی اسلام (فارسی)
(اسلام کے سیاسی اصولوں کے بنیادی خدوخال)
۸۔ کلام امام
(مجموعہ اقوال)
۹۔ ذکر حسینؑ
(امام حسینؑ اور واقعہ کربلا کے حوالہ سے مقالات کا مجموعہ)
۱۰۔ زینبؑ زینبؑ ہے
(سیدہ زینبؑ کی حیات طیبہ پر ایمان افروز کتاب)
۱۱۔ جام غدیر
(مجموعہ منقبت)

۱۲۔ حسین میرا
(مجموعہ کلام قصائد و مناقب، سوز و سلام)
۱۳۔ زنجیر حیات
(مجموعہ عرفانی کلام)
۱۴۔ حرف احساس
(مجموعہ عرفانی کلام)
۱۵۔ مکتب اہل بیتؑ
(تاریخ اسلام کے اہم حقائق پر اجمالی تبصرہ)
۱۶۔ وفاق اسلامی دینیات کورس
(بچوں کے لئے دینی معلومات کا خزانہ، چھ حصے)
۱۷۔ تاریخ جنت البقیع
(جنت البقیع میں مزارات مقدسہ کی تاریخ کا اجمالی تذکرہ)
۱۸۔ البقیع المنور
(جنت البقیع کی تاریخ پر عربی زبان میں اجمالی تذکرہ)
۱۹۔ چراغ ادب (مصباح اللغہ)
عربی گرائمر، صرف ونحو کا آسان تعلیمی نصاب، چار حصے)
۲۰۔ الاربعین فی فضائل امیر المومنینؑ
(امام علیؑ کے فضائل پر رسول خداؐ کی چالیس احادیث مبارکہ)
۲۱۔ ومضۃ من ومضات البسملۃ
(بسملہ کی تفسیر، جدید اسلوب میں، عربی) ۔۔
۲۲۔ الاحادیث النورانیۃ
(مختلف موضوعات پر احادیث کا مجموعہ، عربی)۔۔
۲۳۔ اخلاق اسلامی در نہج البلاغہ
(تفسیر وتشریح کلمات قصار، فارسی) ۔۔
۲۴۔ توزیع الاثاث فی شرح کتاب المیراث
(شرح لمعہ کی کتاب الارث کی شرح، عربی)۔۔
۲۵۔ المیزان فی تفسیر القرآن
(تفسیر القرآن بالقرآن کے اسلوب پر مشتمل منفرد کتاب، ترجمہ)
۲۶۔ شریعۃ التکلیف
(التعلیق والحواشی، عربی)

۲۷۔ شریعۃ التوقیت
(التعلیق والحواشی، عربی)
۲۸۔ شریعۃ المواصلات
(التعلیق والحواشی، عربی)
۲۹۔ شریعۃ الخدمۃ
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۰۔ شریعۃ الترھیب
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۱۔ شریعۃ الجمعۃ
(التعلیق والحواشی، وربی)
۳۲۔ متطلبات الامۃ
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۳۔ شریعۃ الجنین
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۴۔ شریعۃ التجوید
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۵۔ شرعیۃ الوقف
(التعلیق والحواشی، عربی)
۳۶۔ تحفۃ الابرار
(مجموعہ دعائیں واوراد واذکار)
۳۷۔ النجات (ایمان وعمل صالح)
(تفسیر وتکمیل)
۳۸۔ تفسیر سورہ فاتحہ
(عارفانہ انداز تفسیر، ترجمہ)
۳۹۔ التجوید
(علم تجوید کے اصولوں پر مشتمل درسی کتاب)
۴۰۔ پریشان نہ ہوں
(علم النفس کے اخلاقی پہلوؤں پر مشتمل تذکرہ) ۔۔
۴۱۔ صحیفہ پنجتنؑ
(پنجتن پاکؑ کے چودہ سو سعادت بخش اقوال زریں)

۴۲۔ والدین کے حقوق
(آیات وروایات کی روشنی میں موضوع پر تبصراتی تذکرہ)
۴۳۔ تعلیم احکام
(فقہ جعفری کی درسی کتاب)
۴۴۔ سائنس سے خدا کی پہچان تک
(آیات سے استدلال، مستشرقین کے بیانات سے تائیدی حوالے)
۴۵۔ منہاج الحسینؑ
(تفسیر وتشریح خطبات وارشادات امام حسینؑ) ۔۔
۴۶۔ تفسیر خطبہء غدیر
(تفسیر وتشریح ارشادات نبویہؐ) ۔۔

اشارات:
۔۔ (زیر ترتیب)